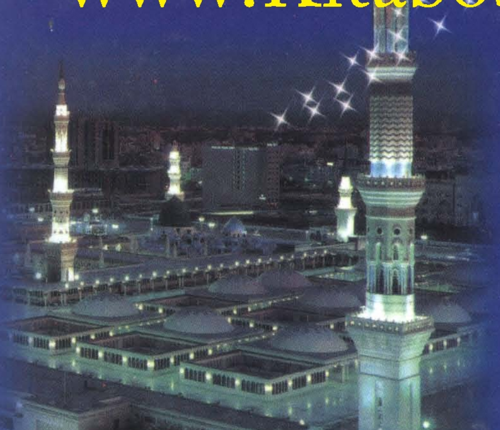
شیخ الاسلام حافظ ابن قیم کی معرکہ آرا تصنیف

زاد المعاد فی ھدی خیر العباد کا اختصار

اُسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم

مترجمہ

مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی



تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ گوالمنڈی راولپنڈی

شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ کی معرکہ آرا تصنیف

زاد المعاد فی ھدی خیر العباد کا اختصار ھدی الرسول کا ترجمہ

اُسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم

مترجمہ

مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی

شائع کردہ

تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ گوالمنڈی راولپنڈی

ناشر .... تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ۔

طبع اول .... جون 2001ء

مطبع .... موٹروے پرنٹرز

فہرس مضامین اسوہ حسنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ از مترجم

سوانح عمری

ابن قیمؒ کا تعارف

امام ابن قیمؒ کی سوانح عمری کے لئے یہ چند ورق ناکافی ہیں، البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ابن قیمؒ "شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ" کے شاگرد رشید، زندگی بھر کے رفیق صادق، قید خانے کے ساتھی اور استاد کے بعد ان کے علوم کے نہایت قیمتی اضافہ کے ساتھ، بہترین اسلوب پر شائع کرنے والے ہیں۔ متاخرین میں شیخ الاسلامؒ کے بعد ابن قیمؒ کے پایہ کا کوئی محقق اور مسلک سلف کا کوئی ایسا شارح نہیں گزرا، اس لئے ان کی تصانیف کی جتنی بھی قدر کی جائے، کم ہے۔

فن سیرت میں بہترین کتاب

ابن قیمؒ نے علاوہ اور قیمتی مصنفات کے ایک جلیل القدر مبسوط کتاب "**زاد المعاد فی هدی خیر العباد**" کے نام سے فن سیرت میں چھوڑی ہے۔ یہ کتاب اس قدر مشہور و مقبول ہے کہ اس کا تعارف، تحصیل حاصل ہے۔ ابن قیمؒ سے پہلے اور بعد بکثرت سیرت نگار گزرے، مگر کسی کو وہ مسلک نہ سوجھا، جو انہوں نے زاد المعاد میں اختیار کیا ہے۔ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سوانح عمریاں لکھیں، مگر اس طرح، گویا کسی سپہ سالار کی سوانح عمری لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئیے تھا کہ آپ کی حیات طیبہ کی ہر ہر بات دکھائی جاتی، جنگوں سے زیادہ اخلاقی و معاشرتی و خانگی حالات بتائے جاتے اور امت کے سامنے اسوہ حسنہ نبوی ﷺ اس طرح کھول کے رکھ دیا جاتا کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف حالات میں اس سے شمع ہدایت کا کام لے سکتے۔ ابن قیمؒ نے یہی

ضرورت پوری کی اور زاد المعاد تصنیف کر کے ہمیں اس قابل بنا دیا کہ آیت کریمہ "لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة" کے بموجب بآسانی عمل کر سکیں۔

زاد المعاد کا خلاصہ اور ترجمہ

لیکن چونکہ زاد المعاد بہت ضخیم کتاب تھی اور ہر شخص کے مطالعہ میں بآسانی نہ آسکتی تھی، اس لئے ضرری ہوا کہ مختصر کی جائے اور وہ تمام مباحث نکال دیئے جائیں جو زیادہ تر علماءَ کے مخصوصات سے ہیں، تاکہ براہ راست عوام بھی اس سے فیضیاب ہو سکیں، جو اس زمانہ میں اسلام سے بہت دور جاپڑے ہیں۔ چنانچہ یہ ضرورت بھی مصر کے ایک روشن خیال "عالم" میرے دوست و رفیق درس شیخ محمد ابو زید نے پوری کر دی اور اصل کتاب کا اختصار "ہدی الرسول" کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ اردو ترجمہ اسوہ حسنہ اسی کتاب کا ہے جو میں نے کر دیا ہے۔

دعا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

عبد الرزاق ملیح آبادی

فروری ۱۹۳۴ء

مقدمہ

از شیخ محمد ابو زید

حمداً و سلاماً

اسلام کی شاہراہ عمل

تمام لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ واحد کی عبادت کریں، اور اس دین متین کی پیروی کریں، جو اللہ تعالی نے ان کے دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسوہ نبوی ﷺ معلوم کیا جائے اور سنت عملی پیش نظر ہو، کہ جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے اس دین حنیف کی توضیح و تفسیر کی، ضرورت ہے کہ آغاز وحی سے تکمیل دین تک پورے زمانہ کی حیات نبوی ﷺ سامنے ہو، جو ہمیں مشعل راہ کا کام دے سکے۔

سیرت النبی ﷺ

اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب امام ابن قیمؒ کی زاد المعاد ہے، جس نے اس مقصد کو نہایت آسان کر دیا ہے۔ مگر چونکہ وہ بہت طویل تھی اور ہر کس و ناکس کے مطالعہ میں نہ آسکتی تھی، اس لئے میں اسے نے مختصر کر دیا، تاکہ نفع عام ہو اور ہر کوئی فیضیاب ہو سکے۔

علماء سلف کا طرز عمل

صدر اول میں دین کا علم و تعلم بالکل آسان تھا علماء سلف، سنت نبوی ﷺ کا علم حاصل کرتے، پہلے خود عمل کرتے، پھر اپنا عملی نمونہ امت کے سامنے پیش کرتے اور عمل کا مطالبہ کرتے۔ امت ان کی حالت دیکھ کر متاثر ہوتی اور خود بھی عمل کرنے لگتی،

درمیان میں کوئی چیز سدراہ نہ ہوتی۔

اشتیاق عمل کی وجہ؟

اس وقت امت کے لئے دین کا معاملہ بالکل آسان تھا، کیونکہ اول تو خود یہ دین ہی بہت آسان، صاف، مفید اور ہر طرح کے اختلاف اور گنجلک سے دور ہے، پھر اس زمانہ کے علماء کا عملی نمونہ خاص طور پر موثر تھا، لوگ، علماء کا عمل دیکھتے تو خود بھی شوق پیدا ہوتا اور ان کی اتباع و پیروی پر لگ جاتے۔ اس وقت کے علماء رسول اللہ ﷺ کے حقیقی جانشین اور امت کے لئے قدوہ اور نمونہ تھے۔

دین مشکل کب سے ہوا؟

دین کا معاملہ اس دن سے پیچیدہ اور مشکل ہو گیا، جب سے علماء نے طریقۂ نبوی ﷺ یعنی عملی تعلیم سے روگردانی کی اور کتب فقہ کے مجادلات اور قیل و قال کو اپنا شیوہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف جتھے اور فرقے قائم ہو گئے، ہر فریق نے اپنے طریقے کی پچ کی، بکثرت کتابیں لکھیں، یہی نہیں، بلکہ ان کتابوں کی شرحیں تیار کیں، پھر شرحوں پر حاشئے چڑھائے، پھر حاشیوں پر بھی حاشئے لگائے۔ اسی قدر نہیں بلکہ خود اپنی بھی تقسیم کردی اور مختلف مدارج و مراتب قائم کردیئے: مجتہد مطلق، مجتہد مذہب، مفتی مذہب، مرجح مذہب، مقلد مذہب۔ پھر ستم یہ کیا کہ مخلوق خدا کو مجبور کرنے لگے کہ دین کو صرف ان کی کتابوں سے اخذ کریں اور ان قیود و شروط و رموز پر کاربند ہوں جو انہوں نے اپنی عقل ورائے سے قرار دے رکھے ہیں، بے شمار قیدیں اور شرطیں ہیں، انسان دیکھتے ہی گھبرا جاتا ہے اور کسی طرح سمجھ نہیں سکتا کہ ان میں حق کتنا ہے اور باطل کتنا؟

زاد المعاد اور کتب فقہ میں فرق

اگر تم اس کتاب اور کتب فقہ کے مابین موازنہ کرو گے، تو صاف طور پر نمایاں فرق پاؤ گے۔ کوئی باب لے لو، مثلاً باب وضو، غسل، تیمم، اس کتاب میں دیکھتے ہی تمہیں

معلوم ہو جائیگا کہ ان مسائل میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ حالانکہ جامع ازہری میں ہم نے باب وضو تین مہینے میں پڑھا، مگر وضو کی حقیقت و سہولت سمجھ میں نہ آئی، یہاں تک کہ اس کتاب نے آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا۔

مذاہب اربعہ

ہم میں سے بہتیرے جامع ازہر میں بارہ بارہ اور پندرہ پندرہ برس رہتے ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی اکثر کتابیں پڑھ جاتے ہیں، یہاں تک کہ فضیلت کی سند بھی مل جاتی ہے، لیکن جب آخر میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اتنی کتابیں رٹ جانے کے خود اس مذہب کی بھی تحقیق نہیں ہوئی، دوسرے مذاہب کی تحقیق اور تفسیر و حدیث کا علم تو بہت دور رہا۔ چنانچہ ہم ہمیشہ حیرت و اضطراب میں پڑے رہتے ہیں اور اختلافی مسائل میں طریق ترجیح تک نہیں جانتے(۱)۔

علماء اور عوام

جب علماء کی یہ حالت ہے تو عوام کو کیونکر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ ان کتابوں پر چلیں؟ حالانکہ وہ اپنے علماء کی یہ حالت دیکھتے ہیں اور اپنے سامنے کوئی ایسا عملی نمونہ نہیں پاتے جس کی پیروی کی رغبت ہو۔

دین کے مشکل ہونے کی بڑی وجہ

دین کے مشکل ہو جانے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کا حاصل کرنا ان بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر موقوف ہو گیا ہے جو عبارت ہیں متعارض اقوال، پیچیدہ مسائل اور گوناگوں قیود و شروط سے۔ چنانچہ ان کے اندر فرائض ہیں، واجبات ہیں مستحبات ہیں،

(۱) جب علماء مصر کی یہ حالت ہے جو اس وقت دنیائے اسلام میں خاص علمی وجاہت رکھتے ہیں اور جن کی جامع ازہر دنیا بھر میں مشہور ہے، تو ہندوستان میں مذہبی علوم کے پڑھنے والوں کی کیا حالت ہوگی؟ یہاں عالم متبحر وہ سمجھا جاتا ہے جو رٹی ہوئی کتابوں کی عبارت، دوسروں کو سنا دے، یا ہدایہ اور شامی کے حوالے سے کوئی فتویٰ لکھ دے! (مترجم)

مطلات ہیں، پھر مکروہات کا سلسلہ ہے، کراہیت تحریمی ہے، کراہت تنزیہی ہے، غرض کہ کتب فقہ کا ہر باب اس طرح کی بے شمار اصطلاحات سے بھرا ہوا ہے، باب وضو ہو، یا باب صلوۃ، نکاح ہو یا طلاق، ہر جگہ یہ اور اسی قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں، جن سے تشویش ذہن کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان کتابوں میں طرح طرح کے ایسے مسائل موجود ہیں جو کبھی واقع نہیں ہوتے، وہ محض فرضی و تخمین کی پیداوار اور ذہن و دماغ کی اختراع ہیں ان سے کوئی علم بھی حاصل نہیں ہوتا، البتہ دماغ پریشان اور فکر پراگندہ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے، عوام نہ انہیں سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان پر عمل ہی کر سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نہ تو اللہ تعالی کے احکام ہیں اور نہ ان پر کاربند ہونے کا اس نے حکم دیا ہے۔

شریعت قرآن کے اندر ہے

اللہ تعالی نے دنیا کی ہدایت کے لئے صرف قرآن مجید نازل کیا اور حکم دیا ہے :۔

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم و لاتتبعوا من دونہ اولیا قلیلا ما تذکرون (الاعراف:۳)

جو کچھ تمہارے پرور دگار کی طرف سے نازل ہوا اسی کی پیروی کرو، دوسروں کی پیروی نہ کرو۔

اور فرمایا :۔

واتبعوآ احسن، مآ انزل الیکم من ربکم من قبل ان یاتیکم العذاب بغتۃ وانتم لا تشعرون ان تقول نفس یحسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ و ان کنت لمن الساخرین او تقول لو ان اللہ ھدانی لکنت من المتقین، او تقول حین تری العذاب لو ان لی کرۃ فاکون من المحسنین، بلی قد جآءتک ایاتی فکذبت بھا وا ستکبرت و کنت من الکافرین (الزمر:۵۵تا ۵۹)

جو سب سے اچھا تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کی پیروی کرو، قبل اس کے کہ اچانک عذاب آجائے اور تمہیں پتہ نہ چلے اس وقت کوئی کہے، آہ، اللہ کے جناب میں میری کوتاہی! میں بلا شبہ تمسخر کرنے والوں میں سے تھا، یا کہے کاش! اللہ نے میری ہدایت کی ہوتی تو میں متقیوں میں سے ہوتا، یا عذاب دیکھ کر کہے، اگر ایک بار پھر واپسی ہو جائے تو میں اچھے آدمیوں میں سے ہو جاؤں۔ ہاں، اے سرکش! تیرے پاس میری نشانیاں پہنچی تھیں مگر تو نے تکذیب کی، تکبر کیا اور تو ناشکروں میں سے تھا۔

اور فرمایا :۔

فبشر عباد الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه اولئك الذين هداهم الله و اولئك هم اولو الالباب (الزمر:۱۷،۱۸)

اے رسول علیہ ﷺ! میرے ان بندوں کو بشارت دیدو جو بات سنتے ہیں اور اس کے بہتر حصہ پر عمل کرتے ہیں، انہیں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور وہی عقلمند ہیں۔

اور فرمایا :۔

الله نزل احسن الحديث كتابا متشا بها مثاني تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم و قلوبهم الى ذكر الله ذلك هدى الله يهدى به من يشآء و من يضلل الله فماله من هاد

(الزمر:۲۳)

اللہ نے نہایت عمدہ گفتگو، ایک متشابہ کتاب نازل فرمائی جس سے ان لوگوں کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی جلدیں اور قلوب اللہ تعالیٰ کا ذکر سن کر نرم ہو جاتے ہیں یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہے اس سے سرفراز کرے اور جسے اللہ ہدایت نہ کرے اس کیلئے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔

اور فرمایا :۔

و لقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر. (القمر:۱۷،۲۲،۳۲،۴۰)

ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کیلئے آسان کر دیا ہے، کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

اور فرمایا :۔

فانما یسرناہ بلسانك لعلهم یتذکرون (الدخان: ۵۸)

ہم نے قرآن کو اے رسول ﷺ! تمہاری بولی میں آسان کر دیا ہے کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

اور فرمایا :۔

قرانا عربیا غیر ذی عوج لعلهم یتقون (الزمر: ۲۸)

قرآن عربی بغیر کسی کجی کے تاکہ یہ لوگ پرہیزگار بنیں۔

سنت نبوی ﷺ کی فرضیت

پھر اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ہدایت حاصل کریں کیونکہ وہ کلام الٰہی کی شارح اور مفسر ہے۔ فرمایا :۔

و انزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفکرون. (سورۃ النحل: ٤٤)

ہم نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ تو لوگوں کے لئے وہ سب بیان کر دے جو ان کے لئے اتارا گیا ہے، شاید کہ وہ کچھ غور کریں۔

اور فرمایا :۔

و ما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه و هدی و رحمة لقوم یؤمنون. (سورۃ النحل: ٦٤)

ہم نے تجھ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ جن چیزوں میں وہ جھگڑتے ہیں تو انہیں کھول کے بیان کر دے، قرآن ہدایت و رحمت ہے مومنین کے لئے۔

اور فرمایا :۔

و یوم نبعث فی کل امة شهیدا، علیهم من انفسهم وجئنا بك

شهیدا علیٰ ھؤلآء، ونزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شئی وھدی ورحمة وبشری للمسلمین (النحل: ۸۹)

اور اس دن جب ہم اٹھائینگے ہر قوم پر ایک شاہد خود اسی قوم میں سے اور لائینگے تجھے گواہ ان لوگوں پر، ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جو تفسیر ہے ہر چیز کی اور ہدایت، رحمت اور بشارت ہے مسلمانوں کے لئے۔

اور فرمایا :۔

ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل کل شئی وھدی ورحمة لقوم یؤمنون (یوسف: ۱۱۱)

قرآن ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی جاسکے، بلکہ وہ تصدیق ہے اسکی جو اسکے سامنے موجود ہے (کتب آسمانی) اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت ورحمت ایمان لانے والوں کے لئے۔

اور فرمایا :۔

کتاب انزلناہ الیك لتخرج الناس من الظلمات الی النور، باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید. (ابراھیم: ۱)

یہ کتاب ہے، ہم نے تجھ پر اس لئے نازل کی ہے کہ انسانوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔ (یعنی) عزیز و حمید اللہ تعالی کے صراط مستقیم کی طرف۔

اور فرمایا:

ھو الذی ینزل علی عبدہٖ ایات بینات لیخرجکم من الظلمات الیٰ النور، وان اللہ بکم لرؤف رحیم (الحدید: ۹)

وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکالے، بیشک اللہ تمہارے ساتھ نہایت مہربان اور رحیم ہے۔

اور فرمایا :۔

انا انزلنا الیك الکتاب بالحق تحکم بین الناس بمآ اراك الله.
(النسا:۱۰۵)

ہم ہی نے حق کے ساتھ تجھ پر کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق لوگوں کے مابین فیصلہ کرے۔

اور فرمایا:۔

قل انمآ اتبع ما یوحیٰٓ الی من ربی، ھذا بصآئر من ربکم و ھدی ورحمة لقوم یؤمنون. (الاعراف:۲۰۳)

کہہ دے اے رسول ﷺ! کہ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی جانب سے مجھ پر وحی کیا جاتا ہے، یہ روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت، ایمان لانے والوں کے لئے۔

اور فرمایا:۔

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (الاحزاب:۲۱)

رسول ﷺ کی ذات میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے۔

اور فرمایا:۔

ویوم یعض الظالم علی یدیه یقول یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا، یا ویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا. وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا. (الفرقان:۲۷،۲۸،۳۰)

اور جس دن نافرمان اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا اے کاش! میں رسول کے ساتھ رستہ پر لگ جاتا، ہائے کمبختی کاش! میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔

اس وقت رسول ﷺ کہے گا: اے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضا، قد یعلم الله الذین یتسللون منکم لو اذا فلیحذر الذین یخالفون عن

امرہ ان تصیبھم فتنة او یصیبھم عذاب الیم. (النور:٦٣)
مسلمانو! رسول ﷺ کے بلانے کو آپس کے بلانے کی طرح نہ سمجھو، اللہ انہیں خوب جانتا ہے جو رسول ﷺ کی مجلس سے چپکے سے کھسک جاتے ہیں، جو لوگ رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے کہ کہیں کوئی آفت ان پر نہ آن پڑے یا کوئی دردناک عذاب نہ نازل ہو جائے۔
اور فرمایا :۔

فکیف اذا جئنا من کل امة بشھید وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا، یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول لو تسوی بھم الارض ولا یکتمون الله حدیثاً. (النسا:٤١،٤٢)
اس دن کیا ہوگا جب ہر قوم میں سے ہم ایک شاہد لائیں گے اور اے رسول ﷺ! تجھے ان لوگوں پر شاہد لائیں گے؟ اس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی چاہیں گے کہ کاش زمین میں دفن ہو جائیں، اس دن اللہ تعالی سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔
اور فرمایا :۔

وما آتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھو، واتقوا الله ان الله شدید العقاب. (الحشر:٧)
جو رسول ﷺ تمہیں دے اسے لو، اور جس سے منع کرے اسے نہ کرو، اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔
ور فرمایا :۔

واتبعوہ لعلکم تھتدون (الاعراف:١٥٨)
رسول ﷺ کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت یاب ہو۔ اور فرمایا

وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله، ذالکم وصاکم به لعلکم تتقون. (الانعام:١٤٥)

بالتحقیق یہ میرا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے، اسی کی پیروی کرو، اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہ پڑو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے دور کر دیں‘ اسی کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

قرآنی دعوت

صاف ظاہر ہے کہ یہ آیات قرآنی اتباع سنت نبوی ﷺ کی دعوت دیتی ہیں اور کھلے لفظوں میں بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے پیامبر اور احکام ربانی کے شارح تھے۔ آپ ﷺ ہی شریعت کے حامل، آپ ﷺ ہی شریعت کے محرم راز، آپ ﷺ ہی اس کے مفسر تھے آپ ﷺ کی اتباع سے انسان کو بصیرت حاصل ہوتی ہے، تاریکی دور ہو جاتی ہے،نور ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

قل هذه سبيلي ادعوا الى الله، على بصيرة انا ومن اتبعني، وسبحان الله ومآ انا من المشركين.(۸-۱)

کہہ دو اے رسول ﷺ! یہ ہے میری راہ، میں دعوت دیتا ہوں اللہ کی طرف بصیرت کے ساتھ اور جنہوں نے میری پیروی کی، پاک ہے اللہ، میں ہرگز مشرکوں میں سے نہیں۔

صراط مستقیم

کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے صراط مستقیم کی پیروی کا حکم دیا اور دوسری راہوں کے اختیار کرنے سے منع کر دیا کہ جن پر پڑنے سے آدمی بھٹک جاتا ہے، اور ہدایت گم ہو جاتی ہے۔ اوپر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی صراط مستقیم کیا ہے؟ یہی سنت نبوی ﷺ اور اسوہ حسنہ نبوت ہے کہ جس کے بغیر دین کی حقیقت کسی طرح بھی منکشف نہیں ہو سکتی۔ یہ راستہ بالکل صاف ہے، سہل ہے، سیدھا ہے، اس میں پیچ و خم نام کو نہیں۔ اس پر چلنے والے دوش بدوش چلتے ہیں۔ متفق رہتے ہیں۔ کٹے کٹے اور الگ

الگ نہیں ہوتے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے :۔

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شئی انما امرھم الی اللہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون. (الانعام: ۱۵۹)

جنھوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور الگ الگ گروہ اور ٹولیاں ہو گئے، ان میں کچھ بھی نہیں ہے، ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جو انہیں بتا دیگا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔

علماء کا اعراض

باایںہمہ جب ہم علماء کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ، لوگوں کو اس ہدایت کی تلقین کرو، اس صراط مستقیم کی طرف دعوت دو، تاکہ سب ایک پیشوا کے زیر علم آجائیں جو ان میں اتفاق اور یگانگت پیدا کر کے اختلاف و افتراق دور کردے، دین اسلام اپنی تمام سہولتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو جائے اور اپنے عمل کی آسانیوں کے ساتھ مشرق و مغرب، شمال و جنوب، چار دانگ عالم میں سیل رواں کی طرح پھیل جائے۔ جب یہ صدا بلند کی جاتی ہے تو ادھر سے جواب ملتا ہے "تم اجتہاد کی دعوت دیتے ہو، مذاہب اربعہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہو، ائمۂ اربعہؒ کے فضل و تقدس پر حرف گیری کرتے ہو، یہ کرتے ہو، وہ کرتے ہو.........! حالانکہ ہم کوئی نئی بات نہیں کہتے، صرف وہی کہتے ہیں جس کا بار بار خود اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، یعنی سنت نبوی ﷺ کی پیروی۔

ائمۂ اربعہؒ

ائمۂ اربعہؒ کو ہم کیسا سمجھتے ہیں؟ اپنا محسن! ہمارا یقین ہے کہ ائمۂ اربعہؒ اور ان کے قبل و بعد کے تمام ائمہ کا ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے، انہیں نے دین کی

حفاظت کی اور بے کم وکاست ہم تک پہنچا دیا، لہذا ہم ان کی از حد تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کے احسانات پر شکر گزار رہتے ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہ ہونا چاہیئے کہ ہم ان کے فتووں اور اقوال کو رسول اللہ ﷺ کے اقوال پر ترجیح دینے لگیں۔ خود ائمہؒ نے بھی ہمیں ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول سامنے آجائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ کیوں نہیں، یہ لوگ سنت کے سب سے زیادہ پابند اور سب سے بڑے داعی تھے۔

آئمہؒ کی کتابیں

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان ائمہؒ نے محض اپنی آراء واقوال کیلئے کتابیں تصنیف کیں اور مسلمانوں کو ان کی پیروی کی ہدایت کی۔ بلاشبہ ہر ایک نے ان احادیث کی ایک ایک مسند[1] چھوڑی ہے جو ان تک پہنچتی تھیں اور جن سے وہ مسائل کا استنباط کرتے تھے۔

باقی اور جس قدر کتابیں ان کی طرف منسوب ہیں، ان کی نہیں ہیں، بعد کے لوگوں نے تصنیف کی ہیں، تاکہ ان کے اجتہادات مدون کریں اور ان کے فتاوی پھیلائیں۔ پھر جوں جوں زمانہ جاتا گیا، ان کتابوں کی تعداد بڑھتی گئی، لوگوں نے نئے نئے مسائل اور نئے احکام کا اختراع شروع کر دیا، یہاں تک کہ ہزار ہا مجلدات کا ذخیرہ مجمع ہو گیا کہ جن کے مؤلفین، شارحین اور محشین کے ناموں کا شمار بھی مشکل ہے۔

کوئی مضائقہ نہیں، یہ کتابیں کتب خانوں میں بطور تاریخی یادگاروں کے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ علماء ان سے ورزش ذہن اور توسیع فکر کا فائدہ اٹھائیں، اور اختلاف حالات سے پیدا ہو جانے والے مسائل میں ان کے مؤلفین کی آراء سے بصیرت حاصل کریں۔

---

(۱) لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نام سے جو مسند مشہور ہے، وہ انکی نہیں۔ امام صاحب نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔ (مترجم)

علماء کے فرائض

ہر زمانہ میں علماء کا فرض ہے کہ قوم کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی ضرورتوں پر غور کریں، وسائل ترقی معلوم کریں اور امت کیلئے ایسے اصول و قواعد وضع کریں جو اصول دین کے مطابق ہوں۔

شریعت اسلامیہ کی بناء

اسلامی شریعت دو قسم کے احکام پر مبنی ہے: ایک قسم تو ایسے احکام کی ہے جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتے ہیں، جیسے روزہ، نماز، حج، زکوۃ، وغیرہ عبادات کہ جن کی ایک خاص شکل اللہ تعالی نے مقرر کردی ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ اور پھر اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ عبادات اپنی موجودہ ہیئت واحکام کے ساتھ ہی مفید ہیں۔ یہ ہمیں یک جہتی کی طرف لے جاتی ہیں ہمارے اندر نظام یا ڈسپلن پیدا کرتی ہیں، ہمیں ان تمام اجتماعی ترقیوں کے لئے تیار کرتی ہیں جو ہر زندہ قوم کے لئے ضروری ہیں۔ پس اللہ تعالی نے اس سلسلہ میں جو احکام اول دن سے دے دیئے ہیں، وہی ہمیشہ باقی رہیں گے، زمانہ کتنا ہی بدل جائے، مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

دوسری قسم ان احکام و مسائل کی ہے جو امت کے عام دنیاوی حالات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً صلح و جنگ، بین الاقوامی تعلقات، تعلیم و تربیت، تجارت صنعت و حرفت، تعزیرات وغیرہ، ظاہر ہے کہ حالات کبھی ایک حالت پر نہیں رہتے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کے احکام بھی اٹل نہ ہوں۔ چنانچہ شریعت نے یہی کیا، اس نے ان کے لئے عام اصول و قواعد تو وضع کردیئے ہیں، لیکن جزئی و تفصیلی احکام دینے سے احتراز کیا ہے تاکہ امت کے لئے دنیاوی ترقیوں کا راستہ پوری طرح باز رہے۔

اجتہاد کی اہمیت وضرورت

ایک طرف شریعت نے یہ کیا اور دوسری طرف علماء اور اہل الحل والعقد پر فرض کر دیا کہ مختلف حالات میں اپنے فہم واجتہاد سے قوانین بناتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ میں سے اہل شوریٰ اپنے زمانہ کے حالات کے لئے قوانین وضع کرتے تھے، جن میں ان کلی اصولوں کی پابندی ملحوظ رہتی تھی جو شریعت الٰہی نے مقرر کر دیئے ہیں۔ یہ اصول اپنے منطوق و مفہوم میں اتنے وسیع وہمہ گیر ہیں کہ ان تمام گوناگوں حالات کو محیط ہو جاتے ہیں جو امتداد زمانہ سے برابر بدلتے رہتے ہیں۔

ضروریات حاضرہ

پس ہمارے زمانہ کے علماء کا بھی فرض ہے کہ امت کی باگیں اپنے ہاتھ میں لیں، شریعت کے کلی اصول کے ماتحت حسب ضرورت نئے نئے قوانین بنائیں، یہ نہ ہو کہ ہر نئی بات کے سامنے پتھر کی طرح سخت ہو جائیں، قوم پر ترقی کا راستہ بند کرنے لگیں، تکفیر و تفسیق کے فتوے جیبوں میں لئے پھریں، اور مخالف کو ملحد وزندیق کے نام سے پکارنے لگیں۔

انتباہ

نیز علماء ایسے بھی نہ ہو جائیں کہ ہر مغربی چیز کے دلدادہ بن جائیں، اور یورپ کی تقلید میں مبادی شریعت اور خصوصیات امت کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کی بربادی کا باعث بنیں۔ بلکہ ان کا راستہ درمیانی اور معتدل راستہ ہو، نہ افراط ہو نہ تفریط ہو، ایک طرف امت کا رشتہ شریعت سے جوڑے رہیں، دوسری طرف زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی رہنمائی وقیادت کریں۔

کتب فقہ کی اہمیت

اس صورت میں کتب فقہ علماء کے لئے مفید ہو سکتی ہیں، وہ انہیں دیکھیں اور

معلوم کریں کہ دوسرے زمانوں میں علماء نے کس طرح قانون بنائے؟ نئے حالات میں کیا حکم دیئے؟ اگر ان کے قوانین وفتاوی میں اس زمانہ کے علماء کو کوئی بات پسند آجائے اور سمجھیں کہ آج بھی امت کے لئے مفید ہوگی، فوراً لے لیں، یا قطع وبرید کر کے مناسب حال بنالیں، ورنہ چھوڑ دیں۔

لعنت تقلید

یہ تو کسی حال میں بھی درست نہیں کہ ہم ان کتابوں کو مقدس مان کر ان کی پرستش شروع کردیں، ان کی سطر سطر کو وحی سمجھیں اور اختلاف کرنے کو ناقابل معافی گناہ سمجھیں۔
لیکن افسوس کہ ہمارے زمانہ کے علماء نے امت کی رہنمائی کا فرض بالکل پس پشت ڈال دیا ہے، خود پر عجز اور نااہلی کی مہر لگالی ہے، تقلید کو شیوہ بنالیا ہے تن آسانی کے دلدادہ ہو رہے ہیں، اسی لئے محنت کرنے کے بجائے ان کتابوں ہی کو قبلہ حاجات قرار دے چکے ہیں، ان کی غلامی واسیری کچھ ایسی بھا گئی ہے کہ آزادی کا نام تک نہیں لیتے۔ افسوس ہمارے علماء خود پست ہوگئے ہیں، امت کی پستی کا باعث ہوئے ہیں اور اپنی تنگ نظری سے خود مذہب کو پست کر رہے ہیں!

خروج عن الملۃ

پھر ستم یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر ان کتابوں کی اتباع اور ان کے مصنفین کی تقلید ضروری ٹھہراتے ہیں، اگر کوئی روگردانی کرے اور کہے میرے لئے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ کفایت کرتی ہے تو اس پر زندیقیت وخروج عن الملۃ کا فتوی لگادیتے ہیں، حالانکہ آئمہ کرامؒ نے اسے نہ کبھی پسند کیا، نہ اس پر عمل کیا اور نہ کسی کو ایسا کرنے کا حکم ہی دیا۔

ائمہؒ کا مسلک

ائمہ کا مسلک تو یہ تھا کہ دین کے اندر اس وقت تک کوئی بات قبول نہ کرو جب تک کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے اس کے لئے دلیل نہ پالو، انہیں میں سے ایک جلیل القدر

امامؒ کا قول ہے۔:

اذا وجدتم قولي بخلاف قول رسول الله فاضربوا بقولي عرض الحائط [1]

اگر میرے کسی قول کو قول رسول ﷺ کے بر خلاف پاؤ، تو میرے قول کو پھینک دو۔

ائمہؒ کا قول ہے:۔

كل كلام يؤخذ منه ويرد عليه الا كلام الرسول

ہر ایک کا قول مانا اور رد کیا جا سکتا ہے بجز قول رسول ﷺ کے۔

کیونکہ رسول ﷺ جب کہتے ہیں تو وحی سے کہتے ہیں، جو غلطی سے مبرا ہے۔

ایک امامؒ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ان کی گفتگو لکھ رہا ہے تو منع کیا اور کہا:۔

أتكتب عني رأيا فتجعله ديناً للناس وربما ارجع عنه غدا

میرے خیالات لکھ رہے ہو تاکہ لوگوں کیلئے شریعت بنا دو، حالانکہ بہت ممکن ہے کہ کل میں ہی انہیں بدل دوں۔

یہ ہیں ائمہ کے اقوال!

ان الحكم الا لله

شریعت کا دارومدار صرف اللہ پر ہے، وہی حاکم مطلق ہے، اسی نے ہدایت کے ساتھ رسول ﷺ کو بھیجا۔ پس رسول ﷺ زمین پر اس کے نائب ہیں، اور رسول ﷺ ہی امام اعظم ہیں، کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں جب تک دین کا معاملہ براہ راست خود رسول ﷺ کے ساتھ نہ کرے، اختلاف کی صورت میں اسی کی طرف رجوع نہ کرے، اور اس کے فیصلہ پر بے چون وچرا اس سر تسلیم خم نہ کرے۔ فرمایا:۔

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ مترجم

فلا وربك لا يومنون حتی يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما. (النسأ:٦٥)

قسم ہے تیرے رب کی یہ ایمان نہیں لائے یہاں تک کہ اپنے جھگڑوں میں تمہیں حاکم بنا دیں، پھر اپنے دلوں میں تمہارے فیصلہ پر کوئی تنگی نہ پائیں اور جھک جائیں پوری طرح۔

اور فرمایا:۔

ان الحكم الا الله. (الانعام:٥٧)

حکومت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

اور فرمایا:۔

وما اختلفتم فيه من شئی فحكمه الی الله. (الشوریٰ:١٠)

جس چیز میں بھی تم باہم مختلف ہو، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی سے لو۔

اور فرمایا:۔

ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله. (الفتح:١٠)

جو لوگ اے رسولؐ! تم سے بیعت کرتے ہیں خود اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔

اور فرمایا:۔

من يطع الرسول فقد اطاع الله. (النسأ:٨٠)

جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی خود اللہ کی اطاعت کی۔

اور فرمایا:۔

ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين، وحسن اولئك رفيقا، ذلك الفضل من الله، وكفی بالله عليماً. (النسا:٦٩،٧٠)

جنہوں نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ، کیا ہی

اچھا ہے ان کا ساتھ، یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ ہی کا جاننا بس کرتا ہے۔

اور فرمایا:۔

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا (آل عمران:۱۰۳)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو، اور باہم پھوٹ نہ ڈالو۔

اور فرمایا:۔

ومن يعتصم بالله فقد هدى الى صراط مستقيم (آل عمران۱۰۱)

جس نے اللہ کے رستہ کو مضبوط پکڑا، البتہ سیدھے رستے کی ہدایت پائی۔

اور فرمایا:۔

فان تنازعتم في شئى فردوه الى الله والرسول ان كنتم تومنون بالله واليوم الآخر، ذلك خير واحسن تاويلا (النسا:۵۹)

اگر کسی بات میں تم باہم جھگڑ پڑو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ تمہارے حق میں ہر طرح بہتر ہے۔

اور فرمایا:۔

يآيها الذين آمنوا لا تقدموا بين يدى الله ورسوله واتقوا الله، ان الله سميع عليم (الحجرات:۱)

مسلمانو! اللہ اور اسکے رسولؐ کے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنایا کرو، ہمہ وقت اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

اور فرمایا:۔

وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم، ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا (الاحزاب:۳۶)

کسی مسلمان مرد اور عورت کو شایاں؟ نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی بات

ٹھیرا دیں ؟ تو اپنی مرضی کو دخل دے، جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی، البتہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گیا۔

اور فرمایا :۔

انما كان قول المومنين اذا دعوآ الى الله ورسوله ليحكم بينهم ان يقولوا سمعنا واطعنا واولئك هم المفلحون. ومن يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه فاولئك هم الفآئزون. (النور: ٥١،٥٢)

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب ان کو اللہ تعالی اور اسکے رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان کے مابین فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں ہم بسر و چشم حاضر ہیں، یہی لوگ فلاح پائینگے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم مانے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گار ہو تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔

اور فرمایا :۔

قل اطيعوا الله واطيعوا الرسول، فان تولوا فانما عليه ماحمل وعليكم ما حملتم وان تطيعوه تهتدوا، وما على الرسول الا البلاغ المبين. (النور: ٥٤)

اے پیغمبرؐ! کہہ دو کہ اللہ کی اطاعت کرو، اسکے رسولؐ کی اطاعت کرو، لیکن اگر روگردانی کرو تو رسولؐ پر اسکی اپنی ذمہ داری ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری، لیکن اگر اس کی اطاعت کروگے، ہدایت پاؤگے رسولؐ کے ذمہ تو بس پیغام پہنچانا ہی ہے۔

اور فرمایا :۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفرلكم ذنوبكم والله غفور رحيم. قل اطيعوا الله والرسول، فان تولوا فان الله لا يحب الكافرين. (آل عمران: ٣٠،٣١)

اے رسولؐ! کہہ دو کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، تمہارے گناہ معاف کردے گا، اللہ بڑا غفور رحیم

ہے۔ کہہ دو کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو، اگر روگردانی کروگے تو یاد رکھوں اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

سنت نبوی ﷺ کا عملی پیکر

کہا جائیگا کہ دین کا قرآن وسنت سے اخذ کرنا عوام کی طاقت سے باہر ہے۔ یہ سچ ہے، لیکن ہم نے کب کہا کہ وہ اجتہاد کریں اور قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنے بیٹھ جائیں۔ ہمارا خطاب عوام سے نہیں ہے، ہم تو صرف علماء سے مطالبہ کرتے ہیں کہ دین کو اس کے اصلی سرچشمہ سے لے کر عوام کو بتائیں۔ یہاں اجتہاد واستنباط کا سوال ہی نہیں سنت نبوی بالکل صاف ہے اس میں کسی اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں، ہاں! ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ علماء پہلے اس کے خود متبع بنیں، پھر عوام کے سامنے آئیں اور بتائیں کہ دین یہ ہے، فلاں بات نبیؐ نے یوں کی اور فلاں یوں کہی، نبی ﷺ نے نماز اس طرح پڑھی، پھر خود نماز پڑھ کر دکھائیں۔ نبیؐ نے وضو یوں کیا، اور خود وضو کر کے دکھائیں نبیؐ نے جو باتیں عمر بھر کیں، خود بھی ہمیشہ کریں، اور جو کبھی کیں اور کبھی ترک کر دیں، خود بھی اسی طرح کریں۔ ظاہر ہے نبیؐ نے یہ سب ہماری ہدایت کے لئے کیا تھا، ہم بھی ویسا ہی کریں، اور ویسا ہی عوام کو بتائیں تاکہ امت واقعی طور پر ہدایت یاب ہو، عمل میں برکت پائے، اور جو کچھ کرے، علم وبصیرت کے ساتھ کرے۔

ولا تقف ما ليس لك به علم، ان السمع والبصر والفواد كل اولئك كان عنه مسؤلا. (بنی اسرائیل: ۳۶)

اس چیز کے پیچھے مت چل جس کا تجھ کو علم نہیں، کیونکہ ہر ایک کان، آنکھ اور دل کے فعل پر مواخذہ ہوگا۔

مذہبی مدارس کو دعوت

آخر میں اس کتاب کی جانب سب کو دعوت دیتا ہوں، جس میں اسوہ حسنہ نبویؐ کو جہ

احسن بیان کیا گیا ہے میری دعوت مذہبی مدارس کو ہے کہ اسے نصاب میں داخل کریں۔ واعظوں کو ہے کہ اس سے وعظ وارشاد میں کام لیں۔ میں تمام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اسے خود پڑھیں اور جہاں تک ممکن ہو، اسکی اشاعت کریں، تاکہ دین کا معاملہ آسان ہو جائے، مشکلات راہ سے ہٹ جائیں اور عام مسلمانوں کو کتب فقہ اور ان کے معتقدین سے قطعی طور پر نجات مل جائے۔

فان تولوا فانما عليه ما حمل وعليكم ما حملتم وان تطيعوه تهتدوا، وما على الرسول الا البلاغ المبين. (النور: ٥٤)

لیکن اگر روگردانی کرو تو رسولؐ پر اسکی اپنی ذمہ داری ہے، اور تم پر تمہاری ذمہ داری، لیکن اگر اسکی اطاعت کروگے ہدایت پاؤ گے، رسول کے ذمہ تو بس پیغام کا پہنچانا ہی ہے۔

(محمد ابو زید)

مقدمہ امام ابن قیمؒ

رب یسروا عن یا کریم وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد الامین، وعلی آلہ الاکرمین الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین، ولا عدوان الاعلی الظالمین

قیامت کے دن سوال و جواب

قیامت کے دن بندے سے دو سوال ہونگے کس کی عبادت کرتے تھے ؟ رسول پر ایمان لائے تھے ؟ پہلے سوال کا جواب لا الہ الا اللہ ہوگا، بشرطیکہ اس کی معرفت ہو، اس پر ایمان ہو، اور اس کے بموجب عمل ہو۔ دوسرے کا جواب اشھد ان محمدا رسول اللہ ہوگا بشرطیکہ معرفت، ایمان، اطاعت اور فرمانبرداری کی شہادت ساتھ ہو۔

محمد ﷺ کا مشن

محمد بن عبداللہ ﷺ اللہ کے بندے، رسول، وحی کے حامل، مخلوقات میں بزرگ ترین اللہ اور بندوں کے مابین سفیر ہیں۔ آپؐ دین قویم، صراط مستقیم کے ساتھ مبعوث کئے گئے عالمین کے لئے رحمت، متقین کے لئے امام اور تمام مخلوق پر حجت بنائے گئے۔ رسولوں کے خاتمہ پر تشریف لائے، سب سے زیادہ روشن چراغ ہدایت ہاتھ میں لائے اور انسانوں کو سیدھے راستہ کی طرف پھیر دیا اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر آپؐ کی اطاعت، توقیر، تعظیم اور محبت واجب کر دی، جنت کی تمام راہیں بند کر کے صرف ایک اپنے رسولؐ کی راہ کھلی رہنے دی کہ جس پر چل کر آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے، پھر آپؐ کا شرح صدر کیا، تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے، اور ان پر ذلت وخواری کی مہر لگا دی جو آپؐ کی مخالفت کریں۔

چنانچہ مسند امام احمدؒ کی حدیث ہے :۔

عن ابیٰ منیب الجرشی عن عبداللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہؐ بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ حتی یعبداللہ وحدہ لاشریک لہ

وجعل رزقی تحت ظل ومحی وجعل الذله و الصغار علی من خالف امری ومن تشبه بقوم فھو منھم.

ابو منیب الجرشی عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :۔

قیامت کے روبرو مجھے بھیجا گیا تاکہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی پرستش کی جائے میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے کیا گیا، ذلت وخواری ان پر نازل کردی گئی جو میری مخالفت کریں، جو کسی قوم کی ریت رسم اختیار کرے، گویا اسی میں سے ہے۔

مومنین کی جزا

جس طرح ذلت مخالفوں کے حصہ میں آئی، اسی طرح عظمت وبرتری مؤمنین کے حصہ میں۔ اللہ تعالی نے فرمایا :۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین. (آل عمران:۱۳۸)

نہ ہمت ہارو، نہ آزردہ خاطر ہو، تمہارا ہی بول بالا ہے، اگر تم مومن ہو۔

اور فرمایا :۔

وللہِ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین. (المنٰفقون:۸)

اللہ کے لئے غلبہ ہے، اس کے رسولؐ کے لئے اور مومنین کے لئے۔

ور فرمایا :۔

فلا تھنوا وتدعوا الی السلم، وانتم الاعلون واللہ معکم. (محمد:۳۵)

بودے بن کر صلح کی طرف نہ بلاؤ، تم ہی غالب رہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

ور فرمایا :۔

یآ ایھا النبی حسبک اللہ ومن ابتعک من المؤمنین. (الانفال:٦٤)

اے نبیؐ! تیرے لئے اور تیرے پیرو مومنین کے لئے اللہ کفایت کرتا ہے۔

مومن کی شان

رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں جب تک وہ مجھے اپنی ذات، اپنی اولاد، اپنے والدین اور دنیا بھر سے زیادہ محبوب نہ بنا لے نیز اللہ ذوالجلال نے قسم کے ساتھ کہا کہ وہ شخص مومن نہیں جو رسولؐ کو اپنے تمام اختلافات میں حکم نہ قرار دے، پھر اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جائے، ایسا راضی ہونا کہ دل میں ذرا بھی تنگی باقی نہ ہو اور اس کے حکم کے آگے گردن نہ جھکا دے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم (الاحزاب:۳۶)

کسی مومن اور مومنہ کے لئے درست نہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے فیصلہ کے بعد اپنی مرضی کو دخل دیں۔

مومن کے لئے شاہراہ عمل

پس مومن کے لئے حکم نبوی ﷺ کے بعد حق نہیں رہتا کہ اپنی مرضی کو دخل دے کیونکہ حکم نبوی ﷺ اٹل ہے، کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کے سوا کسی اور شخص کے حکم کی پیروی کرے الا یہ کہ وہ شخص وہی حکم دے جو نبیؐ نے دیا ہے۔ اس صورت میں اس کی حیثیت ایک مبلغ و مخبر کی ہو گی، حاکم کی نہ ہو گی۔

لیکن جو شخص براہ راست حکم دے اور اپنے دل سے شریعت میں اصول و قواعد وضع کرے، امت پر اس کا اتباع واجب نہیں، یہاں تک کہ اس کے احکام اور اصول و قواعد حکم نبوی ﷺ کے مطابق ثابت نہ ہو جائیں اگر مطابق ہوں، قبول کر لئے جائیں، مخالف ہوں، رد کر دئے جائیں، اگر مخالفت یا موافقت صاف صاف معلوم نہ ہو سکے تو معلق چھوڑ دیئے جائیں، نہ مانے جائیں، نہ رو کے جائیں۔

اقسام مخلوقات

اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے پھر اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے فرمایا:۔

وربك يخلق ما يشآء ويختار (القصص:٦٨)

تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔

طیب وخبیث کی پہچان

مخلوق دو قسم کی ہے: طیب اور خبیث۔ اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب ہمیشہ طیب ہی پر پڑتی ہے، اور یہیں سے انسان کی سعادت و شقاوت بھی پہچانی جاتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سعید اور اس کی نظر میں طیب ہے، دنیا میں اس کا میلان طبع ہمیشہ طیبات ہی کی طرف ہوگا، اعمال دیکھو گے تو نظر آئیگا کہ وہ اللہ واحد کی پرستش کرتا ہے، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا، اس کی مرضی کو اپنی ہوا و ہوس پر مقدم رکھتا ہے، اس کی مخلوق کے ساتھ حتی المقدور نیکی کرتا ہے، سب کے ساتھ اس کا برتاؤ وہی ہے جو ان سے اپنے لئے چاہتا ہے۔ یہی حال اخلاق میں بھی ہوگا، اعلیٰ ترین اخلاق سے اس کا نفس آراستہ ہوگا، حلم، رحم، صبر، صدق، محبت، شجاعت، عفت، سخاوت، انسانیت، وقار، رواداری، قلب کی سلامتی مومنین کے ساتھ فروتنی، دشمنان الٰہی پر نخوت و سختی، غرضیکہ تمام محاسن اخلاق سے متصف ہوگا، کہ جن کی تحسین پر تمام شرائع ربانی، فطرت و عقل انسانی متفق ہیں۔

اسی طرح اکل و شرب میں اس کی رغبت طیب حلال ہی کی طرف ہوگی جو جسم و روح دونوں کے لئے مفید مغذی ہوتا ہے۔

اسی طرح اس کے احباب و ہم نشین بھی اچھے ہی لوگ ہونگے، شریروں کی صحبت اسے پسند نہ آئیگی۔ غرضیکہ اس کا وجود ہی اس کے طیب و طاہر ہونے کی خبر دے گا۔ خبث و کثافت کا ایک شمہ بھی اس میں نہ پایا جائے گا۔

قرآنی شہادت

ایسے ہی لوگوں کے حق میں قرآن میں آیا ہے:۔

الذین تتوفاھم الملائکة طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون. (النحل:۳۲)

جن کی جانیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ طیب وطاہر ہوتے ہیں تو فرشتے ان پر بڑے تپاک سے کہتے ہیں: تم پر سلامتی ہو، جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔

اور ایسے ہی لوگوں سے جنت کے نگہبان کہیں گے :۔

سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین (الزمر:۷۳)

سلامتی ہو تم پر! تم پاک ہو، پس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔

اور اسی طیب وخبیث کی تقسیم کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے :۔

الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات، والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات. (النور:۲۶)

خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے، طیب عورتیں طیب مردوں کے لئے ہیں۔ طیب مرد طیب عورتوں کے لئے، پس طیب الفاظ، طیب اعمال اور طیب عورتیں، اپنے مناسب حال طیب لوگوں کے لئے ہیں، اور خبیث الفاظ، خبیث اعمال اور خبیث عورتیں، خبیثوں کے لئے ہیں، طیبین کے ساتھ ان کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

فریقین کا ٹھکانا

اللہ تعالی نے طیب وطیبات کے لئے جنت مخصوص کی ہے، اور خبیث وخبیثات کا ٹھکانا جہنم کو قرار دیا ہے۔ یعنی جس طرح مخلوق دو قسم کی ہے اس طرح اس کے ٹھکانے بھی دو ہیں۔ ایک جنت جس میں طیب ہی طیب ہو گا، خبیث کا وہاں گزر نہیں۔ دوسرا دوزخ، جو صرف خبیث کا مقام ہے، طیب کا داخلہ اس میں محال ہے۔

دار دنیا

لیکن ان دونوں مقاموں کے علاوہ ایک مقام اور بھی ہے، جس میں خبیث وطیب دونوں ہی رہتے ہیں، اور وہ مقام یہی دار دنیا ہے جس میں نہ طیبین کی کمی ہے نہ خبیثین کی، دونوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ چونکہ دنیا کی کیفیت یہی ہے اس لئے حکمت الٰہی نے اسے ابتلاؤامتحان کا مقام بنادیا ہے، یہاں دونوں کسوٹی پر رکھے جاتے ہیں اور عمر بھر پرکھے جاتے ہیں۔

علیحدگی خبیث وطیب

یہاں تک کہ قیامت آجائے اور دونوں اپنے اپنے اعمال نامے لے کر رب العزت کے حضور میں پہنچ جائیں، اس وقت پروردگار عالم طیب کو خبیث سے جدا کر دیگا، طیبین اپنے مقام جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے جہاں ان کے سوا اور کوئی نہ ہوگا، خبیثین اپنی تمام نجاستوں اور کثافتوں کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں اپنے علاوہ کسی کو نہ پائیں گے۔

جزاوسزا کا معیار

اللہ تعالی نے فریقین کی جزاوسزا خود انہیں کے اعمال میں رکھ دی ہے، طیبین کے اقوال واعمال واخلاق بعینہ ان کے لئے جنت کی لذتیں اور نعمتیں بن جائینگی اور انہیں میں برکت دے کر اللہ تعالی بہترین اسباب راحت وسرور مہیا کر دیگا۔ اسی طرح خبیثین کے اقوال واعمال واخلاق ان کے حق میں کانٹے ہو جائیں گے اور انہیں سے انواع واقسام کے آلام ومصائب پیدا ہو جائیں گے۔

مظاہر رحمت

اس بڑے آقا کی کیا ہی بڑی حکمت ہے اس طرح وہ اپنے بندوں کو اپنی کمال ربوبیت، کمال حکمت، علم، عدل اور مظاہر رحمت دکھاتا ہے تاکہ اس کے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ خود وہی گمراہ اور مفتری وکذاب تھے نہ کہ اس کے سچے رسول!

فرمایا :۔

واقسموا باللہ جھد ایمانھم لایبعث اللہ من یموت، بلی وعدا علیہ حقا ولکن اکثر الناس لایعلمون لیبین لھم الذین یختلفون فیہ ولیعلم الذین کفروٓا انھم کانوا کاذبین. (النحل:۳۸،۳۹)

انہوں نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ اللہ اسے پھر نہ اٹھائیگا جو مر چکا ہے، نہیں، ضرور اٹھائیگا، یہ اس کا سچا وعدہ ہے، لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے، اس لئے اٹھائیگا تاکہ کھول دے وہ چیز جس میں باہم حجت کرتے تھے اور تاکہ کفار جان لیں کہ وہی جھوٹے تھے۔

فریقین کی شناخت

غرضیکہ مخلوق میں کچھ طیبین ہیں کچھ خبیثین ہیں، کچھ سعید ہیں کچھ شقی ہیں دونوں کے لئے علامتیں اور نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ وہ شناخت کئے جاسکتے ہیں خبیث وہ ہے جس کے قلب، زبان اور اعضاء و جوارح سے خبث و نجاست پڑی بہتی ہے طیب وہ ہے جس کے قلب، زبان اور اعضاوجوارح سے طہارت کا فوارہ چھوٹا کرتا ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص میں طیب و خبیث دونوں مادے پائے جاتے ہیں، ایسی حالت میں انسان اس فریق میں ہو جاتا ہے۔ جس کا مادہ کشمکش کے بعد بالآخر دوسرے مادے پر غالب آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ بہتری منظور ہوتی ہے، موت سے پہلے اسے خبیث مادے سے پاک کردیتا ہے، چنانچہ قیامت کے دن وہ صاف ستھرا اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوتا ہے اور سیدھا جنت میں بھیج دیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں کوئی میل تو رہتا ہی نہیں جس کی تطہیر کے لئے اسے جہنم کی بھٹی میں پڑنا پڑے۔

فضل الٰہی

اللہ تعالیٰ کا بندے پر یہ فضل اس توفیق کی شکل میں ہوتا ہے جو اس کی جناب سے

نیکی، اطاعت، توبۃ النصوحہ اور کفارہ کرنے والی حسنات کے لئے حاصل ہوتی ہے۔

بد نصیب

لیکن جس بد نصیب کے شامل حال فضل الٰہی نہیں ہوتا، خبیث مادہ اس میں برابر موجود رہتا اور بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنی تمام کثافتوں اور نجاستوں کے ساتھ وہ بارگاہ الٰہی میں پہنچتا ہے اور جہنم میں گرا دیا جاتا ہے، کیونکہ اپنے خبیث مادوں کے ساتھ وہ جنت میں جا ہی نہیں سکتا، اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ دوزخ کی بھٹی میں پڑے اور طہارت حاصل کرے۔ لیکن جونہی تنقیہ و تصفیہ ہو جاتا ہے وہ جہنم سے نکل آتا ہے اور اپنے پروردگار کی مجاورت اور اہل جنت کی صحبت کا اہل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی جہنم میں اقامت صرف اتنی ہی مدت کیلئے ہوتی جتنی مدت میں وہ طہارت حاصل کرلیں، ان میں خوش نصیب جلد پاک ہو جاتے ہیں، جلد نجات پا جاتے ہیں اور جنہیں دیر لگتی ہے انہیں وہ پر محن زندگی زیادہ عرصہ تک بھگتنا پڑتی ہے: **"جزاء وفاقا"** (النبأ: ۲۶) (اعمال کا بدلہ ہے۔) **"وما ربك بظلام للعبيد"** (حٰم السجدۃ: ۴۶) "تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے کا نہیں۔"

مشرکین کا حشر

رہا مشرک! تو چونکہ اس کی جبلت اور اس کی ذات خبیث ہوتی ہے، اس لئے جہنم بھی اس کی نجاست کو زائل نہیں کر سکتی، وہ کتنی ہی مدت رہے، خبیث ہی رہیگا، اگر باہر بھی نکال لیا جائے تو بھی خبیث رہیگا۔ اس کی مثال کتے کی مانند ہے جسے لاکھ نہلاؤ ناپاک ہی رہے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت حرام کر دی ہے۔

برخلاف اس کے مومن کہ جس پر دوزخ حرام ہے، کیونکہ وہ سراسر طہارت ہی ہے، اس میں خبث کا شائبہ تک نہیں ہوتا کہ جس کے ازالہ کے لئے جہنم میں جانا ضروری ہو۔ **فسبحان من بهرت حكمته العقول والالباب۔**

اتباع نبوی ﷺ کی ضرورت

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ پر ایمان لانا اور آپؐ کی اطاعت کرنا کس قدر ضروری ہے، کیونکہ طیب وخبیث کی پوری پوری شناخت کا ذریعہ بجز آپؐ کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں۔ آپؐ ایک میزان حق ہیں، آپؐ ہی کے اقوال واعمال واخلاق پر تمام اقوال واعمال واخلاق تولے جاسکتے ہیں انسان کی ضرورتوں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ناگزیر ضرورت یہی ہے کہ رسول اللہؐ کی حیات طیبہ سے کلی واقف ہو، تاکہ اس نمونہ پر اپنی زندگی ڈھالے اور آپؐ کے نقش قدم پر چل کر سعادت دنیوی واخروی سے شاد کام ہو۔ والسلام!

ابن قیمؒ

باب اول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

فصل اول

ابتدائی زندگی

ولادت باسعادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام[1] فیل میں ہوئی واقعہ فیل درحقیقت اس خارق العادت ہستی کے ظہور کا پیش خیمہ تھا جو عنقریب مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں جلوہ گر ہونے والی تھی، ورنہ اصحاب فیل اہل کتاب تھے اور ان کا مذہب مکہ کے بت پرستوں کے مذہب سے کہیں بہتر تھا، لیکن اللہ تعالی نے ان بت پرستوں کو اہل کتاب پر ایسی فتح مبین عطا فرمائی جس میں کسی انسانی ہاتھ اور تدبیر کا مطلقاد خل نہ تھا۔

(۱) یعنی اے۵ء میں، عربوں کا قاعدہ تھا کہ تاریخ کا حساب بڑے بڑے واقعات سے کرتے تھے واقعہ فیل بھی ایک نہایت اہم واقعہ تھا اس لئے اس سے تاریخوں کا حساب کرنے لگے۔ واقعہ فیل کی اصلیت یہ ہے کہ یمن کے عیسائیوں نے حبشی سردار ابرھہ بن الاشرم کی سرکردگی میں خانہ کعب کو ڈھانے کے لئے مکہ پر فوجکشی کی، مگر کامیاب نہ ہوئے، عذاب الٰہی میں پڑ کر برباد ہوگئے۔ سورہ فیل میں یہی واقعہ مذکور ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ نے عکرمہؓ کی روایت سے تفسیر ماثور درج کی ہے کہ چڑیاں اصحاب فیل پر کنکریاں گراتی تھیں، جس پر کنکری گرتی تھی چیچک کے مرض میں مبتلا ہوجاتا تھا۔ عرب میں سب سے پہلے چیچک کا ظہور اسی واقعہ سے ہوا۔ (ابوزید) مترجم کتاب اتنا اضافہ اور کرتا ہے کہ ٹھیک اسی زمانہ میں طور سینا اور علاقہ سویز میں چیچک کی بیماری پھیلی ہوئی تھی، بہت ممکن ہے کوئی بڑی آندھی اس علاقہ سے چڑیوں کو اڑا لے گئی ہو جو اپنے ساتھ چیچک کے جراثیم ان کنکریوں میں لے گئی ہوں تاکہ اللہ کے حکم سے ان ظالموں کو برباد کردیں۔

اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہوئی کہ اِس واقعہ کے ذریعہ خانہ کعبہ، قریش اور مکہ کی بزرگی مسلم ہو جائے جس میں عنقریب اس کے نبی ﷺ کا ظہور ہونے والا تھا۔

نسب نامہ رسول اللہ ﷺ

آپ ﷺ کا حسب و نسب اعلیٰ واشرف، آپ ﷺ کی قوم اشرف، آپ ﷺ کا قبیلہ اشرف، اور آپ ﷺ کا خاندان اشرف، آپ محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لئوی بن غالب بن فہر بن مالک ابن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہیں۔ یہاں تک سلسلہ نسب متفق علیہ اور یقینی طور پر معلوم ہے۔ عدنان کا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا بھی یقینی ہے، اسی طرح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر بھی تمام صحابہ و تابعین اور علماء امت کا اتفاق ہے۔

مختون و مسرور پیدا ہوئے

ختنہ کے بارے میں تین قول مروی ہیں:

(۱) آپ ﷺ پیدائشی مختون و مسرور (ناف کٹی ہوئی) تھے، لیکن اس باب میں جو حدیث سب سے زیادہ مشہور ہے، وہ بھی غیر صحیح ہے، ابن جوزیؒ نے موضوعات میں شمار کی ہے، باقی اور جتنی حدیثیں ہیں، ان کی صحت بھی ثابت نہیں۔ پھر اس میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں، بہت سے آدمی مختون پیدا ہوتے ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ختنہ اس دن ہوا جب حلیمہ دائی کے ہاں ملائکہؑ شق صدر کیا۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ولادت سے ساتویں دن آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے ختنہ کیا، اس تقریب پر دعوت بھی کی، اور "محمد ﷺ" نام رکھا۔

ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ اس باب میں ایک حدیث مسند غریب روایت کی گئی ہے، اس مسئلہ پر دو فاضلوں کمال الدین ابن طلحہ اور کمال الدین ابن الندیم میں مناظرہ ہوا۔ اول الذکر نے اپنی ایک کتاب تصنیف کر ڈالی اور ہر طرح کی حدیثیں بے لگام روایت کر

گئے کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے، مگر آخر الذکر نے تردید کردی اور ثابت کیا کہ عرب کے دستور کے مطابق ختنہ ہوا تھا، چونکہ یہ رواج تھا، اس لئے ثبوت کے لئے کسی سند کی ضرورت نہیں، مدعی کو دلیل پیش کرنی چاہئے۔

رضاعی مائیں

آپ ﷺ کو متعدد عورتوں نے دودھ پلایا:

ثوبیہ کنیز ابو لہب، چند دن دودھ پلایا، اس دودھ میں آپ ﷺ کے شریک عبد اللہ بن عبد الاشد المخزومی، مسروح بن ثوبیہ اور آپ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب تھے۔ ثوبیہ کے اسلام میں اختلاف ہے۔

ثوبیہ کے بعد حلیمہ رضی اللہ عنہا سعدیہ نے دودھ پلایا، جس میں آپ ﷺ کے شریک عبداللہ بن حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے چچیرے بھائی ابو سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب تھے، یہ آپ ﷺ کے سخت دشمن تھے، یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

نیز حضر حمزہ رضی اللہ عنہ، کی لنّا نے بھی آپ ﷺ کو دودھ پلایا جو قبیلہ سعد بن بکر سے تھیں، یہ اس وقت جب آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ کے ہاں تھے اسی طرح حضرت حمزہؓ آپ ﷺ کے دو طرف سے رضاعی بھائی ہوئے حلیمہ اور ان کے شوہر کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔

کھلائیاں

آپ کی کھلائیوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں: خود آپ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ پھر ثوبیہ، حلیمہ، شیما آپ کی رضاعی بہن یہ وفد ہوازن کے ہمراہ جب خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی تھی، فاضلۃ الجلیلۃ۔ ام ایمن، برکۃ الحبشیہ جو آپ ﷺ کو والد سے ورثہ میں ملی تھیں، ان کی شادی آپ ﷺ نے اپنے محبوب زید بن حارثہ سے کر دی تھی، انہی کے بطن سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ جب نبی ﷺ کا وصال ہوا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ، وعمر رضی اللہ عنہ، ام ایمن کے گھر گئے وہ بیٹھی رو رہی تھی، تسکین دینے لگے کہ "اے ام

ایمن ! جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اس دنیا سے بہتر ہے کہنے لگیں "میں بھی جانتی ہوں میں اس غم میں رو رہی ہوں کہ اب آسمان کی خبریں آنا بند ہو گئیں۔ یہ سن کر دونوں صحابیوں پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

بچپن اور شباب

پیدائش سے پہلے ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا، ابھی سات برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ماں کی مامتا سے بھی محروم ہو گئے، والدہ کی وفات مکہ مدینہ کے مابین مقام (ابوا) میں ہوئی جبکہ مدینہ میں آپ ﷺ کے ماموں کے گھر سے واپس آ رہی تھیں۔ دادا عبد المطلب نے گود میں اٹھا لیا، لیکن ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ انہوں نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ آخر ابو طالب نے پرورش شروع کی۔

بارہ سال کی عمر میں شفیق چچا کے ہمراہ ملک شام تشریف لے گئے، اسی سفر میں بحیرا راہب کی دور بین نظریں پڑیں اور اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کو شام میں نہ پھرائیں کیونکہ یہودیوں کی جانب سے خطرہ ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے بعض غلاموں کے ساتھ آپ ﷺ کو مدینہ پہنچا دیا۔

۲۵ برس کے سن میں ایک تجارتی کارواں لے کر شام کا پھر سفر کیا، شہر بصری تک گئے، واپسی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بن خویلد سے شادی ہوئی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جنہیں آپ ﷺ کی زوجیت کا فخر حاصل ہوا، اور امہات المومنین میں سب سے پہلے اپنے اللہ تعالیٰ سے جا ملیں۔ جب تک زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسری شادی نہ کی، ان کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ خود رب العزت نے جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے انہیں سلام کہلا بھیجا!

(۱) لیکن جہلاء نے مکہ کے قبرستان "معلیٰ" میں ایک قبر بنا رکھی ہے جسے "قبر سید تنا آمنہ" کہتے ہیں ہر پنج شنبہ کو جوق در جوق زیارت کو جاتے ہیں حجاج کو بھی زیارت کرائی جاتی ہے اور خوب لوٹا جاتا ہے

فصل ۲

نبوت کی زندگی

خلوت پسندی

سال پر سال گزرتے چلے گئے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب آپ ﷺ تنہائی پسند ہو گئے، حرا کا سنسان غار مونس و ہمدم ہو گیا۔ اس میں مسلسل کئی کئی رات اور دن، تدبر و تفکر و عبادت باری تعالی میں منہمک رہنے لگے۔ بتوں سے نفرت تھی، آبائی دین سے بیزاری تھی، کسی چیز سے اتنے بیزار نہ تھے جتنے ان دو چیزوں سے تھے۔

اولین وحی

وحی کا آغاز رؤیائے صادقہ سے ہوا، روایت ہے کہ چھ ماہ تک یہی حالت رہی، اس کے بعد اصلی نبوت سے سرفراز ہوئے غار حرا میں گوشہ نشین تھے کہ فرشتہ نمودار ہوا اور سب سے پہلی وحی پہنچائی **اقرا باسم ربك الذی خلق (العلق : ۱)** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اور صحیح ہے، حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلی وحی **یا یھا المدثر الخ (المدثر :۱)** تھی۔[1]

(۱) لیکن بعض کا قول ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔ ہم ان تمام اقوال کو اس طرح جمع کر سکتے ہیں کہ اولیت یا اضافی قرار دیں، اس صورت میں فاتحہ اولین وحی ہو گی جو اس لئے نازل ہوئی کہ آپ وحی سے مانوس اور اس کے سننے کے لئے تیار ہوں، اس کی تائید آپ کے اس جواب سے بھی ہوتی ہے جو ورقہ بن نوفل کو دیا تھا کہ "میں نے یہ سب ایسے شخص سے سنا ہے جسے میں نے دیکھا نہیں" "اقراء" سے اصل وحی آغاز ہوا جبکہ حضرت جبریل نے سینہ سے لگایا کہ تحمل وحی کیلئے استعداد مکمل ہو جائے "یاایھا المدثر" اس معنی میں پہلی وحی ہو گی کہ انقطاع وحی کے طویل وقفہ کے بعد سب سے پہلے وہ نازل ہوئی، یا یہ کہ تبلیغ کے لئے وہ سب سے پہلی وحی ہے

(بوزید)

نبوت

جب چالیسواں سال ختم ہوا، غار حرا میں آفتاب نبوت طلوع ہوا، تاج رسالت فرق مبارک پر رکھا گیا، اور تمام مخلوق کے لئے پیغمبر بنا کر مبعوث کیئے گئے، سب متفق ہیں کہ بعثت دوشنبہ کے دن ہوئی، مہینے کی تعیین میں اختلاف ہے، مگر رجحان اسی جانب ہے کہ ۸ ربیع الاول ۴۱ عام الفیل میں رسالت سے سرفراز ہوئے، بعض اسے رمضان میں بتاتے ہیں اور آیت :۔

شھر رمضان الذین انزل فیه القرآن. (البقرہ : ۱۸۵) سے استدلال کرتے ہیں۔

"ماہ رمضان جس میں قرآن نازل کیا گیا۔"

اقسام وحی

وحی الٰہی کئی صورتوں سے آتی تھی :۔

(۱) رویائے صادقہ = وحی کا آغاز اسی سے ہوا، خواب دکھائی دیتے، اور جو کچھ دیکھتے بال بال ٹھیک نکلتا۔

(۲) فرشتہ بغیر نظر آئے قلب میں القاکرتا، جیسا کہ خود فرمایا :۔

"ان روح القدس نفث فی روعی انه لن تموت نفس حتی تستکمل رزقها، فاتقوا الله واجملوا فی الطلب ولایحملنکم استبطاء الرزق علی ان تطلبوه بمعصیة الله، فان ما عند الله لاینال الا بطاعته."

"روح القدس نے میرے اندر ڈالا ہے کہ کوئی مر نہیں سکتا جبتک اپنی روزی پوری پوری نہ پالے، پس اللہ سے ڈرو، طلب مال ٹھیک طریقہ سے کرو، رزق کی تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ اللہ کی معصیت کے راستہ سے اسے حاصل کرو، کیونکہ اللہ کے پاس جو ہے صرف اس کی فرمانبرداری ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے

(۳) فرشتہ انسان کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور وحی پہنچاتا ہے، اس حالت میں کبھی کبھی صحابہؓ بھی اسے دیکھتے تھے۔

(۴) گھنٹی کی آواز کی طرح آتی۔ یہ وحی آپ ﷺ پر بہت سخت ہوتی، حتی کہ کڑاکے کی سردی میں بھی پیشانی عرق عرق ہو جاتی تھی، اگر اونٹ پر ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ زید ابن ثابتؓ کے زانو پر زانو رکھے بیٹھے کہ اسی قسم کی وحی آگئی، زیدؓ کا بیان ہے کہ مجھ پر اس قدر بوجھ پڑا کہ قریب تھا، میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

(۵) فرشتہ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتا اور اللہ تعالی کا پیغام پہنچاتا۔ عمر بھر میں صرف دو دفعہ ایسا موقع ہوا، جیسا کہ سورہ النجم میں مذکور ہے۔

(۶) وہ وحی جو اللہ تعالی نے آسمانوں کے اوپر شب معراج میں کی، جس میں نماز وغیرہ فرض ہوئی۔

(۷) وہ خطاب جو اللہ تعالی نے بلاواسطہ فرشتہ براہ راست کیا، جیسا کہ موسی کلیم اللہ کے ساتھ ہوا تھا۔ حضرت موسی علیہ السلام کے لئے یہ فضیلت قرآن سے ثابت ہے اور آنحضرت ﷺ کے لئے حدیث معراج سے۔

(۸) بعضوں نے وحی کی ایک اور آٹھویں قسم بھی قرار دی ہے، یعنی بلا حجاب کے اللہ تعالی کا رو در رو کلام کرنا، لیکن یہ مذہب ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں آنحضرت نے اللہ تعالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ مسئلہ سلف و خلف دونوں میں مختلف فیہ رہا ہے اگرچہ جمہور صحابہ بلکہ تمام کے تمام حضرت عائشہؓ(۱) کے مسلک سے متفق ہیں، چنانچہ عثمان بن سعیدؒ دارمی نے اس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

---

(۱) بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی نے مسروق سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا "اے ام المومنین! کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" وہ بولیں، "سبحان اللہ! تیرے اس سوال سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے! تین باتیں کیونکر ممکن ہیں؟ جو کوئی تجھ سے ان کا ذکر کرے، جھوٹا ہے :۔(۱) جو کوئی کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا، جھوٹا ہے۔ (پھر یہ آیت پڑھی):

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار، وهو اللطيف الخبير. (الانعام: ۱۰٤)

نگاہیں اسے دیکھ نہیں سکتیں، وہ سب کو دیکھتا ہے وہ تو نہایت لطیف اور سب کچھ جانتا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترتیب دعوت

دعوت کی بنیاد نبوت سے پڑی، آغاز گھر سے کیا، سب سے پہلے اپنے اہل بیت کو دعوت حق پہنچائی، پھر قوم کو، پھر عربوں کو کہ جن میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا، پھر قیامت تک ان تمام قوموں کے لئے اسے چھوڑ گئے جن کے کانوں تک وہ پہنچے۔ ابتدا میں تین سال تک خفیہ خفیہ دعوت دیتے رہے، جب آیت :۔

فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشركين. (الحجر: ۹٤)

پروردگار کے حکم کا اعلان کرو اور مشرکوں کی پرواہ نہ کرو۔

نازل ہوئی تو علی الاعلان حق کی طرف پکارنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کی عداوت بڑھی اور آپ ﷺ پر اور مسلمانوں پر مصائب کی بارش شروع ہو گئی، یہاں تک کہ ہجرت کی اجازت دی گئی۔

(بقیہ پچھلا صفحہ)

وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا او من ورآء حجاب او يرسل رسولا فيوحى باذنه ما يشاء انه على حكيم. (الشورى: ٥١)

کسی انسان کو شایاں نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے، مگر ہاں اس طرح کہ وحی ہو، یا حجاب کے اندر سے ہو، یا فرشتہ بھیجے جو اسکے حکم سے وحی کرے، اللہ بہت بڑا اور حکمت والا ہے۔

(۲) اور جو کوئی کہے کہ محمد کل (غیب) کی بات جانتے تھے، جھوٹا ہے۔ (پھر یہ آیت پڑھی :۔

"وما تدرى نفس ماذا تكسب غدا، وما تدرى نفس باى ارض تموت ان الله عليم خبير." (لقمان: ٣٤)

"کوئی نہیں جانتا کہ اس پر کیا گزریگی؟ کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مریگا؟ اللہ بڑے علم والا ہے۔"

(۳) اور جو کوئی کہے کہ محمد نے وحی میں سے کوئی چیز چھپا ڈالی، جھوٹا ہے۔ (پھر یہ آیت پڑھی) :

يآ ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك، وان لم تفعل فما بلغت رسالته" والله يعصمك من الناس، ان الله لا يهدى القوم الكافرين. (المائدہ: ٦٧)

"اے رسول ﷺ! جو کچھ تیرے رب نے تجھ پر نازل کیا ہے پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ تو نے اس کا پیغام ہی نہیں پہنچایا اللہ تجھے لوگوں کے شر سے بچائے گا، بیشک اللہ منکر ہونے والوں کو ہدایت نہیں دیگا۔" (بقیہ)

ابتلا و محن کا دور

جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور کفار کو خطرہ پیدا ہوا تو انہوں نے تکلیف پہنچانا اور اہل اللہ کو ابتلا و امتحان میں ڈالنا شروع کیا، جب مصیبت حد سے تجاوز کر گئی تو رسول ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دیدی اور فرمایا: "وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے پاس لوگوں پر ظلم نہیں ہونے پاتا۔" چنانچہ بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی، جن میں رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ اور ان کے شوہر عثمان بن عفانؓ بھی تھے۔ یہ لوگ حبش میں نہایت آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک جھوٹی خبر مشہور ہو گئی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ سن کر ان لوگوں نے مکہ کا رخ کیا، قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بجائے قریش نے اور بھی زیادہ عداوت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اس پر بعض لوگ پھر حبش واپس گئے اور بعض مکہ چلے آئے، جہاں قریش نے انہیں بری طرح ستایا، ان میں ایک عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔

ایذارسانی قریش

قریش کی ایذارسانی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے لئے اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے پھر ہجرت کا حکم دیا۔ اس مرتبہ ۸۳ مرد اور سات عورتیں حبش روانہ ہوئی اور نجاشی کی پناہ میں بڑی اسودگی سے رہنے لگیں۔ اہل مکہ نے سنا تو سخت برہم ہوئے اور عمرو بن العاص کی سرکردگی میں ایک سفارت نجاشی کے دربار میں بھیجی تاکہ ان مومنین صادقین کے بر خلاف اسے اکسائیں، مگر اللہ تعالی نے ان کی کوئی تدبیر چلنے نہ دی اور سفارت ناکام لوٹ آئی۔ اس ذلت سے انہیں اور بھی زیادہ اشتعال ہوا، اب وہ ہر طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ مجبور ہوئے کہ اہل و عیال سمیت ایک پہاڑی گھاٹی "شعب ابی طالب" میں جا کر پناہ لی، چنانچہ آپ اس گھاٹی میں تین سال تک محصور رہے (بعضوں کا قول ہے کہ دو سال) اور کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو آپ ﷺ نے اور اہل بیت نے برداشت نہ کی ہو۔ محاصرہ اٹھنے کے وقت سن مبارک (۴۹) برس کا تھا (اور ایک قول کے مطابق ۴۸ سال کا)۔

اہل طائف کی سنگدلی

اس واقعہ کے چند ہی ماہ بعد آپ ﷺ کے مہربان چچا ابو طالب کا انتقال ہوا، پھر حضرت خدیجہؓ کی وفات واقع ہوئی۔ ان دو واقعوں کے بعد کفار کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے دل کھول کر پریشان کرنا شروع کیا۔ تنگ آکر آپ ﷺ زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف تشریف لے گئے، جہاں چند دن قیام رہا اور پیغام حق سنایا، مگر ایک متنفس نے بھی لبیک نہ کہا اور اہل مکہ سے زیادہ سنگدل ثابت ہوئے۔ جب آپ ﷺ واپس ہو رہے تھے تو طائف والوں نے راستے میں دونوں طرف دو صفیں اور باشوں کی کھڑی کر رکھی تھیں جو پتھر مارتی تھیں، آپ ﷺ کے پاؤں اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ خون کی تلیاں چلنے لگی تھیں! راستہ میں عداس نصرانی سے ملاقات ہوئی، اور وہ مشرف باسلام ہوا۔ اسی سفر میں مقام "نخلہ" پر نصیبین کے سات جنوں نے آپ ﷺ سے قرآن سنا اور اسی سفر میں آپ ﷺ نے پروردگار سے بصد زاری مناجات کی کہ :۔

"اللهم اليك اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي."

"الٰہی! میں تجھی سے اپنی بیکسی و بے چارگی کا شکوہ کرتا ہوں۔"

مکہ میں داخلہ مطعمؓ بن عدی کی حمایت میں ہوا۔ اس کے بعد معراج ہوئی، پہلے مسجد اقصیٰ پہنچے، پھر ملاء اعلیٰ کی طرف صعود ہوا، جہاں ربّ العزت سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، اور نمازیں فرض ہوئیں۔ معراج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ہوئی۔ بعضوں کا خیال ہے کہ حالت خواب میں ہوئی تھی۔

دین حق کی ترقی

طائف سے واپسی کے بعد آپ ﷺ برابر مکہ میں مقیم رہے، ہر طرف سے مصائب و آلام کا سامنا تھا، سب کچھ سہتے تھے، مگر دعوت حق سے منہ نہ موڑتے تھے۔ آپ ﷺ کا دستور تھا کہ ہر موسم حج میں قبائل کے پاس فردا فردا جاتے، دعوت دیتے اور فرماتے "کون ہے جو میری حمایت کرے اور جنت لے، تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام مخلوق تک پہنچا

سکوں ؟" مگر کوئی شنوانہ ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنا دین غالب کرے، اپنا وعدہ پورا کرے، اپنے نبی ﷺ کی مدد کرے، اپنا بول بالا کرے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لے، تو اس کے لئے ایک غیر متوقع سامان مہیا کر دیا۔ ایک حج میں آپ ﷺ انصاریوں کے پڑاو پر تشریف لے گئے، وہ چھ آدمی تھے (بعض کے نزدیک آٹھ) عقبہ منیٰ کے پاس بیٹھے سر منڈا رہے تھے، سرور دو عالم ﷺ بھی قریب بیٹھ گئے، دعوت حق پہنچائی اور قرآن سنایا۔ ان کے دل نرم ہو گئے، مشرف باسلام ہوئے اور مدینہ لوٹ گئے، یہاں وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ تبلیغ و دعوت شروع کی جس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی انصاریوں کا ایک گھر بھی باقی نہ رہا، جس میں اللہ اور اس کے رسول کا چرچا موجود نہ ہو۔ مدینہ میں سب سے پہلی مسجد جس میں قرآن کی تلاوت ہوئی، مسجد بنی زریق ہے۔

دوسرے سال موسم حج میں بارہ انصاری مکہ آئے جن میں پانچ اولین مسلمانوں میں سے تھے، انہوں نے عقبہ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے عورتوں کی بیعت کی[1] اور واپس گئی۔ تیسرے سال ان کے ۷۳ مرد اور دو عورتیں آئیں۔ اور اس بات پر بیعت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی اسی طرح حفاظت وحمایت کریں گے جس طرح اپنے اہل وعیال کی اور خود اپنی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں میں سے بارہ نقیب مقرر کئے تھے۔

اس واقعہ کے بعد صحابہؓ کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی گئی، اور وہ جوق در جوق خفیہ روانہ ہونے لگے، انصاریوں نے بڑی آو بھگت کی اور مدینہ میں ہر طرف اسلام پھیل گیا۔

---

(۱) عورتوں کی بیعت سے مقصود عورتوں کے شرائط پر بیعت ہے جو سورہ ممتحنہ کی اس آیت میں بیان کی گئی ہیں :۔

"یآ ایھا النبی اذا جآء ك المومنات یبایعنك علی ان لایشرکن باللہ شیئا، ولایسرقن ولایزنین ولایقتلن اولادھن ولایاتین بھتان بفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولایعصینك فی معروف، فبایعھن واستغفرلھن اللہ." (الممتحنة: ۱۲)

"اے نبی ﷺ! جب مومن عورتیں تیرے پاس اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں گی، نہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد قتل کریں گی، نہ کسی پر بہتان لگائیں گی اور نہ نیک کام میں تیری نافرمانی کریں گی، تو ان سے بیعت لے لے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کر۔

آج کل کے مسلمان غور کریں کہ کیا وہ عورتوں کے اسلام پر بھی ہیں، مجاہدین فی سبیل اللہ کا ایمان تو بہت دور رہا؟ (مترجم)

آنحضرت ﷺ کی ہجرت

دین حق کی اس قدر ترقی اور اہل مکہ کی اس قدر سختیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبر کو بھی ہجرت کی اجازت دی، چنانچہ آپ ﷺ مکہ سے روز دوشنبہ ماہ ربیع الاول (بعضوں کا قول ہے کہ ماہ صفر) کو چلے، حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کے غلام عامر بن فہیرہ اور رہبر عبداللہ بن الارقیط ہمرکاب تھے۔ سفر جاری کرنے سے پہلے آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تین دن تک غار حرا میں رہے، کیونکہ مشرکین تعاقب میں تھے، پھر ساحل کی راہ سے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ مدینہ کے قریب پہنچ گئے، ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کا دن تھا، حوالی مدینہ، قبا نامی گاؤں میں ٹھیرے، خاندان عمرو بن عوف کو مہمان نوازی کی سعادت میسر آئی، ان کے ہاں ۱۴ دن قیام رہا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔

جمعہ کے دن شہر مدینہ کا قصد کیا، نماز کا وقت بنی سالم میں ہو گیا، اترے، سب مسلمانوں کو جمع کیا، جن کی تعداد وہاں ایک سو تھی، پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے، لوگ ہر طرف سے دوڑ دوڑ کر آتے اور اونٹنی کی مہار پکڑ کے مہمانی پیش کرتے، جواب ملتا "چھوڑ دو، اسے حکم مل چکا ہے۔" چنانچہ وہ چلتے چلتے اس مقام پر بیٹھ گئی، جہاں اب مسجد ہے۔ یہ زمین بنی نجار کے دو لڑکوں سہل و سہیل کے جانوروں کا اصطبل تھی۔ آپ ﷺ اتر پڑے اور ابی ایوبؓ انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے۔ پھر اپنی مسجد تعمیر کی، کھجور کی ڈالیوں اور کچی اینٹوں کی عمارت تھی، خود سرور دو عالم ﷺ اور صحابہؓ دیواریں اٹھاتے تھے۔ مسجد کے بعد اپنا حجرہ تعمیر فرمایا پھر قرب وجوار میں ازواج مطہرات کے حجرے جن میں آپ ﷺ سے قریب تر حجرہ حضرت عائشہؓ کا تھا۔ سات ماہ بعد ابی ایوب انصاری کے ہاں سے اٹھ کر اپنے گھر میں تشریف لے آئے۔

رسول اللہ کی ہجرت کی خبریں حبش پہنچیں تو ۳۳ مہاجر مدینہ کو چلے، جن میں سے سات تو اہل مکہ کے ہاتھوں میں پڑ کر قید ہو گئے، باقی خدمت نبوی ﷺ میں پہنچ گئے۔

ہجرت کے وقت عمر مبارک ۵۳ برس کی تھی۔

فصل ۳

عام زندگی

آپ ﷺ کی اولاد

سب سے بڑے بیٹے قاسم، پھر زینب، پھر رقیہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ، پھر عبداللہ (علیہم السلام) یہ سب کے سب ام المومنین خدیجہؓ سے تھے، کسی اور بیوی سے اولاد نہ ہوئی، البتہ آپ ﷺ کی کنیز ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں ۸ ہجری میں ابراہیم پیدا ہوئے، لیکن حالت شیر خوارگی ہی میں فوت ہوگئے۔ آپ ﷺ کی تمام اولاد آپ ﷺ کی حیات ہی میں فوت ہوئی بجز حضرت فاطمہ علیہا السلام کے جو چھ ماہ بعد تک زندہ رہیں، اور ایسے باپ کا غم دیکھنے پر مجبور ہوئیں!۔

آپ ﷺ کے چچا اور پھوپھیاں

آپ ﷺ کے چچا یہ لوگ ہیں:۔

سید الشہداء حمزہؓ بن عبدالمطلب، عباسؓ، ابو طالب، ابولہب، زبیر، عبدالکعبہ، مقوم، ضرار، قثم، مغیرہ، عیداق، بعضوں نے ''عوام'' کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان میں حمزہؓ و عباسؓ کے سوا کوئی مسلمان نہ ہوا۔

آپ ﷺ کی پھوپھیاں یہ ہیں:۔

صفیہؓ (حضرت زبیر بن العوام کی والدہ) عاتکہ، برۃ، اردی، امیمہ، ام حکیم البیضاء، صفیہ کا اسلام محقق ہے، عاتکہ کے اسلام میں اختلاف ہے، بعضوں نے اردی کے مسلمان ہونے کی بھی تصدیق کی ہے۔

امہات المومنین

سب سے پہلی خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد القرشیہ ہیں، نبوت سے پہلے

زوجیت میں آئیں اس وقت عمر ۴۰ سال تھی، مگر ان کی زندگی بھر آنحضرت ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔ وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھی جنہوں نے باوجود عورت ہونے کے نبوت کے بارگراں اٹھانے میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کی، آپ ﷺ کے ساتھ مصائب برداشت کیں، اور جان ومال اس راہ میں خرچ کیا۔ ہجرت سے تین سال قبل انتقال کیا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد سودہؓ بنت زمعۃ القرشیہ سے شادی کی انہوں نے ہی بعد کو اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا۔

پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر الصدیق (رضی اللہ عنہما) سے عقد کیا۔ ۱ہجری میں پیدا ہوئیں۔ ازواج مطہرات میں صرف یہی ایک دوشیزہ تھیں حضرت عائشہؓ اپنی تمام ہمعصروں میں رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، سب سے زیادہ ذی علم تھیں، بہت سے صحابہؓ فتوے لیتے تھے، آپ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ آپ کی طہارت وبرات پر خود قرآن نے شہادت دی ہے!۔

پھر حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہما) سے شادی کی، ابو داوٗدؒ نے روایت کی ہے کہ آپ نے انہیں طلاق دے دی تھی، مگر پھر رجوع کر لیا تھا۔

ان کے بعد زینبؓ ہند بنت خزیمہ بن الحارث القیسیہ ہیں جو شادی سے دو ماہ بعد فوت ہو گئیں۔

پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت بنی امیہ القرشیۃ المخزومیہ سے شادی ہوئی جو ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ زندہ رہیں۔

پھر زینبؓ بنت جحش (قبیلہ بنی اسد) سے شادی کی۔ یہ آپ ﷺ کی پھوپھیری بہن یعنی امیمہ کی بیٹی تھیں۔ انہیں کے متعلق قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی کہ: "فلما قضی زید منها وطرا زوجنکها"[1] (الاحزاب: ۳۷) وہ اس پر فخر کیا کرتیں

(۱) پوری آیت سورہ احزاب میں اس طرح موجود ہے:۔
فلما قضی زید منها وطرا زوجنکها لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیآئهم اذا قضوا منهن وطرا وکان امر الله مفعولا (الاحزاب ۳۷)
جب زید اس سے سیر ہو گیا، ہم نے تجھ سے اس کی شادی کر دی تاکہ مومنین پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی عورتوں سے شادی کرنے میں کوئی تنگی باقی نہ رہے جبکہ وہ ان سے سیر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور دوسری ملی بیوں سے کہتیں "تمہیں تمہارے ماں باپ نے بیاہا ہے، مگر میرا رشتہ خود اللہ نے سات آسمانوں پر جوڑا ہے۔" اوائل خلافت عمرؓ میں انتقال کیا۔

پھر جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث سے شادی کی جو بنی مصطلق کے قیدیوں میں تھیں جو اپنا فدیہ دینے میں مدد لینے کے لئے حاضر ہوئیں، آپ نے فدیہ ادا کر دیا اور عقد کر لیا۔

پھر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیانؓ صخر بن حرب ہیں، جو عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں دونوں نے حبشہ ہجرت کی شوہر نے مرتد ہو کر عیسائیت قبول کر لی، مگر وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں، آپ ﷺ کو خبر پہنچی تو نجاشی کو ان کی شادی کے لئے لکھا، نجاشی نے خود ہی مہر ادا کیا اور شادی کر دی۔ یہ واقعہ ۷ ہجری کا ہے۔

ان کے بعد صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حی بن اخطب سے شادی ہوئی، یہ جنگ میں خاص آپ ﷺ کے حصہ میں کنیز ہو کر آئی تھیں، آپ ﷺ نے آزاد کر دیا اور اسی

(بقیہ پچھلا صفحہ) ہو جائیں، بیشک اللہ تعالی کے احکام ہو جانے والے ہیں۔

عرب میں دستور تھا کہ اپنے منہ بولے لڑکوں یا لے پالکوں کی عورتوں سے کسی حال میں بھی رشتہ نہ کرتے کیونکہ انہیں بہو سمجھتے تھیں۔ زیدؓ بن حارثہ آپ ﷺ کے منہ بولے لڑکے تھے، ان کے ساتھ آپ ﷺ نے زینبؓ بن جحش کا عقد کر دیا تھا۔ جب دونوں میں کسی طرح نہ بنی اور زیدؓ نے طلاق دیدی تو خود آپ ﷺ نے ان سے شادی کر لی، تاکہ یہ جاہلانہ رسم باطل ہو جائے، اسی طرح دوسری ازواج سے عقد کرنے میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت تھی، جیسا کہ کتب سیر میں بالتفصیل مذکور ہے، دشمنان اسلام ہمیشہ ازواج مطہرات کی کثرت پر اعتراض کرتے اور اسے دوسرے جذبات پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو آنحضرت کو بہتر سے بہتر عورتیں مل سکتی تھیں، آپ ﷺ دوشیزاؤں کو چھوڑ کر بوڑھیوں سے کیوں شادی کرتے! بجز حضرت عائشہؓ کے کوئی دوشیزہ نہ تھی، اور اکثر پچاس کے سن سے متجاوز تھیں، پھر اگر ایسی بات ہوتی تو ہمیشہ نئے نئے بیاہ کرتے رہتے اور یہ آیت نازل نہ ہوتی کہ :۔

لا یحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبك حسنهن الا ما ملك یمینك، و كان الله علی كل شئی رقیبا.

اے نبی ﷺ تیرے واسطے اب اس کے بعد نئی عورتیں جائز نہیں نہ موجودہ عورتوں کو دوسری عورتوں سے بدلنا جائز ہے اگرچہ ان کا حسن تجھے لبھائے، صرف تیری کنیزیں اس سے مستثنی ہیں اللہ ہر چیز کو خوب دیکھتا ہے (احزاب ۵۲ رکوع)

آزادی کو مہر قرار دیکر عقد کرلیا، جس کے بعد یہ سنت پوری امت کے لئے قائم ہو گئی کہ انسان کنیز کو آزاد کر کے اس کی آزادی کو مہر قرار دیدے اور شادی کرلے۔

پھر میمونہ رضی اللہ عنہابنت حارث الھلالیہ سے شادی کی یہ آخری شادی تھی۔

آپ ﷺ کے غلام اور کنیزیں

آپ ﷺ کے غلاموں میں سے زیدؓ بن حارثہ آپ ﷺ کے محبوب ہیں، جنہیں آپ ﷺ نے آزاد کردیا تھا اور اپنی کنیز ام ایمن سے شادی کردی تھی، جن سے اسامہؓ پیدا ہوئے نیز یہ لوگ بھی آپ ﷺ کے غلام ہیں :۔

"اسلم، ابورافع، ثوبان، ابوکبشہ سلیم، شقران صالح، رباح نوبی، یسار نوبی، مدعم، کرکرہ نوبی، انجشہ الحادی، سفینہ ابن فروخ، (ان کا اصلی نام مہران تھا، آنحضرت نے "سفینہ" نام رکھا، کیونکہ سفر میں اسباب اٹھا کر چلتے تھے) ابو مشروح انیسہ، افلح، عبیدہ، طہمان، حنین، سندر، فضالہ۔" کنیزوں میں :۔

"سلمی ام رافع، میمونہ بن سعد، خضیرہ، رضوی، ریشحہ، ریحانہ ہیں۔"

آپ ﷺ کے خدام

انسؓ بن مالک، عبداللہ بن مسعود (نعل و مسواک بردار) عقبہ بن عامر الجہنی (آپ ﷺ کا خچر سفر میں چلاتے تھے) اسلعؓ بن شریک (اونٹ کے محافظ) ابو ذرؓ غفاری، ایمن عبیدہ، بلالؓ بن رباح المؤذن، سعدؓ (یہ دونوں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام تھے۔

آپ ﷺ کا لباس

سر پر عمامہ کبھی ٹوپی کے ساتھ ہوتا، کبھی بغیر ٹوپی کے، اور کبھی کبھی صرف ٹوپی پہنتے۔ عمامہ کا شملہ عموماً شانوں کے درمیان پشت پر رہتا جیسا کہ امام مسلمؒ نے عامرؓ بن عبداللہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر اس حال میں دیکھا کہ سیاہ عمامہ سر پر تھا اور اس کا شملہ پشت پر پڑا تھا۔ لیکن جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث

(مسلم) میں شملہ کا ذکر نہیں ہے، صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت مکہ میں سیاہ عمامہ باندھے داخل ہوئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شملہ ہمیشہ نہیں چھوڑتے تھے۔

جسم مبارک پر کرتا ہوتا تھا جو نہایت پسند خاطر تھا، اس کی آستینیں صرف ہاتھ کے گٹوں تک ہوتی تھیں، تنگ آستیوں اور چھوٹے دامنوں کا جبہ، قبا، تہ بند، چادر اور بعض دوسرے قسم کے لباس بھی استعمال فرمائے ہیں۔

حلہ سرخ بھی پہنا ہے، حلہ دو کپڑوں سے مرکب ہوتا ہے: تہ بند اور چادر۔ سرخ سے یہ مطلب نہیں کہ لال رنگ کا ہوتا تھا، بلکہ حلہ یمانی نام ہی ایسے کپڑے کا تھا جو سرخ وسیاہ دھاگوں کو ملا کر بنا جاتا تھا، اس کا رنگ اگرچہ سرخ نہ ہوتا تھا لیکن کہلاتا سرخ ہی تھا۔ خالص سرخ رنگ کا کپڑا پہننے کو آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے حتی کہ گھوڑے پر سرخ رنگ کا زین رکھنے سے بھی روکا ہے۔ (بخاری)

ابو داؤدؒ نے عبداللہ بن عمروؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں عصفر (زرد رنگ) سے ہلکا رنگا ہوا کپڑا پہنے دیکھا تو فرمایا "یہ تو نے کیسا کپڑا پہنا ہوا ہے؟" عبداللہؓ کہتے ہیں، میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے۔ چنانچہ فوراً گھر آیا تنور جل رہا تھا۔ میں نے کپڑا اسی میں جھونک دیا۔ پھر جب دوسرے دن حاضر ہوا تو فرمانے لگے "عبداللہ کپڑے کی کیا خبر ہے؟" میں نے واقعہ بیان کر دیا، فرمانے لگے "اپنی بیوی کو کیوں نہ دیدیا؟ عورتوں کے لئے اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔"

سیاہ رنگ کا کپڑا بھی پہنا ہے، فروہ (یعنی پوستین) بھی کہ جس کے کناروں پر ریشمی گوٹ لگی تھی پہنا ہے جیسا کہ امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے۔ خف (چرمی موزے) اور جوتا پہنا ہے صحیح مسلم میں اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی خسروانی (کپڑے کی ایک قسم ہے) جبہ نکالا جو دیباج کی طرح نرم تھا، اور جس میں ریشمی گوٹ لگی ہوئی تھی، پھر فرمایا "یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، ان کے انتقال پر میں نے لے لیا، آنحضرت ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کا کرتہ سوت کا ہوتا، طول میں کم اور آستینیں تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں،

یہ لمبی چوڑی تھیلیوں کی طرح کشادہ آستینیں نہ تو کبھی رسول اللہ ﷺ کے لباس میں ہوئیں نہ کسی صحابی کے۔ ان کا استعمال قطعاً خلاف سنت ہے بلکہ جواز میں بھی شبہ ہے، کیونکہ وہ منجملہ اس لباس کے ہیں جن سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

سفید رنگ کا کپڑا حضور ﷺ کو بہت مرغوب تھا، چنانچہ فرمایا ہے۔ "سفید کپڑا سب سے بہتر کپڑا ہے، خود پہنو اور مُردوں کو اس میں کفناؤ"

لباس کے بارے میں آپ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ جس قسم کا کپڑا میسر آجاتا، پہن لیتے، کسی خاص صنف پر اصرار نہ تھا، چنانچہ اونی، سوتی، کتانی، ہر قسم کے کپڑے پہنتے، الا یہ کہ کوئی خاص عذر یا مانع ہوتا تو اجتناب کرتے، مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے واسطے اونی جبہ تیار کیا، آپ ﷺ نے پہن لیا، لیکن جب پسینہ نکلا اور اون میں بدبو پیدا ہوئی تو فوراً اتار دیا۔

آپ ﷺ اچھے سے اچھا کپڑا بھی استعمال کرتے اور معمولی سے معمولی بھی، حتی کہ پیوند تک لگا لیتے۔ ابوداؤد میں عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ میں نے حضرت ﷺ کے جسم مبارک پر بہتر سے بہتر لباس دیکھا ہے۔

پس جو لوگ زہدہ عبادت کے خیال سے اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کو منع کرتے ہیں، یا جو لوگ موٹے چھوٹے کھانے کپڑے کو غرور سے ناپسند کرتے ہیں، دونوں کے دونوں سنت نبوی ﷺ سے منحرف ہیں۔ سنت نبوی ﷺ میں ہر بات اعتدال پر مبنی ہے، افراط و تفریط کا وہاں گزر نہیں، اسی بنا پر علماء سلف نے حد سے زیادہ قیمتی اور حد سے زیادہ معمولی کپڑے کے استعمال کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ دونوں لباس شہرت میں داخل ہیں۔

ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جو کوئی دنیا میں لباس شہرت[1] اختیار کریگا، آخرت میں اللہ تعالی اسے ذلت وخواری کا لباس پہنائیگا جس کے

(۱) "لباس شہرت" سے ہر وہ لباس مراد ہے جو نظروں کو متوجہ کرنیوالا، دلوں پر اثر ڈالنے والا اور صاحب لباس کیلئے عظمت وبزرگی قائم کرنیوالا ہو، عام اس سے کہ دنیاداروں کا لباس ہو یا مذہبی پیشواؤں کا، اس وقت جو خاص لباس صوفیوں اور پرانے مولویں میں رائج ہے، وہ بھی لباس شہرت میں داخل ہے، کیونکہ اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو لباس شہرت میں ہوتی ہیں۔ (مترجم)

شعلوں میں وہ دوزخ کے اندر پھٹے گا!" صحیحین میں ہے کہ فرمایا "جس کسی نے غرور سے اپنے لباس کا دامن دراز کیئے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نہ دیکھے گا!"

اس بارے میں کوئی خاص اصول بنایا نہیں جا سکتا، مختلف حالات میں مختلف لباس مناسب ہوتا ہے، چنانچہ شہرت و تکبر کے خیال سے ادنیٰ درجہ کا لباس بھی مذموم ہوتا ہے ورا علیٰ سے اعلیٰ لباس بھی حمد و شکر کی نیت سے محمود ہو جاتا ہے۔

لیکن اس باب میں ہم صحیح مسلم کی اس حدیث کو اصل قرار دے سکتے ہیں جس میں ہے کہ (رسول اللہ ﷺ) نے فرمایا "جس کسی کے قلب میں ایک ذرہ بھی غرور کا ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ اور جس کے دل میں ایک ذرہ بھی ایمان ہوگا وہ جہنم میں جائیگا" اس پر ایک شخص نے عرض کی :۔

"لیکن یا رسول اللہ ﷺ! میری خواہش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ میرا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے؟" فرمایا: "نہیں، اللہ جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے! غرور، حق کا ٹھکرانا اور مخلوق کی تحقیر ہے!"

اکل و شرب

اکل و شرب میں سنت نبوی ﷺ یہ تھی کہ جو کھانا موجود ہوتا، اسی پر اکتفا کرتے، نہ موجود کو رد کرتے نہ غیر موجود کے لئے اہتمام فرماتے۔ طیبات میں سے جو کچھ بھی پیش کر دیا جاتا، تناول فرمالیتے، الا یہ کہ طبیعت کراہت کرتی تو ہاتھ اٹھالیتے، مگر نہ تو اس کی مذمت کرتے نہ اسے حرام قرار دیتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی، جو مرغوب ہوا کھالیا ورنہ خاموشی کے ساتھ چھوڑ دیا، جیسا کہ گوہ، کے معاملہ میں ہوا کہ اسے کبھی نہ کھایا تھا اس لئے تناول کرنے سے اجتناب کیا، لیکن امت پر حرام نہ کیا، بلکہ خود آپ ﷺ کے دستر خوان پر لوگوں نے اسے کھایا اور آپ ﷺ دیکھتے رہے۔ (۱)

بارہا ایسا ہوا کہ گھر میں بالکل کھانا نہ رہا، مگر آپ ﷺ نے نہ تو کسی سے مانگا، نہ

(۱) یہ واقعہ حضرت خالدؓ بن الولید کا ہے۔

شکایت کی، بلکہ صبر و شکر کئے رہے، بسا اوقات بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر تک باندھ لئے ہیں، اور تین تین دن بغیر غذا کے بھوکے رہے ہیں، مگر اف تک نہیں کی۔ سفر میں کھانا عموماً زمین پر رکھا جاتا، اللہ تعالیٰ کے اس وسیع فرش سے دستر خوان کا کام لیتے تھے۔

پانی ہمیشہ بیٹھ کر پیتے، لیکن کھڑے کھڑے پینا بھی ثابت ہے، چنانچہ ایک مرتبہ چاہ زمزم پر تشریف لائے، لوگ پانی پی رہے تھے، آپ ﷺ نے بھی طلب فرمایا، ڈول بڑھا دیا گیا اور آپ ﷺ نے بے تکلفی سے کھڑے کھڑے ہی پی لیا۔ ایک سانس میں پانی پینے یا برتن کے اندر سانس لینے سے منع کیا ہے، فرمایا "پانی پیو، تو چوس کر پیو۔" اور فرمایا پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس مت لو بلکہ پیالہ ہٹا کر سانس لے لو۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جب پانی پیتے تو پیالہ ہٹا کے تین مرتبہ سانس لیتے اور فرماتے:۔ "اس طرح پینا زیادہ خوشگوار اور مفید ہے۔" ترمذی میں ہے کہ فرمایا: "ایک سانس میں غٹ غٹ پانی نہ پیو، بلکہ دو اور تین دفعہ کر کے پیو! بسم اللہ سے شروع کرو اور جب پی چکو تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو۔" کھانے میں بھی یہی دستور تھا کہ بسم اللہ سے شروع کرتے اور الحمد للہ پر ختم کرتے۔ پانی پی چکتے اور برتن میں کچھ رہ جاتا تو داہنی طرف والے کو بڑھا دیتے اگرچہ بائیں جانب زیادہ سن رسیدہ لوگ موجود ہوتے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ برتاؤ

حضرت انسؓ سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ فرمایا: "تمہاری اس دنیا میں سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو پسندیدہ بنا دی گئی ہیں، لیکن نماز میں میری دلی مسرت ہے۔" تمام ازواج کے ساتھ شب باشی، رہن سہن اور نان نفقہ میں برابر کا سلوک کرتے، رہی محبت میں کمی بیشی، تو وہ انسان کے بس کی چیز نہیں، اسی لئے اکثر فرمایا کرتے: "اللہ تعالیٰ جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس میں برابر کا سلوک کرتا ہوں، لیکن جو میرے بس میں نہیں اس پر ملامت نہ کیجیو!" آپ ﷺ نے طلاق بھی دی ہے، رجوع بھی کیا ہے، ایک مہینہ کے لئے ایلا(۱) بھی کیا ہے لیکن ظہار(۲) کبھی نہیں کیا۔

(۱) و (۲) ان دونوں لفظوں کے معنی آگے بیان ہونگے۔

تمام ازواج کے ساتھ نہایت ہی اچھا برتاؤ تھا، ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آتے، حضرت عائشہؓ کم عمر تھی، اس لئے انصاری لڑکیاں کھیلنے کے لئے بلا دیتے، اگر وہ کسی ایسی بات کے لئے ضد کرتیں جو نامناسب نہ ہوتی تو فوراً پوری کر دیتے، محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ پانی پیتیں تو برتن میں ٹھیک اسی جگہ پر لب مبارک لگا کر باقی پانی خود نوش فرما لیتے جہاں ان کے لب لگے ہوتے! اکثر ان کی گود میں ٹیک لگاتے، اگر ایام سے ہوتیں تو بھی ان کے زانو پر سر رکھ کر لیٹ جاتے اور قرآن پڑھتے، روزہ کی حالت میں انہیں پیار بھی کرتے۔

ایک مرتبہ مسجد میں حبشی تماشہ کر رہے تھے، آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو دکھایا، اور اس طرح کہ وہ آپ ﷺ کے شانوں پر جھکی کھڑی تھیں۔ دو دفعہ سفر میں مذاقاً ان سے دوڑ بھی کی ہے، اور ایک دفعہ گھر سے نکلتے ہوئے دروازہ میں ان سے کشمکش بھی ہوئی ہے۔

قاعدہ تھا کہ سفر میں جانے لگتے تو ازواج میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا، اسی کو ہمراہ لے جاتے، حاضرین سے کبھی کبھی فرمایا کرتے "سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہو، میں اپنے اہل کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہوں۔" دوسری ازواج کی موجودگی میں کبھی کسی ایک کی طرف ہاتھ بھی بڑھاتے۔ عموماً نماز عصر کے بعد سب بیویوں کے ہاں ایک ایک کر کے جاتے اور حالات معلوم کرتے۔ جب رات ہو جاتی تو اس بیوی کے گھر تشریف لے جاتے جس کی باری ہوتی، اس بارے میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہ تھی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنے جانے اور رہنے سہنے میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔

نو بیویوں میں سے آٹھ کی باری ہوتی تھی، کیونکہ حضرت سودہؓ نے کبر سنی کی وجہ سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی، اس لئے ان کے ہاں دو رات رہتے تھے اور باقی سب کے ہاں ایک ایک رات۔ اول اور آخر شب جب چاہتے مقاربت کرتے، اگر اول شب ہوتی تو کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی صرف وضو پر اکتفا کرتے، کبھی ایک غسل

سے تمام ازواج کے ہاں جاتے اور کبھی کبھی ہر ایک کے ہاں الگ الگ غسل کرتے۔ جب کبھی سفر سے رات کو لوٹتے تو اس رات ازواج کے گھر نہ جاتے، اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرماتے۔(۱)

سواری

آپ ﷺ کی سواری میں گھوڑے، اونٹ خچر اور گدھے رہے ہیں، کبھی زین کے ساتھ سوار ہوتے کبھی ننگی پیٹھ پر، اکثر تنہا بیٹھتے، لیکن کبھی آگے یا پیچھے کسی اور کو بھی شریک کر لیتے، عموماً مردوں کو بٹھاتے، کبھی کبھی ازواج مطہرات میں سے بھی کسی کو لے لیتے، سواری زیادہ تر گھوڑے اور اونٹ کی تھی، خچر کا وجود عرب میں کم تھا اسی لئے جب ایک خچر بطور تحفہ کے آیا اور لوگوں نے عرض کی کیوں نہ گھوڑے اور گدھے سے نسل لی جاوے، تو جواب میں فرمایا: "یہ فعل جاہلوں کا ہے۔"

ہتھیار اور گھر گرستی

آپ ﷺ کے پاس نو تلواریں تھیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور ذوالفقار تھی، یہ نہایت محبوب تھی، ہمیشہ ساتھ رہتی تھی، اس پر جابجا چاندی چڑھی ہوئی تھی۔ سات زرہیں تھیں، چند ڈھالیں تھیں، جن میں ایک کا نام "فتق" اور دوسری کا "زلوق" تھا۔ پانچ نیزے تھے۔ تین لوہے کی چھڑیاں (حربے) تھیں، جن میں سے کوئی ایک اکثر ساتھ رہتی تھی، کبھی اسے خود ہاتھ میں لے کر نکلتے، عید کے موقعوں پر کوئی دوسرا لے کر آگے آگے چلتا، اور کبھی بطور سترہ کے سامنے نصب کر کے نماز پڑھتے۔ دو خود تھے، ایک کا نام "موشح" رکھا تھا اور دوسرے کا مسبوغ۔ تین جبے تھے، جنہیں جنگ کے موقعوں پر زیب تن فرماتے، کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک جبہ مہیں سبز کپڑے کا تھا۔ متعدد زرد، سیاہ، اور سفید جھنڈے تھے۔ ایک چھوٹا سا خیمہ بھی تھا، جس کا نام "کن" تھا۔ ایک خمیدہ

(۱) یہ اس لئے، تاکہ عورت کو اپنی تیاری کا موقع مل جائے، رات کو اچانک شوہر کے پہنچ جانے سے عورت کو کلفت ہوتی ہے۔ (مترجم)

جریب تھی جسے لے کر چلتے، اس پر سہارا دے کر سوار ہوتے اور اونٹ پر سامنے لٹکا دیتے تھے۔ دو پیالے تھے، ایک میں چاندی کی زنجیر لگی ہوئی تھی، دوسرا شیشہ کا تھا۔ ایک تیل دانی تھی، ایک تھیلی تھی جس میں آئینہ کنگھا، قینچی اور مسواک رہتی تھی۔ بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ چارپائی کے پائے لکڑی کے تھے۔ ایک بہت بڑا کونڈا تھا، جس کا نام "غراء" تھا اس میں چار کنڈے لگے ہوئے تھے اور چار آدمی مل کے اٹھاتے تھے۔ ایک فرش تھا۔ ایک لکڑی کا برتن تھا جو چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا اور آپ ﷺ اس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔

ان چیزوں کے علاوہ آپ ﷺ کی ملکیت میں سو بکریاں تھیں، جن کی تعداد اس سے زیادہ بڑھنے نہ دیتے، جب کوئی زیادہ بچہ پیدا ہوتا، ایک بکری ذبح کر ڈالتے۔ جنگ بدر میں آپ ﷺ کو مال غنیمت میں ابوجہل کا یمنی لونٹ حاصل ہوا تھا جسکی ناک میں چاندی کی گھنڈی لٹکی ہوئی تھی، حدیبیہ کے موقع پر اسی کو قربانی کے لئے مکہ بھیجا تھا تاکہ مشرکین جلیں۔

صفائی

ہر کام میں یہی پسند تھا کہ دہنی طرف سے شروع ہو، جوتا پہننا کنگھی کرنا، غسل کرنا، ینا لینا، سب کچھ داہنی طرف سے شروع ہوتا تھا۔ اسی طرح داہنا ہاتھ کھانے پینے اور وسرے کاموں کے لئے تھا، بایاں صرف استنجا، اور کثافتوں کے دور کرنے کے لئے تھا۔

حجامت

حجامت کے بارے میں سنت یہ تھی کہ یا تو پورا سر منڈا دیا جائے یا بالکل نہ مونڈا(۱)

(۱) آپ ﷺ نے عمر بھر صرف ایک مرتبہ سر منڈلیا ہے اور وہ بھی حج کے موقع پر، سر پر ہمیشہ بال رہتے تھے، جب کاندھوں تک دراز ہو جاتے تو ترشوا کر کانوں کی لو تک کر دیتے تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ سنت سر پر بال رکھنا ہے، نہ منڈانا، جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے ذوق بھی یہی

چاہتا ہے کہ سر پر بال ہوں، منڈانا، جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے ذوق بھی یہی

چاہتا ہے کہ سر پر بال ہوں، منڈا ہوا سر نہایت برا معلوم ہوتا ہے، انبیاء کا ذوق سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے، اسی لئے ان کے طریقوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے ذوق سلیم ناپسند کرے۔ (مترجم)

جائے۔ آپ ﷺ مونچھ(۱) ترشواتے تھے، ترمذی کی حدیث ہے کہ فرمایا "جو مونچھ نہیں کٹاتا وہ ہم میں سے نہیں۔" صحیح مسلم میں ہے "مونچھیں ترشواؤ، داڑھیاں(۲) بڑھاؤ، اس طرح مجوسیوں کی مخالفت کرو۔" صحیحین میں ہے کہ مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کم کرو۔"

خوشبو

آنحضرت ﷺ کو خوشبو بہت پسند تھی اور اس کا استعمال بکثرت کرتے تھے حتی کہ بقول ایک جماعت علماء کے خوشبو کی کثرت استعمال سے آپ ﷺ کے بال سرخ ہو گئے تھے اور شبہ ہوتا تھا کہ شاید مہندی کا خضاب کیا گیا ہے۔

جابر بن سمرہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ جواب دیا صرف چند بال مانگ پر سفید ہو گئے تھے مگر جب تیل لگا لیتے تو چکنائی میں چھپ جاتے تھے۔

---

(۱) بہت سے لوگ مونچھیں بالکل منڈا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتباع سنت کر رہے ہیں حالانکہ سنت میں کہیں بھی مونچھ منڈانا مذکور نہیں، بلکہ بعض آئمہ نے تو ایسے لوگوں کی تعزیر کا حکم دیا ہے، کیونکہ وہ مونچھیں صاف کر کے اپنے چہروں کو بگاڑتے اور اللہ کی صنعت کو بدنما بناتے ہیں، اور واقعہ میں یہ درست بھی ہے کیونکہ لمبی داڑھی کے ساتھ منڈھی ہوئی مونچھیں چہرہ کو اس قدر بدہیئت بنا دیتی ہیں کہ بمشکل انسان اپنی نفرت چھپا سکتا ہے۔ (مترجم)۔

(۲) داڑھی کی درازی کے متعلق سنت میں کوئی تحدید نہیں، ایک مشت اور دو انگل کی ناپ جو مشہور ہو گئی ہے، سنت میں اس کا کہیں ذکر نہیں در حقیقت یہ چیز بھی انسان کے ذوق سے تعلق رکھتی ہے اور کسی تحدیدی حکم کی محتاج نہیں، کیونکہ ہر انسان اگر ذوق سلیم رکھتا ہے تو جانتا ہے کہ کتنی بڑی داڑھی اس کے چہرہ اور قد کے لئے مناسب ہو گی، تمام صحابہؓ کی داڑھیاں برابر نہ تھیں اور نہ کوئی خاص ناپ تھی جس سے داڑھیاں ناپی جاتی ہوں۔ لہذا اس معاملہ میں زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہئیے اور لوگوں کو ان کے ذوق پر چھوڑ دینا چاہئیے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے، بہت سے لوگ "خط" بنواتے ہیں یعنی رخسار، ہونٹ اور گلے کے بال منڈاتے ہیں۔ جو بلاشک "داڑھی" کے اندر داخل ہیں، یہ طریقہ بھی مسنون نہیں، معلوم نہیں یہ رسم کیونکر پھیل گئی؟ حالانکہ اس سے بھی چہرہ بدنما ہو جاتا ہے، اسی طرح گدی پر کے بال منڈانے سے بھی بدنمائی پیدا ہوتی ہے۔ مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ اپنی صورت بگاڑے، اللہ تعالیٰ جو خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے "ہرگز بدوضعی اور بدہیئتی سے خوش نہیں ہوتا! (مترجم)

بخاری میں ہے کہ کبھی خوشبو واپس نہ کرتے، مسلم میں ہے کہ فرمایا: ''جس کسی کو پھول پیش کیا جائے، چاہئے کہ رد نہ کرے کیونکہ وہ اٹھانے میں ہلکا اور سونگھنے میں خوشگوار ہے۔''

گھروں کی صفائی

بزار نے مسند میں روایت کی ہے کہ فرمایا: ''اللہ طیب ہے، طیب کو پسند کرتا ہے، صاف ہے، صفائی کو پسند کرتا ہے، سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے، اپنے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو گھروں میں ہی کوڑا کرکٹ ڈھیر رکھتے ہیں۔''

حدیث میں ہے کہ ''ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر ساتویں دن ضرور غسل کرے، اور خوشبو میسر ہو تو استعمال کرے۔''

مسواک

آپ ﷺ کو مسواک بھی بہت مرغوب تھی، روزہ سے ہوں یا بے روزہ جب بیدار ہوتے، یا وضو کرتے، یا نماز کے لئے کھڑے ہوتے، یا گھروں میں جانے لگتے تو مسواک ضرور کرتے۔

صحیحین میں ہے کہ ''اگر امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز پر مسواک کرنے کا حکم دیتا۔'' بخاری میں (تعلیقا) ہے مسواک منہ کی صفائی اور پروردگار کی خوشنودی ہے۔''! مسواک کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں، قطع نظر اس کے اس میں بے شمار فوائد بھی ہیں، وہ منہ کو صاف کرتی ہے، مسوڑھے مضبوط کرتی ہے، دانتوں کے خلا اور سوراخوں کو دور کرتی ہے، قراۃ قرآن اور ذکر الٰہی کی ترغیب دیتی ہے۔

مسواک ہر حال میں مستحسن ہے خصوصاً وضو اور نماز کے وقت تو ضروری قرار دی گئی ہے، منہ کی بدبو کا زائل کرنا ہر وقت اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے، عام اس سے کہ روزہ سے ہو یا بے روزہ، روزہ دار کے لئے تو مسواک اور بھی زیادہ ضروری ہے، کیونکہ خلو معدہ کی وجہ سے اس کے منہ میں بو زیادہ ہو جاتی ہے، خود آنحضرت ﷺ کا بھی اس پر عمل تھا۔

روزہ اور مسواک

چنانچہ سنن میں عامرؓ بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو روزہ کی حالت میں بے شمار مرتبہ مسواک کرتے دیکھا ہے۔ البتہ بخاریؒ نے ابن عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روزہ دار کو دن کے اول اور آخر حصہ میں مسواک نہ کرنا چاہیئے۔

لیکن تمام امت کا اجماع ہے کہ روزہ دار جب چاہے کلی کر سکتا ہے، حالانکہ کلی، مسواک سے زیادہ دہن کو تری پہنچاتی ہے۔ بدبو سے روزہ دار کا ثواب نہیں بڑھتا، اللہ تعالی کو کیا پڑی ہے کہ لوگ بدبودار منہ لے کر اس کی عبادت کریں؟

بلاشبہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالی کو روزہ دار کے منہ کی بو بھلی معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصداً منہ میں بو باقی رکھی جائے، یہ تو صرف روزہ کی ترغیب کے لئے فرمایا گیا ہے اور قیامت کے دن ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ قیامت میں روزہ دار کے منہ کی بو اسی طرح مشک سے بہتر ہوگی جس طرح اس دن مجاہد کے زخموں کا خون، رنگ میں تو خون کی طرح لال ہوگا، مگر اپنی بو میں مشک کی طرح ہوگا، حالانکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں مجاہد کو اپنے جسم سے خون ضرور دور کرنا چاہیئے، یہی حال روزہ دار کے دہن کی بو کا بھی ہے۔ پھر مسواک سے روزہ کی اصلی بو تو دور بھی نہیں ہو سکتی، جب تک معدہ خالی ہے بو ضرور باقی رہیگی، بلکہ ان سے مقصود صرف یہ ہے کہ دانتوں اور مسوڑھوں پر کی کثافت دور ہو جائے اور منہ سے بو نہ اڑے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ تمام باتیں امت کو بتادی ہیں جن سے روزہ مکروہ ہوتا ہے، مگر مسواک کا ان میں کہیں ذکر نہیں، حالانکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ لوگ مسواک کرتے اور کریں گے اور خود آپؐ بھی کیا کرتے اور بہت زیادہ وسیع الفاظ میں اس کے استعمال کی ترغیب دلایا کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے کبھی نہیں فرمایا کہ روزہ میں مسواک اس وقت نہیں، اس وقت کرو۔ (۱)

(۱) اس بیان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو صفائی کا کتنا خیال تھا، اب مسلمان سوچیں کہ ان کی حالت کیا ہے؟ کہا جا سکتا ہے کہ بحیثیت مجموعی موجودہ زمانہ میں مسلمان شاید دنیا کی کثیف ترین قوم ہیں۔ عوام سے زیادہ علماء کرام کو صفائی کی جانب توجہ کرنا چاہیئے، طہارت کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

قضائے حاجت

جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو فرماتے :۔

"اللهم انی اعوذبك من الخبث والخبائث الرجس النجس الشيطان الرجيم."

"الٰہی! مجھے اپنی پناہ میں رکھ خبث سے خبائث سے، نجس شیطان رجیم سے۔"

جب فارغ ہو کر لوٹتے تو فرماتے :۔

"غفرانك"

"تیری مغفرت مطلوب ہے۔"

کبھی پانی سے استنجا کرتے، کبھی پتھر سے اور کبھی دونوں سے۔ جب سفر میں ہوتے تو قضائے حاجت کے لئے دور چلے جاتے، یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے، کبھی کوئی آڑ سامنے رکھ لیتے، کبھی جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں بیٹھتے۔ اگر سخت زمین پر پیشاب کرنا ہوتا تو چھینٹیں اڑنے کے خوف سے پہلے کسی لکڑی سے کرید کر زمین نرم کر لیتے۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) معنی صرف یہ نہیں کہ انسان صحیح طور پر استنجا کر لیا کرے یا غسل جنابت میں دو لوٹے اوپر انڈیل لے بلکہ طہارت سے مقصود جسم اور لباس کی میل کچیل اور بو سے پاکی ہے، جسکی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں بہت کمی ہے مسلمانوں کی مجلسوں اور مسجدوں میں ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اس حالت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں کہ ان کے کپڑوں سے سخت تعفن آتی ہے، اکثر مسلمان جمعہ سے پہلے غسل ہی نہیں کرتے اور نہ کپڑے بدلتے ہیں اگرچہ کتنے ہی میلے ہو جائیں، اسی کثافت کا نتیجہ ہے کہ ہمارا دل و دماغ بھی کثیف اور سست ہو گیا ہے اور اگلی سی نشاط و ہمت باقی نہیں۔ مسواک کا بیان پڑھ چکے ہو مگر ہماری حالت کیا ہے؟ بہت سے لوگ بالکل دانت صاف ہی نہیں کرتے، بہت سے اوپر اوپر مسواک کر لیتے ہیں منہ کے اندر صفائی کی ضرورت نہیں سمجھتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منہ سے سخت تعفن آتی ہے اور ساتھ بیٹھنے والا پریشان ہو جاتا ہے، خصوصاً مساجد میں جبکہ صفیں کھڑی ہوتی ہیں اور لوگ بے پروائی سے جمائیاں لیتے ہوتے ہیں تو اس قدر بو پھیلتی ہے کہ سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ جب ہمارے منہ اور جسم کی یہ حالت ہے تو مکانوں کی صفائی کا سوال ہی فضول ہے، کتنے مسلمان ہیں جن کے مکان ان یہودیوں کے سے نہیں جن کے مثل ہونے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ (مترجم)

عموماً بیٹھ کر پیشاب کرتے، لیکن امام مسلم نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے بھی پیشاب کیا ہے۔ مگر یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے جبکہ ایک گڑھے کی طرف سے گزرے اور جگہ کے بے موقع ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے پر مجبور ہوئے۔ بیت الخلا سے نکلنے کے بعد بھی قرآن پڑھتے تھے۔

استنجا ہمیشہ بائیں ہاتھ سے کرتے تھے اور ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کرتے تھے جو عموماً شکی لوگ کیا کرتے ہیں۔(۱) پیشاب کرتے ہوئے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔

صحیح مسلم میں ابن عمرؓ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے ابن عمرؓ ادھر سے گزرے اور سلام کیا، آپ ﷺ نے انہیں جواب تو دے دیا مگر فراغت کے بعد فرمانے لگے: "میں نے صرف اس خیال سے جواب دے دیا ہے کہ تمہیں یہ خیال نہ گزرے کہ تمہارے سلام کا جواب میں نے نہیں دیا، لیکن آئندہ سے خیال رکھو کہ جب اس حالت میں ہوں تو سلام نہ کرنا، کیونکہ جواب نہیں دونگا۔"

استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے تو اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے جب تک زمین سے بالکل قریب نہ ہو جاتے۔

---

(۱) اس بارے میں متداول کتب فقہ میں بڑی بڑی بحثیں لکھی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی شرطیں بیان کی گئی ہیں جن کے بغیر بقول ان کے استنجا درست نہیں ہوتا، پھر ان لوگوں نے جو اپنے کو پرہیزگار کہتے ہیں عجیب عجیب طریقے اس کے لئے اختیار کر رکھے ہیں جنہیں کبھی "احتیاط" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی لازمہ طہارت قرار دیتے ہیں، اور جو ان کی پیروی نہ کرے اسے غیر متقی یا مذہب سے بے پرواہ سمجھتے ہیں، حالانکہ سنت نبوی ﷺ میں ان کے ان توہمات کا کہیں پتہ نہیں، پھر سب سے زیادہ عجیب بات اس باب میں وہ ہیئت استنجا ہے جو ڈھیلا کرنے والوں نے ضروری قرار دے رکھی ہے۔ یہ لوگ ڈھیلا لیکر دیر تک ٹہلتے ہیں کھکارتے ہیں، ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کے آگے جھکتے ہیں اور اپنے شرمناک منظر کے ساتھ بلاکسی حیا کے راستوں، بازاروں اور مسجدوں میں دیکھے جاتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ طریقہ سخت شرمناک اور مذموم ہے، جلد سے جلد اس ازالہ ہونا چاہئے کیونکہ اس سے دوسروں کو استہزاء بالدین کا موقع ملتا ہے۔ (مترجم)

چلنا، بیٹھنا اور ٹیک لگانا

ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تیز رفتار[1] میں نے کسی کو نہیں دیکھا، جب چلتے تو معلوم ہوتا کہ زمین سامنے سے تہہ ہوتی چلی جاتی ہے، ہم دوڑتے دوڑتے خستہ ہو جاتے تھے، مگر آپ ﷺ کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب چلتے تو اس طرح گویا ڈھلوان پہاڑی سے اتر رہے ہیں۔

دستور تھا کہ جب صحابہؓ ساتھ ہوتے تو انہیں آگے کرتے اور خود پیچھے چلتے اور فرماتے مجھے ملائکہ کیلئے اپنے پیچھے رہنے دو۔" آپ جوتا پہن کے بھی چلتے اور برہنہ پاؤں بھی، بعض غزوات میں چلے جا رہے تھے انگشت مبارک میں زخم آگیا اور خون بہنے لگا، اس پر یہ شعر زبان مبارک پر رواں ہوا :۔

هل انت الا اصبع دميت وفی سبيل الله ما لقيت

"تو کیا ہے؟ صرف ایک انگلی ہی تو ہے جو زخمی ہو گئی ہے، اللہ کی راہ میں تجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے!"

سفر میں اپنے صحابہؓ کا مؤخرۃ الجیش خود ہوتے، کمزوروں کو سہارا دیتے، پیدل چلنے والوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے، ان کے حق میں دعاء فرماتے۔

نشست میں بھی کچھ اہتمام نہ تھا کبھی فرش پر بیٹھتے، کبھی چٹائی پر اور کبھی خود زمین ہی پر۔ جب عدیؓ بن حاتم آئے تو آپ ﷺ انہیں اپنے گھر لے گئے، کنیز نے وہ گدا لا کر ڈال دیا جس پر اکثر بیٹھا کرتے تھے، مگر اس پر تنہا بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اپنے اور عدیؓ کے بیچ میں رکھ کے خود زمین پر رونق افروز ہو گئے۔

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر بہت اثر پڑا اور میں جان گیا کہ :

(۱) ہمارے ہاں بہت سے لوگ خراماں خراماں چلنے کو علامات زہد واتقا سے قرار دیتے ہیں اللہ تعالی کا رسول ﷺ اور صدر اول کے مسلمان ہمیشہ چاق چوبند رہتے اور سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے، یہ چیز ان کے خیال میں مانع زہد نہ تھی، لیکن آج ان سے زیادہ پرہیز گار بن گئے ہیں اور اس زندگی کو دنیا دارونکی زندگی قرار دیتے ہیں، سچ ہے جب پستی آتی ہے تو کسی چیز کو بھی عام اس سے کہ دنیا ہو یا دین، [illegible] (مترجم)

"یہاں بادشاہی نہیں ہے!"

لیٹنے میں بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا کبھی کبھی ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ لیا کرتے تھے، تکیہ سے ٹیک بھی لگاتے تھے، کبھی داہنی سمت اور کبھی بائیں سمت، اگر ضرورت پڑتی تو کمزوری کے باعث کبھی کسی صحابی پر بھی ٹیک لگا لیتے تھے۔

گفتگو، خاموشی، ہنسی، رونا

آپ ﷺ از حد فصیح اور شیریں بیان تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، تمہاری طرح بڑبڑاتے نہ تھے۔ ٹھہر ٹھہر کر بولتے اور ایک ایک فقرہ اس طرح الگ الگ کر کے کہتے کہ مخاطب پوری طرح گفتگو یاد کر لیتا۔ اکثر جملہ کو تین مرتبہ دہراتے تاکہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔

ہمیشہ خاموش رہتے، بلا ضرورت کبھی نہ بولتے، جب بولتے تو منہ بھر کے بولتے، کٹے پھٹے لفظ نہیں بلکہ صاف صاف اور پورے پورے لفظ بولتے۔ زبان پر ہمیشہ جوامع الکلم جاری ہوتے تھے، جچے تلے لفظ ہوتے تھے، مطلب سے ایک لفظ بھی کم زیادہ نہ ہوتا تھا۔

اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور مخاطب سمجھ جاتا کہ یہ بات بری معلوم ہوئی ہے۔ بد خلقی، سخت کلامی، فحش گوئی اور شور و غل کا وہاں گزر نہ تھا۔

ہنسی بس یہاں تک تھی کہ لبوں پر مسکراہٹ ظاہر ہو جاتی، اگر بہت زیادہ ہنستے تو باچھیں کھل جاتیں، وہاں قہقہے نہ تھے۔ آپ ﷺ کو بھی انہیں باتوں سے ہنسی آتی تھی جن سے سب ہنستے ہیں۔

اسی طرح رونا بھی تھا، دھاڑیں مارنا یا ہچکیوں سے رونا نہ تھا، صرف آنکھوں سے آنسو ڈبڈبا آتے تھے، اگر بہت ہوا تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور گریہ کی آواز سینہ سے نکلتی معلوم ہوتی۔ آپ ﷺ کا رونا کبھی میت کے لئے ہوتا، کبھی اپنی امت کے لئے، کبھی خشیت الٰہی سے، کبھی قرآن سننے سے جس میں شوق، محبت، خوف اور خشیت کی آمیزش ہوتی۔

جب آپ ﷺ کے فرزند ابراہیم علیہ السلام کا انتقال ہوا تو آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور زبان سے صرف اس قدر فرمایا:۔

"تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بك

یا ابراھیم لمحزونون."

"آنکھ روتی ہے، قلب رنجیدہ ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے پروردگار راضی ہو، ابراہیم! تیرے لئے ہم غمزدہ ہیں!"

اسی طرح اپنی ایک صاحبزادی کو حالت نزع میں دیکھ کر روئے۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعودؓ نے سورہ نساء سنائی اور جب آیت :۔

"فکیف اذا جئنا من کل امة بشھید وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا." (النسأ: ٤١)

"پھر کیا حال ہو گا جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک احوال کہنے والا بلا دینگے اور تجھ کو ان لوگوں پر احوال کہنے والا بلا لیں گے۔"

پر پہنچے تو رقت طاری ہو گئی۔ ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو آپ ﷺ نے صلاۃ الکسوف پڑھی اور نماز میں بہت روئے۔ رات کی نمازوں میں اکثر کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی اور آپ ﷺ رویا کرتے تھے۔

مرغوبات و مکروہات

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا "جس بندہ کو اللہ کی طرف سے نعمت حاصل ہوئی عام اس سے کہ اہل و عیال میں ہو یا مال و متاع میں، اور اس نے کہا "**ماشآء الله لا قوة الا بالله**" تو اس پر موت کے سوا کوئی مصیبت نہ آئیگی، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :۔

"ولو لا اذ دخلت جنتك قلت ماشآء الله لاقوة الا بالله."

جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا کیوں نہ کہا "یہ اللہ کی مشیئت ہے اور بجز اللہ تعالی کے کسی کے ہاں کوئی طاقت نہیں ہے۔"

حدیث میں ہے کہ رؤیائے صالحہ اللہ کی طرف سے ہے اور برے خواب شیطان کی طرف سے، پس جو کوئی برا خواب دیکھے تو چاہیئے کہ بائیں جانب تھوک دے، شیطان سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے، لیکن اگر اچھا خواب دیکھے تو چاہیئے کہ خوش ہو اور جس سے چاہے بیان کرے۔

عملی زندگی

گھر میں کس طرح داخل ہوتے تھے؟

گھر میں اس طرح داخل ہوتے کہ گھر والوں کو پیشتر سے اطلاع ہو جاتی، اچانک نہ گھس جاتے کہ لوگ بے خبری کے عالم میں ہوں جب اندر پہنچتے تو سلام کرتے، پھر کبھی فرماتے "تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟" اور کبھی خاموش رہتے یہاں تک کہ ماحضر پیش کر دیا جاتا۔

ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا "جب گھر میں جاؤ تو سلام کرو تاکہ اللہ کی برکت تم پر اور تمہارے اہل عیال پر نازل ہو۔" اور فرمایا "جب آدمی گھر آتا ہے اور اندر جاتے اور کھانے پر بیٹھتے ہوئے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب میرے لئے یہاں رہنا اور کھانا نہیں، لیکن اگر اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے لو میرے لئے شب باشی کا سامان ہو گیا، پھر اگر کھانے پر بھی اللہ تعالی کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے اب مجھے کھانا بھی مل گیا۔" (مسلم)۔

گھر میں جانے کے لئے اجات چاہنا

جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو سیدھے دروازہ کے سامنے نہ آجاتے بلکہ دائیں یا بائیں پہلو سے آتے اور فرماتے "السلام علیکم" حدیث میں ہے کہ فرمایا "جب کسی کے گھر جاؤ تو اندر جانے کے لئے تین مرتبہ اجازت طلب کرو، اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس چلے آؤ۔"

ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کے حجرہ میں سوراخ سے جھانک رہا تھا، آپ ﷺ اٹھے اور اس کی آنکھ پھوڑ ڈالنے کا ارادہ کر لیا، پھر فرمایا "اگر کوئی بغیر اجازت تمہیں جھانکے اور تم کنکری مار کے اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو تو یہ کوئی الزام کی بات نہیں۔" نیز فرمایا "جو کوئی کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے جھانکے اور صاحب خانہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو نہ دیت ہے نہ قصاص۔" ایک شخص حاضر ہوا اور اندر آنا چاہا، آپ ﷺ نے فرمایا "کہو السلام علیکم، کیا میں آؤں۔"(۱)

خطبہ

آپ ﷺ نے زمین پر کھڑے ہو کر بھی خطبہ دیا ہے، منبر پر سے بھی اور اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر بھی۔ جب خطبہ دیتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، غیظ و غضب از حد بڑھ جاتا، اور ایسا معلوم ہوتا گویا کسی فوج کو للکار رہے ہیں۔

خطبہ اس طرح شروع فرماتے تھے :۔

"اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد ﷺ وشر الامور محدثاتھا و کل بدعة ضلالة."

"سب سے بہتر گفتگو کتاب اللہ ہے، سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے، سب سے بری چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

---

(۱) یہ اسلامی ادب تو مسلمانوں سے تقریباً مفقود ہو گیا ہے، لوگ دوسروں سے ملنے آتے ہیں اور اگر دروازہ پر دربان موجود نہ ہو تو بلا تکلف اندر چلے آتے ہیں، اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھتے، گویا خود اپنا گھر ہے۔ (مترجم)

فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ خطبہ ا ستفا حمد ہر خطبہ ۔دو ثنا سے شروع کرتے تھے بہت سے فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ خطبہ استسقا کے بجائے استغفار سے، اور خطبہ عید تکبیر سے شروع کرنا چاہیئے بلا دلیل دعوی ہے سنت نبوی ﷺ میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ عمل نبوی اس کے سراسر خلاف ہے۔

آپ ﷺ ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔

مراسیل عطا میں ہے کہ جب منبر پر کھڑے ہو جاتے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے "السلام علیکم" شعبی کا قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی سنت بھی یہی تھی۔ بسا اوقات خطبہ صرف قرآن سے مرکب ہوتا تھا، صحیح مسلم میں ام ہشامؓ بنت حارثہ کی روایت ہے کہ سورہ قاف میں نے خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سن سن کر یاد کی ہے، کیونکہ آپ ﷺ ہر جمعہ میں اسے منبر پر بطور خطبہ کے پڑھا کرتے تھے۔

ابو داؤدؒ کی روایت ہے کہ خطبہ میں جب شہادت پر پہنچتے تو یوں فرماتے :۔

"الحمد لله نستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا من يهد الله فلامضل له ومن يضلل فلا هادى له و اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله ارسله بالحق بشيرا ونذيرا بين يديه الساعة ومن يطع الله و رسوله فقد رشد ومن يعصهما فانه لا يضر الا نفسه و لا يضر الله شيئا."

حمد اللہ کے لئے ہے۔ ہم اسی سے اعانت و مغفرت چاہتے، اور اپنے نفسوں کے شر سے اسی سے پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ ہدایت یاب کرے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے ادھر سے ہدایت نہ ملے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ محض اسکا بندہ اور رسول ہے جسے اس نے قرب قیامت پر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، جس نے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کی، ہدایت پائی، اور جو ان دونوں کا نافرمان ہوا وہ خود اپنے تئیں نقصان پہنچائے گا، اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔"

خطبہ کا موضوع، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کے اوصاف و کمالات کا بیان، اصول اسلام کی تعلیم، حالات جنت، دوزخ کی تشریح، تقوائے الٰہی کی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی و خوشنودی کے اسباب کی تفصیل ہوتا تھا۔ ہر موقع پر خطبہ کے مطالب ایسے ہوتے جو مخاطبین کی حالت و ضرورت کے مناسب ہوتے۔[1]

آپ ﷺ نے کوئی خطبہ نہیں دیا جس میں شہادت کے دونوں کلموں کا اعادہ اور اپنے خاص نام (محمد ﷺ) کا ذکر نہ کیا ہو۔ خطبہ کبھی طویل ہوتا تھا، کبھی مختصر، عید کے موقعوں پر عورتوں کے لئے علیحدہ خطبہ دیتے، جس میں انہیں صدقہ کی ترغیب دلاتے۔ خطبہ دیتے وقت کبھی عصا پر ٹیک دیتے اور کبھی کمان پر۔

نام

الفاظ معانی کے قالب ہیں، اسم اور مسمی میں ضرور کوئی معنوی مناسبت ہوتی ہے، اسی لئے آپ ﷺ ہمیشہ اچھے نام پسند فرماتے اور برے نام رکھنے سے روکتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام: "عبداللہ" اور "عبدالرحمٰن" ہیں، سب سے زیادہ درست نام: حارث (ماہر یا کاشتکار) اور ہمام (شجاع۔ سخی) ہیں، سب سے زیادہ مکروہ نام حرب (جنگ) اور مرہ (تلخ) ہیں۔ نیز فرمایا "اپنے غلام کا نام یسار (نرمی، کشادگی) رباح (نفع) نجیح (کامیاب) افلح (نہایت کامیاب) نہ رکھو، کیونکہ کبھی اس کا نام لیکر پکارو گے کہ فلاں وہاں ہے؟ اگر وہ نہ ہوا تو جواب ملیگا نہیں!

اسی طرح آپ ﷺ نے عاصیۃ (نافرمان) کا نام یہ فرما کر بدل دیا کہ "تو عاصیہ نہیں، جمیلہ ہے" اس بارے میں اس قدر خیال تھا کہ حکم دے دیا تھا کہ آپ ﷺ کے

---

(۱) ہندوستان میں خطبہ جمعہ محض رسماً ہوتا ہے، اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا، خطیب اسے قرآن کی طرح قراۃ کے ساتھ اور گا گا کے پڑھ جاتا ہے اور سامعین بیٹھے اونگھا کرتے ہیں، ایسے خطبہ سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ پھر خود یہ مطبوعہ خطبے اعلیٰ مطالب سے خالی ہیں اور بجز رکیک قافیہ بندی کے ان میں کچھ نہیں۔ کاش عربی خطبہ کے ساتھ یا مستقل طور پر خطیب اردو میں تقریر کرے اور وہ باتیں بتائے جن سے قوم کی حالت سدھرے! (مترجم)

پاس ڈاک لانے والے اچھی صورت اور اچھے نام[1] کے لوگ ہوں۔ آپ ﷺ کا دستور تھا کہ لوگوں کی کنیت رکھ دیا کرتے تھے عام اس سے کہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ کی کنیت "ابوالحسن" اور صہیبؓ کی "ابو یحیٰ" مقرر کر دی تھی۔

سلام

صحیحین میں ہے کہ فرمایا "سب سے افضل اور سب سے بہتر اسلام یہ ہے کہ آدمی مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر کس وناکس کو سلام کرے۔" صحیح بخاری میں ہے "تین باتیں جس کسی میں جمع ہو گئی ایمان جمع ہو گیا اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا، سب کو سلام کرنا، تنگی میں اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنا۔"

ایک مرتبہ لڑکوں کے ایک گروہ کی طرف سے گزرے تو انہیں سلام کرنے میں پیشقدمی کی (مسلم)۔ اسی طرح ایک دن عورتوں کی طرف گزر ہوا تو انہیں اشارہ سے سلام کیا (ترمذی)

صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا "چھوٹا بڑے کو سلام کرے، راستہ جانے والا بیٹھے ہوئے کو، سوار پیدل کو، چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو۔"

آپ ﷺ کی سنت تھی کہ جب آتے تو سلام کرتے اور جب جاتے تو سلام کرتے حدیث میں ہے کہ جب مجلس میں آؤ تو سلام کرو، جانے لگو تو سلام کرو، یاد رکھو کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے فضیلت میں زیادہ نہیں ہے۔" اور فرمایا "اگر کوئی سلام سے پہلے کچھ پوچھے تو جواب مت دو۔"

آپ کا سلام "السلام علیکم ورحمة الله وبركاته" اور سلام کا جواب "وعليك السلام"[2]

---

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں نے عربی یا عربی ساخت کے نام ضروری قرار دے کر اپنے آپ کو مضحکہ بنا لیا ہے۔ بکثرت نام بے معنی ہوتے ہیں، جیسے تاج الدین، شمس الدین، محمد دین، دین محمد، طلا محمد وغیرہ۔ بہت سے نامہذب نام ہوتے ہیں، مثلاً طلب علی، سڑک محمد، قرب محمد، وغیرہ پھر چند سو نام ہیں جو الٹ پلٹ کر رکھے جاتے ہیں۔ اس معاملے میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔ (مترجم)

(۲) یہ ایک کے لئے ورنہ جماعت کے لئے "وعليكم السلام"۔

ہمیشہ زبان سے جواب دیتے، ہاتھ یا انگلی کے اشارہ، یا سر کی حرکت سے کبھی جواب نہ دیتے، البتہ نماز کی حالتیں اشارہ سے جواب دے دیتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور جابرؓ وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے۔ ایک مرتبہ ایسی مجلس کی طرف گزر ہوا جس میں مسلمان اور مشرک دونوں ملے جلے بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے ان سب کو سلام کیا۔

جب کوئی کسی دوسرے کا سلام آکر پہنچاتا تو سلام کرنے والے اور پہنچانے والے دونوں کو جواب دیتے تھے۔

اگر کوئی بڑی خطا کرتا تو اس سے صاحب سلامت بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ توبہ کرلے جیسا کہ کعبؓ بن مالک اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا اور جیسا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے دو مہینہ ترک کلام کر دیا تھا کیونکہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ حضرت صفیہؓ کو اپنا اونٹ دے دیں مگر انہوں نے جواب سختی سے دیا، کہنے لگیں "ہاں میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ ضرور دے دونگی!" (ابو داؤد)

چھینک

ابو داؤد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ چھینک لیتے تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے جس سے یا تو آواز بالکل دب جاتی یا بہت کم ہو جاتی۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا "اونچی جمائی اور بلند چھینک شیطان کی طرف سے ہے، اللہ ان دونوں کو ناپسند کرتا ہے۔"

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے سامنے چھینک لی آپ ﷺ نے قاعدہ کے مطابق "یرحمك الله" کہا ذرا دیر بعد پھر چھینک لی تو یرحمک اللہ نہ کہا فرمانے لگے "اسے زکام ہے۔"

حدیث صحیح میں ہے کہ "اللہ تعالی چھینک کو دوست رکھتا ہے اور جمائی سے نفرت کرتا ہے، جب چھینک آئے تو "الحمد لله" کہا کرو، دوسرے کو چھینکتے اور یہ کہتے سنو تو "یرحمك الله" کہو۔ لیکن جمائی شیطان کی طرف سے ہے لہذا حتی الوسیع روکو کیونکہ جب انسان منہ پھاڑ کے جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔" (بخاری)

نیز فرمایا "جب چھینک آئے تو "الحمد لله" کہو، سننے والا "یرحمك الله" کہے، تم جواب میں "یھدیکم الله ویصلح بالکم" کہو۔ (بخاری)

صحیح مسلم میں ہے "مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب باہم ملو تو سلام کرو، دعوت قبول کرو، نصیحت چاہے تو نیک نصیحت کرو، چھینک لے کر "الحمد للہ" کہے تو "یرحمک اللہ" کہو، بیمار ہو جائے تو عیادت کرو، مر جائے تو جنازہ میں ساتھ جاؤ۔"

خواب اور بیداری

کبھی بستر پر سوتے، کبھی چٹائی پر، کبھی چارپائی پر، کبھی زمین پر۔ بستر کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو فرماتے:۔

"اللهم قنی عذابك یوم تبعث عبادك."

"الہی! جس دن بندے جلائے جائینگے، مجھے اپنے عذاب سے بچائیو!"

جب بیدار ہوتے تو فرماتے:۔

"الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور."

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔"

پھر مسواک کرتے۔

دستور تھا کہ اول رات ہی میں سو جاتے اور پچھلے پہر سے اٹھ بیٹھتے، لیکن اگر مسلمانوں کے کچھ کام رات ہی میں کرنے کے ہوتے تو دیر میں سوتے۔

آپ ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر قلب ہمیشہ بیدار رہتا تھا، اسی لئے جب سو جاتے تو کوئی نہ اٹھاتا یہاں تک کہ خود اٹھ جاتے۔

فصل ۵

حکومت کی زندگی

آپ ﷺ کے محرر

ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، عامرؓ، بن فہیرہ، عمروؓ، بن العاص، ابیؓ، بن کعب' عبد اللہؓ، بن الارقم، ثابتؓ، بن قیس، حنظلہؓ، بن الربیع، مغیرہؓ، بن شعبہ، عبد اللہؓ، بن رواحہ، خالدؓ بن الولید، خالدؓ بن سعیدؓ بن العاص، معاویہؓ، بن سفیان، زیدؓ، بن ثابت۔ (خاص طور زیدؓ ہی، کتابت کرتے تھے)۔

آپ ﷺ کی شرعی تحریریں

صدقات کے بارے میں آپ ﷺ کی ایک تحریر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کے پاس تھی جسے انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ، کو بحرین بھیجتے وقت نقل کر کے دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک تحریر اہل یمن کو بھیجی تھی جسے ابن حزم، حاکم اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، یہ ایک عظیم الشان تحریر ہے جس میں بہت سے مسائل آگئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک تحریر قبیلہ زہیر کو روانہ کی تھی۔ زکوۃ کے باب میں آپ ﷺ کی ایک تحریر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔

خطوط اور قاصد

حدیبیہ سے واپس آکر بادشاہوں کے نام خطوط لکھے اور قاصدوں کے ہاتھ روانہ کئے شاہ روم کا خط جب لکھا جا چکا تو لوگوں نے عرض کیا کہ بادشاہ بغیر مہر کے خط قبول نہیں کرتے چنانچہ مہر تیار کرائی۔ مہر میں تین سطریں کندہ تھیں سب سے نیچے "محمد" کی سطر تھی، اس کے اوپر "رسول" کی، اور سب سے اوپر "اللہ" کی خطوں پر مہر کر دی گئی اور ماہ محرم ۷ھ میں ایک ہی دن چھ قاصد، چھ بادشاہوں کی طرف روانہ ہوئے :

(۱) عمرو رضی اللہ عنہ، بن امیہ الضمری، شاہ حبش نجاشی[1] کے دربار میں گئے۔ جس کا نام "اصحمہ" (جس کا ترجمہ عربی میں "عطیہ" یعنی بخشش ہے) تھا، اور انجیل کا جید عالم تھا، اس نے رسول اللہؐ کے خط کی از حد تعظیم کی اور مشرف باسلام ہوا۔ اسی لئے اس کے انتقال کے دن آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی اور مغفرت کی دعا مانگی۔ یہ ایک گروہ کا خیال ہے جس میں ابن سعد واقدی وغیرہ شامل ہیں، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ جس نجاشی پر آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی تھی وہ، وہ نہ تھا جسے خط بھیجا تھا، جیسا کہ امام مسلمؒ نے اپنی "صحیح" میں روایت کی ہے: رسول اللہ ﷺ نے قیصر، کسری اور نجاشی کو خطوط لکھے، لیکن یہ نجاشی وہ نہیں ہے جس کے جنازہ کی نماز آپ ﷺ نے پڑھی تھی" محمد ابن حزمؒ کی رائے اس بارہ میں صحیح ہے کہ جس نجاشی کے دربار میں آنحضرت کا قاصد گیا تھا وہ اسلام نہیں لایا۔

(۲) وحیہ بن خلیفۃ الکلبیؓ قیصر روم کو خط بھیجنے لگے تو حاضرین سے فرمایا "کون ہے جو میرا یہ خط قیصر کے پاس لے جائے اور معاوضہ میں جنت لے ایک شخص نے سوال کیا اگرچہ وہ منظور نہ کرے؟ فرمایا "اگرچہ وہ منظور نہ کرے"؟ چنانچہ وحیہؓ خط لے کے روانہ ہو گئے۔ قیصر بیت المقدس کی زیارت کے لئے آرہا تھا، راستہ میں ملاقات ہو گئی، انہوں نے خط، فرش پر سامنے پھینک دیا اور خود ایک جانب ہو گئے۔ قیصر نے پکار کے کہا "خط کون لایا ہے؟ سامنے آئے، میں پناہ دیتا ہوں" وحیہ رضی اللہ عنہ، سامنے آگئے اور کہا "میں لایا ہوں"۔ قیصر نے کہا "جب قیام کروں حاضر ہونا" روایت ہے کہ پھر وحیہ رضی اللہ عنہ، پہنچے، قیصر نے محل کے پھاٹک بند کرا دئے اور حکم دیا کہ منادی کر دو: قیصر نے عیسائیت سے منہ موڑا اور محمد ﷺ کی پیروی قبول کرلی،،! یہ سنتے ہی لوگ ہتھیار اٹھا کر دوڑ پڑے اور محل کا محاصرہ کر لیا۔ قیصر نے وحیہ رضی اللہ عنہ سے کہا "تم نے دیکھا! مجھے اپنی بادشاہی کا خوف ہے" پھر

(۱) حبش کے بادشاہوں کا لقب "نجاشی" ہوتا تھا، جیسے شاہان روم کا "قیصر" (مترجم)

اعلان کرایا: "لوگو! قیصر تم سے راضی ہو گیا" ساتھ ہی رسول اللہ کی خدمت میں لکھا کہ "میں مسلمان ہوں" نیز بطور نذر کچھ دینار بھیجے۔ تمام ماجرا سن کر آپ ﷺ نے فرمایا دشمن خدا جھوٹا ہے، ہرگز مسلمان نہیں، اپنی عیسائیت پر جما ہوا ہے" اور دینار تقسیم کر دیے۔

(۳) عبداللہ رضی اللہ عنہ بن حذافہ السہمی کسریٰ کے دربار میں گئے جس کا نام ابرویز (پرویز) ابن ہرمز بن انوشروان تھا۔ اس نے رسول اللہ کا نامہ گرامی چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، حضور کو خبر پہنچی تو صرف اس قدر فرمایا "اللہ! اس کی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال" چنانچہ زیادہ مدت نہیں گزری کہ اس کی اور اس کی قوم کی پوری سلطنت پارہ پارہ ہو کر معدوم ہو گئی۔

(۴) حاطب رضی اللہ عنہ ابن ابی بلتعہ، مقوقس شاہ مصر کے دربار میں گئے، اس کا نام جریح بن مینا تھا، یہ اسکندریہ کا نواب اور مصر کے قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے قاصد کا خیر مقدم کیا، فطرت کا نور چمکا مگر گل ہو گیا، اسلام لاتے لاتے رہ گیا، لیکن رسول اللہ کی خدمت میں بہت سے ہدیے بھیجے، جن میں ماریہ قبطیہ اور ان کی دو بہنیں "سیرین" و "قیسرین" بھی تھیں، ماریہ کو حضور ﷺ نے اپنی خدمت کے لئے قبول فرمایا اور سیرین، حسانؓ ابن ثابت کو دیدی۔ ان کے علاوہ ایک اور کنیز، سو مثقال سونا، بیس مصری چادریں، ایک بھورا خچر (دلدل) ایک بھورا گدھا (عفیر) ایک خواجہ سرا (مابور) کہ جسے ماریہ کا چچیرا بھائی بتایا گیا ہے، ایک گھوڑا (لزاز) ایک کانچ کا پیالہ اور بہت سا شہد بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب دیکھ کر فرمایا: خبیث نے سلطنت کو ترجیح دی، حالانکہ وہ رہنے والی نہیں!"

(۵) شجاعؓ بن وہب الاسدی کو شاہ بلقار، حارث بن ابی شمر الغسانی کے ہاں۔ اور

(۶) سلیط بن عمرو کو رئیس یمامہ ہوذہ بن علی الحنفی کے ہاں بھیجا، آخر الذکر نے قاصد کا پر تپاک خیر مقدم کیا مگر اسلام قبول نہ کیا، اسی کے کہنے سے سلیط ایک دوسرے سردار ثمامہ بن اثال الحنفی سے ملنے گئے اور وہ انہیں کے اثر سے بعد کو اسلام لے آیا۔

یہ وہ چھ قاصد ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے ایک ہی دن چھ مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔

اس کے بعد ماہ ذوالقعدہ ۸ھ میں آپ نے چند اور قاصد دوسرے اطراف میں روانہ فرمائے، عمروؓ بن العاص کو جیفر و عبد ابن جلندی کے ہاں عمان بھیجا، دونوں کے دونوں مسلمان ہو گئے، آخر تک ثابت قدم رہے اور صدقہ و قضاء کے انتظامات میں عمرو کو ہر طرح کے اختیارات دیدئے، چنانچہ عمروؓ ان کے ہاں برابر مقیم رہے یہاں تک کہ وفات نبوی ﷺ کی خبر پہنچی۔

فتح مکہ سے پہلے علاء بن الحضرمی کو شاہ بحرین منذر بن ساوی کے دربار میں بھیجا جو فوراً اسلام لایا اور برابر قائم رہا۔

مہاجر بن ابی امیہ المخزومی کو حارث بن عبد کلال الحمیری کے پاس یمن بھیجا جس نے کہا میں غور کر کے کچھ فیصلہ کرونگا۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جنگ تبوک کے بعد تبلیغ و اشاعت کے لئے یمن بھیجا، جہاں کے باشندوں کے دل اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دئے اور سب کے سب بلا کسی جبر و اکراہ جنگ کے جوق در جوق مسلمان ہو گئے۔ یہ معلوم کر کے حضرت علیؓ کو ان کی طرف روانہ فرمایا اور خود بھی حجۃ الوداع میں بہت سے یمنیوں سے ملے۔

جریر بن عبداللہ البجلی کو ذوالکلاع الحمیری اور ذوعمر کے پاس دعوت اسلام دیکر روانہ کیا، دونوں کے دونوں مشرف باسلام ہوئے اور آخر تک ثابت قدم رہے۔

عمرو بن امیہ الضمری کو خط دیکر مسیلمہ کذاب کے پاس بھیجا، پھر دوسرا خط سائب بن عوام (حضرت زبیرؓ کے بھائی) کے ہاتھ بھیجا، مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔

فروہ بن عمرو بن عمرو الجذامی (جو معان پر رومیوں کی طرف سے گورنر تھا) کے پاس بھی ایک قاصد روانہ فرمایا جس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور بہت سے ہدیے بارگاہ نبوت میں بھیجے۔

مؤذن

آپ ﷺ کے مؤذن چار تھے، دو مدینہ میں رہتے تھے، ایک قبا میں اور ایک مکہ میں۔ مدینہ میں بلالؓ بن رباح حبشی، جو اسلام میں سب سے اول مؤذن ہیں، اور عمرو بن ام مکتوم القرشی (نابینا)۔ قبا میں سعد القراظ (عمار بن یاسر کے غلام) اور مکہ میں اوس بن مغیرہ الجمحی (ابو محذورہ) تھے۔

عمال

آپ ﷺ نے متعدد عمال (گورنر) سے کام لیا ہے: باذان بن ساسان، کسریٰ کی طرف سے یمن کے گورنر تھے "اسلام لے آئے تو آپ ﷺ نے عہدہ پر بر قرار رکھا۔ باذان سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ گورنر بنائے گئے اور سب سے پہلے عجمی سردار ہیں جو مسلمان ہوئے۔ ان کے انتقال پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لڑکے کو صنعاء کا حاکم مقرر کیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو خالدؓ بن سعید بن العاص کو روانہ فرمایا۔

مہاجر بن ابی امیہ المخزومی کو "کندہ" اور "صدف" کا حاکم مقرر کیا، مگر روانہ ہونے سے پہلے ہی حضرت ﷺ کا وصال ہو گیا، اس لئے روانگی ملتوی ہو گئی اور حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے مرتدین کے قتال پر مامور ہوئے۔

زیاد بن امیہ انصاری کو "حضر موت" کا۔ ابو موسیٰ اشعری کو زبید، عدن، زمع اور ساحل کا، ابو سفیان صخر بن حرب کو نجران کا، ان کے بیٹے یزید کو تیماء کا، عتاب بن اسید کو مکہ اور موسم حج کا حاکم مقرر کیا حالانکہ اس وقت ان کی عمر کل بیس سال کی تھی۔ پھر حضرت علیؓ کو یمن کے خمس کی تحصیل اور منصب قضا پر مقرر کیا عمرو بن العاص کو عمان اور اس کے حوالی کی حکومت سپرد کی۔ ان کے علاوہ بکثرت آدمیوں کو صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین کیا، ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص اس کام کے لئے ہوتا تھا۔ ۹ھ کے موسم حج کا والی حضرت ابو بکرؓ کو بنایا، پھر فوراً حضرت علیؓ کو سورہ "براۃ" سنانے کے لئے مکہ بھیجا،

محافظ

متعدد صحابی آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے متعین تھے۔ سعد بن معاذ نے جنگ بدر میں پہرہ دیا جبکہ آپ ﷺ سو گئے تھے۔ محمد بن مسلمہؓ نے جنگ احد میں حفاظت کی، زبیرؓ بن العوام نے جنگ خندق میں، عباد بن بشر آپ ﷺ کے محافظوں کے سردار تھے لیکن جب آیت :۔

و اللہ یعصمك من الناس." (المائدہ:٦٧)

"اللہ تمہاری لوگوں سے حفاظت کریگا۔"

نازل ہوئی تو آپ ﷺ برآمد ہوئے، لوگوں کو اطلاع دی اور محافظین کو رخصت کر دیا۔

حدی خوان

سفر میں آپ ﷺ کے حدی خوان (اونٹ کے سامنے گانے والے) عبداللہ بن رواحہ، انجشہ، عامر بن الاکوع اور ان کے چچا مسلم بن الاکوع تھے صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس انجشہ نامی خوش آواز حدی خوان تھا، ایک مرتبہ اس نے گانا شروع کیا اور اونٹ تیزی سے چلنے لگے، عورتیں بھی ساتھ تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا "انجشہ! ہولے ہولے کہیں شیشے ٹوٹ نہ جائیں۔" شیشوں سے عورتوں کو مراد لیا۔

شعراء

آپ ﷺ کے شعراء : کعب بن مالک، عبداللہؓ بن رواحہ، حسانؓ بن ثابت، اور خطیب ثابتؓ بن قیس بن شماس ہیں۔

فصل ۶

معاملات و اخلاق

کاروبار

آپ ﷺ نے تجارت کی ہے، خرید و فروخت کی ہے ٹھیکہ لیا ہے اور دیا ہے، نبوت سے پہلے گلہ بانی کی مزدوری کی ہے اور حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لیکر شام کا سفر کیا ہے۔ لوگوں کے ساجھے میں بھی کام کیا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کا ایک پرانا شریک حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "آپ ﷺ نے مجھے نہیں پہچانا؟" فرمانے لگے "کیوں نہیں، تم تو میرے شریک تھے اور بہت اچھے شریک تھے۔ تم نے نہ تو کبھی حق مارا اور نہ تکرار و حجت کی۔"

وکالت

آپ ﷺ دوسروں کے وکیل بھی بنے ہیں اور دوسروں کو اپنا وکیل بھی بنایا ہے، ہدیہ لیا ہے، دیا ہے اور ہدیہ لانے والے کو انعام بھی دیا ہے۔

ہبہ

ہبہ قبول کیا ہے اور دوسروں سے آپ نے ہبہ کرایا بھی ہے، چنانچہ سلمہ بن الاکوع کے حصہ میں ایک مرتبہ ایک کنیز آئی، آپ ﷺ نے فرمایا "یہ مجھے ہبہ کردو۔" انہوں نے فوراً منظور کرلیا، آپ ﷺ نے وہ کنیز مکہ بھیج دی اور چند مسلمان قیدیوں کو معاوضہ میں رہا کرالیا۔

قرض

آپ ﷺ قرض بھی لیتے تھے، کبھی رہن رکھ کے اور کبھی بغیر رہن کے، ضروریات زندگی بھی عاریۃً لیتے تھے اور کبھی ادھار خریدتے تھے۔ آپ ﷺ کا اعلان عام

تھا کہ ”میں تمام مسلمانوں کے قرض کا ضامن ہوں، جو مسلمان قرضہ چھوڑ مرے اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔“

وقف

آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں اپنی ایک زمین وقف کی اور مسلمانوں کے لئے اسکی آمدنی صدقہ کردی تھی۔

سفارش

آپ ﷺ نے دوسروں کی سفارش کی ہے ار اپنے لئے سفارش چاہی بھی ہے چنانچہ ”بریرہ“ سے اس کے شوہر کے بارہ میں سفارش کی کہ اس کی زوجیت میں رہنا منظور کرلے، جب اس نے انکار کردیا تو اس پر کچھ ناراض بھی نہیں ہوئے۔

قسم کھانا

آپ ﷺ قسم بھی کھاتے تھے، کبھی اس مین کوئی شرط لگا دیتے، کبھی بغیر شرط کے رکھتے، کبھی اسے توڑ کے کفارہ ادا کرتے اور کبھی اسے آخر تک پورا کرتے[1]۔

مذاق

آپ ﷺ مذاق بھی کرتے تھے، لیکن اس میں بھی بجز حق کے اور کچھ نہ کہتے۔ توریہ بھی کرتے مگر اس میں بھی حق وصدق ملحوظ رہتا چنانچہ جنگ کے موقعوں پر اکثر ایسا ہوتا کہ جس سمت میں جانے والے ہوتے اسکے مخالف سمت کے حالات، راستے اور منزلیں دریافت فرماتے تاکہ دشمن کو اصلی ارادہ کے متعلق غلط فہمی ہو جائے۔

عامیانہ کاروبار

آپ ﷺ مشورہ بھی دیتے اور قبول بھی کرتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں

(۱) یہ سب اس لئے کہ امت کے لئے اسوہ ونمونہ ہوں۔ (مترجم)

میں شرکت کرتے، دعوت(۱) قبول کرتے، بیواؤں، مسکینوں اور لاچاروں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ جاتے اور کبھی کسی کی مدد سے دریغ نہ کرتے، شعر بھی سنتے اس پر انعام بھی دیتے۔ آپ ﷺ نے پیدل دوڑ بھی کی ہے۔ کشتی بھی لڑی ہے۔ اپنا جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھا ہے۔ کپڑے اور چرمی ڈول میں پیوند لگائے ہیں۔ اپنی بکری اپنے ہاتھ سے دوہی ہے۔ کپڑوں سے جوں نکالے ہیں۔ اہل وعیال کا اور خود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا ہے۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کے ساتھ اینٹیں ڈھوئی ہیں۔ مہمان بھی ہوئے ہیں اور میزبانی بھی کی ہے۔

طرز معاملت

معاملات میں آپ ﷺ کا طریقہ بہترین تھا، قرض لیتے تو قرض سے زیادہ ادا کرتے اور قرض خواہ کے حق میں دعا فرماتے :۔

"بارك الله في اهلك ومالك، انما جزاء السلف، الحمد والا داء."

"اللہ تیرے مال واولاد میں برکت عطاء فرمائے، قرض کا معاوضہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور شکر گزاری ظاہر کی جائے۔"

ایک مرتبہ ایک شخص سے اونٹ ادھار خریدا، وہ قیمت لینے آیا اور سخت کلامی کرنے لگا، صحابہؓ تنبیہ کے لئے اٹھے، آپ ﷺ نے منع فرمایا اور فرمانے لگے : "رہنے دو، حقدار کو کہنے سننے کا حق ہے۔"

ایک مرتبہ کچھ ادھار خریدا، پھر فروخت کیا تو نفع ہوا نفع کو خاندان عبدالمطلب پر صدقہ کردیا اور فرمانے لگے : "آئندہ سے ہم کوئی چیز بھی ادھار نہ خریدیں گے۔" (ابوداؤد)

ایک مرتبہ قرضخواہ تقاضے کے لئے آیا اور سخت ست بکنے لگا، حضرت عمرؓ مارنے

---

(۱) دعوت کے معاملہ میں آجکل ہمارے مولوی بہت بدنام ہو رہے ہیں اور اس سے اسلام کی تضحیک ہوتی ہے، کیا اچھا ہو کہ کچھ مدت کے لئے علماء دعوت قبول کرنے سے اجتناب کریں، اس سے سنت کی مخالفت نہ ہوگی، کیونکہ اسکے مقابلہ میں ایک بڑا شرعی عذر (یعنی اسلام کی عزت کا پاس) موجود ہے۔ (مترجم)

چلے، آپ ﷺ نے روکا اور فرمانے لگے "عمرؓ! تمہارے لئے یہ زیادہ مناسب تھا کہ مجھے ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور اسے صبر کی!۔"

ایک یہودی کا قصہ

ایک یہودی سے کچھ مال خریدا، وہ قیمت لینے آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "ابھی وعدہ کا دن نہیں آیا۔" وہ شوخ چشمی سے بولا "تم خاندان عبدالمطلب کے لوگ بہت ٹال مٹول کیا کرتے ہو!" اس پر صحابہؓ کو غصہ آگیا اور دوڑ پڑے، آپ ﷺ نے سب کو روک دیا، اور یہودی جتنا سخت ہوتا گیا، آپ ﷺ اتنے نرم ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ "لا الہ الا محمد رسول اللہ پکار اٹھا، اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ، نبوت کی تمام باتیں مجھے آپ ﷺ میں نظر آتی تھیں، صرف آپ ﷺ کے حلم کا امتحان باقی تھا، اس وقت مجھے وہی کرنا تھا، اب میں سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔

باب دوم

عبادات کا بیان

فصل اول

ضروریات عبادت

وضو

آنحضرت ﷺ ہر نماز کے لئے اکثر الگ وضو کرتے تھے، کبھی ایک ہی وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھ لیتے، کبھی ایک مد[1] پانی سے وضو کرتے، کبھی دو ثلث سے، امت کو ہمیشہ وضو میں بھی اسراف سے منع کرتے اور فرماتے "وضو کا بھی ایک شیطان ہے جس کا نام "ولہان" ہے لہذا پانی کے وسوسوں سے بچو۔"

وضو میں کبھی اعضا ایک ایک مرتبہ دھوتے، کبھی دو دو اور کبھی تین تین مرتبہ، پھر کبھی ایسا بھی کرتے کہ کوئی عضو دو مرتبہ دھوتے اور کوئی تین مرتبہ، لیکن سر کا مسح ہمیشہ ایک ہی مرتبہ کرتے۔ یہ ثابت نہیں کہ کبھی سر کے بعض حصہ پر مسح کیا ہو اور بعض کو چھوڑ دیا ہو بلکہ ہمیشہ پورے سر کا مسح کرتے تھے حتی کہ اگر کبھی عمامہ بندھا ہونے کی وجہ سے اول سر کا مسح کرتے تو باقی سر کا عمامہ ہی پر سے ہاتھ پھیر کے مسح کر لیتے۔

مسح

اس باب میں سنت یہ تھی کہ کبھی سر پر مسح کرتے کبھی عمامہ پر، کبھی سر کے اگلے

(۱) مد، قریباً ایک سیر کا وزن ہوتا ہے۔

حصہ پر اور باقی عمامہ پر ہر وضو میں کلی اور استنشاق (ناک میں پانی لینا) ضرور کرتے، کبھی اس کے خلاف عمل کرنا ثابت نہیں۔ کبھی کلی اور استنشاق ایک ایک چلو سے کرتے، کبھی دو سے اور کبھی تین سے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دونوں ایک ہی چلو سے اس طرح کر لیتے کہ آدھا کلی میں لے لیتے اور آدھا ناک میں جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ ابن زیدؓ نے روایت کیا ہے۔ ناک میں پانی داہنے ہاتھ سے لیتے تھے۔ اور چھینکتے بائیں ہاتھ سے تھے۔ سر کے مسح کے ساتھ اندر باہر کانوں کا بھی مسح کر لیتے تھے، کانوں کے لئے علیحدہ پانی لینا ثابت نہیں۔ اگر خف (چرمی موزے) یا جرابیں پہنے نہ ہوتے تو پیر دھوتے ورنہ مسح کرتے تھے، سفر و حضر دونوں حالتوں میں مسح کیا ہے اور وفات تک کبھی اسے منسوخ نہیں بتایا۔ مقیم کے لئے مسح کی مدت ایک دن رات قرار دی ہے اور مسافر کے لئے تین دن رات۔

آپ ﷺ نے خف پر بھی مسح کیا ہے، جرابوں پر بھی اور جوتوں(۱) پر بھی۔ وضو ہمیشہ مسلسل اور اپنی پوری ترتیب کے ساتھ ہوتا تھا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خلاف ترتیب ایک عضو پہلے دھو لیا ہو اور دوسرا پیچھے داڑھی اور انگلیوں میں خلال پابندی سے نہ کرتے تھے۔

طریقہ وضو

جب وضو کرنے بیٹھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب ختم کرتے تو کلمہ شہادت پڑھتے، اس کے علاوہ آگے یا پیچھے کچھ کہنا ثابت نہیں۔ کہنیوں سے اوپر ہاتھ اور ٹخنوں سے اوپر پیروں کا دھونا منقول نہیں۔ امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ وضو کے بعد اعضا کا خشک کرنا بھی ثابت

---

(۱) اس باب میں لوگوں نے طرح طرح کی شرطیں بیان کی ہیں، مثلاً یہ کہ موزے اور جرابیں ایسے ہوں، اتنے دبیز ہوں، پھٹے نہ ہوں...... لیکن شریعت میں ان میں سے کوئی بھی شرط موجود نہیں۔ موزے چمڑے کے ہوں یا اون کے یا سوت کے، سب پر مسح کیا جا سکتا ہے، اسی طرح جوتے پر بھی مسح کرنا جائز ہے، اس باب میں اصلی مصلحت، رفع تکلیف ہے، اگر جوتا ایسا ہے کہ پہننے اور اتارنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کے موزوں اور جرابوں پر مسح ہو سکتا ہے، اگرچہ سوتی ہوں، باریک ہوں، جا بجا سے پھٹے ہوں، کیونکہ سنت نبوی میں لوگوں کی خود ساختہ شرطوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مترجم)۔

نہیں۔ کبھی وضو خود کر لیتے اور کبھی کوئی دوسرا پانی ڈال دیا کرتا تھا۔ جیسا کہ مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک سفر میں وضو کرایا تھا (صحیحین)

تیمّم

صرف ایک مرتبہ ہاتھ مار کے چہرہ اور ہتھیلیوں کا تیمم کر لیتے تھے، دو مرتبہ ہاتھ مارنا یا کہنیوں تک تیمم کرنا ثابت نہیں، امام محمدؒ کا قول ہے جو کوئی تیمم کہنیوں تک بتاتا ہے وہ دین میں اپنے دل سے اضافہ کرتا ہے تیمم ہر اس زمین پر کرتے جس پر نماز پڑھ سکتے تھے، عام اس سے کہ مٹی ہو "چونا ہو" ریت ہو، فرمایا "جہاں کہیں میری امت کے آدمی کو نماز کا وقت آجائے تو اس کے پاس اس کی مسجد اور اس کی طہارت کا سامان موجود ہے، ہر نماز کے لئے تیمم نہ کرتے اور نہ اس کا حکم ہی دیتے، بلکہ تیمم کو بالکل وضو کا قائمقام قرار دیا ہے۔ (۱)

(۱) تیمم وضو اور غسل جنابت کا قائم مقام ہے اگر پانی میسر نہ ہو یا حالت مرض و سفر ہو، قرآن میں ہے :۔
یآ ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلاۃ وانتم سکارٰی حتی تعلموا ما تقولون ولا جنباً الا عابری سبیل حتی تغتسلوا وان کنتم مرضی او علی سفر او جآء احدمنکم من الغائط او لمستم النسآء فلم تجدوا مآء فتیمموا صعیداً طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم. (النسا: ۴۳)
مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ جو کچھ تم کہتے ہو اسے سمجھنے لگو، اسی طرح جب نہانے کی حاجت ہو تو بھی نماز کے، پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ غسل کر لو، مگر ہاں سفر کی حالت اس سے مستثنٰی ہے۔ اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا عورت کے پاس گیا ہو اور پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمم کرو اس طرح کہ چہرہ اور ہاتھ کا اس سے مسح کر لو۔

فصل ۲

احکام اذان

ترجیع اور تکرار

اذان میں ترجیع اور عدم ترجیع، نیز اقامت میں تکرار اور افراد دونوں ثابت ہیں، بجز (اقامت میں) "قد قامت الصلاۃ" کے جو ہمیشہ مکرر ہی کہا جاتا تھا، نیز اذان میں تکبیر "اللہ اکبر" کہ جس کا ہمیشہ چار مرتبہ اعادہ کرنا ثابت ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ عہد نبوی میں اذان کے الفاظ دو دو مرتبہ اور تکبیر کے ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے بجز "قد قامت الصلوۃ" کے جسے مکرر کہتے تھے۔ یہ تمام صورتیں جائز ہیں، کسی میں کوئی کراہت نہیں اگرچہ، بعض، بعض سے افضل ہیں۔

اذان کے دوران میں اور اس کے بعد کیا کہا جائے؟

اس کے بارے میں پانچ طریقے مروی ہیں :۔

(۱) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ بجز "حی علی الصلوۃ" اور "حی علی الفلاح" کے، جن کے بجائے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہنا چاہیئے۔

(۲) یہ کہا جائے :۔

"رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد رسولاً."

"میں اللہ کو رب ماننے، اسلام کو بطور دین قبول کرنے، اور محمد ﷺ کو رسول ماننے سے راضی ہوں۔"

(۳) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ پر وہ درود بھیجے جو آپ ﷺ نے امت کو بتایا ہے اور جس سے بہتر کوئی درود نہیں اگرچہ لوگ کتنی ہی لفاظیاں کریں۔

(۴) درود کے بعد کہے :۔

"اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاماً محمودا الذی وعدته."

"اے اللہ تعالیٰ، اس دعوت تامہ اور صلاۃ قائمہ کی مرملی محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلہ بخش اور اس مقام محمود میں انہیں اٹھا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔

(۵) درود کے بعد اپنے حق میں دعا کرے اور فضل الٰہی کا ملتمس ہو، کیونکہ اذان کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے فرمایا "اذان اور اقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔" صحابہؓ نے عرض کیا تو ہم کیا دعا مانگا کریں؟ فرمایا "دنیا و آخرت میں عافیت طلب کرو۔"

یہ بھی مروی ہے کہ "قد قامت الصلوۃ" سن کر فرمایا کرتے تھے :۔

"اقامها الله وادامها."

"اللہ تعالیٰ اسے قائم ودائم رکھے۔"

فصل ۳

احکام نماز(۱) پنجگانہ

تکبیر و نیت

جب نماز شروع کرتے تو صرف "اللہ اکبر" کہتے اس سے پہلے اور کچھ نہ کہتے حتیٰ کہ نیت بھی زبان سے کچھ کہہ کر نہ کرتے، مثلاً نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز کی قبلہ رخ ہو کر یا مقتدی اور امام ہو کر، یا فرض نماز کی یا سنت کی، یا قضا کی یا ادا کی، غرضکہ اس طرح کی کوئی بات نہ کہتے بلکہ یہ تمام الفاظ بدعت ہیں جن میں سے کسی ایک لفظ کو بھی کسی شخص نے روایت نہیں کیا، نہ صحیح اسناد سے نہ ضعیف سے، بلکہ کسی صحابی یا تابعی سے بھی مروی نہیں، حتیٰ کہ آئمہ اربعہ" میں سے بھی کسی نے اس کی تحسین نہیں کی۔

(۱) نماز کے فوائد بے شمار ہیں، اس سے لوگوں میں نظم پیدا ہوتا ہے، چستی و چالاکی آتی ہے، مثلاً پابندی اوقات اور ایفائے عہد کی عادت پڑتی ہے، نماز کی صفوں کا اتحاد، دلوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے، اور جنگ کی صفوں کو طاقت بخشتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ نمازی اپنے بھائیوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو کر اپنے تئیں ایک بڑی برادری کا فرد، اور طاقتور جسم کا عضو سمجھتا ہے، پھر اس کے ذریعے جماعت سے انس پیدا ہوتا ہے جو ہر قسم کی ترقیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے، علاوہ ازیں نماز ہی کے ذریعہ بندہ اور اللہ تعالیٰ میں محسوس تعلق پیدا ہوتا ہے، بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے، اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے، ان میں غور و فکر کرتا ہے، اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے اور نماز کے جملہ ارکان میں احساس کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھتا اور میری ہر حرکت کا نگران ہے تو اس احساس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں خشیت و محبت الٰہی کو نشو نما ہوتی ہے اور بتدریج نماز اس کے لئے زندگی کا سب سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ اور برائیوں سے بچنے کے لئے ایک مضبوط سپر بن جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

طریقہ تکبیر

آپ ﷺ تکبیر کے لئے اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں یا کانوں تک اس طرح اٹھاتے کہ انگلیاں پھیلی رہتیں، پھر داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے اور نماز شروع کر دیتے۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) واقم الصلوۃ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشآء والمنکر، ولذکر اللہ اکبر، واللہ یعلم ما تصنعون. (العنکبوت:٤٥)
نماز کو قائم کرو، نماز فواحش اور برائیوں سے روکتی ہے، بیشک اللہ تعالی کا ذکر بڑی چیز ہے اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالی سب جانتا ہے۔
پس نماز سے اخلاق درست ہوتے ہیں، جسم پاک ہوتے ہیں، لباس، جگہ اور ماحول کی صفائی رہتی ہے، لوگوں میں ہمت ونشاط پیدا ہوتی ہے، نیکی کی ترغیب، بدی سے نفرت، باہمی اتحاد قلب میں اعلی جذبات اور اعلی خیالات کی نشوونما غرضیکہ بے شمار دینی ودنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا:۔
و استعینوا بالصبر والصلوۃ وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین، الذین یظنون انھم ملقوا ربھم وانھم الیہ راجعون (البقرۃ:٤٥)
صبر وصلوۃ سے اپنے معاملات میں استعانت حاصل کرو نماز بڑا بوجھ ہے لیکن ان لوگوں کے لئے نہیں جن کے اندر خشیت الہی ہے اور جو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی سے ملنے اور اس کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔
ان الصلاۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتاً (النسأ:١٠٣)
نماز مومنوں پر وقت کی قید کے ساتھ فرض ہے۔
اور فرمایا:۔
اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھوداً.
(بنی اسرائیل:٧٨)
آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو، نیز فجر کے وقت کا قرآن (نماز) بھی، کیونکہ فجر کا قرآن دیکھا جاتا ہے (اللہ تعالی کی طرف سے)
اور فرمایا:۔
واقم الصلوۃ طرفی النھار وزلفا من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات، ذلک ذکری الذاکرین. (ھود:١١٤)
دن کے دونوں پہروں اور اوائل شب میں نماز پڑھا کرو، نیکیاں، بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالی کو یاد کرنے والوں کے لئے یہ نصیحت ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نماز شروع کرنے کی دعائیں

نماز کا آغاز مختلف دعاؤں سے کرتے تھے، کبھی فرماتے :۔

"اللهم باعدبيني وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب."

"الٰہی میری اور میری خطاؤں کے مابین اتنی ہی دوری کردے جتنی مشرق اور مغرب کے مابین ہے۔"

(بقیہ پچھلا صفحہ) اور فرمایا :۔

يآ ايها الذين آمنوا ليستاذنكم الذين ملكت ايمانكم والذين لم يبلغوا الحلم منكم ثلاث مراتِ من قبل صلوة الفجر وحين تصنعون ثيابكم من الظهيرة ومن بعد صلوة العشآء ثلاث عورات لكم. (النور:۵۸)

اے ایمان والو! تمہارے گھر کے لونڈی غلام اور تمہارے گھر کے نابالغ بچے اندر آتے ہوئے تین مرتبہ تم سے اجازت لیا کریں : نماز فجر سے پہلے، دوپہر کو جب تم کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشا کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں۔

اور فرمایا :۔

فسبحان الله حين تمسون وحين تصبحون، وله الحمد فى السموات والارض وعشيا وحين تظهرون. (الروم:۱۷،۱۸)

جب شام ہو اور جب صبح ہو، اللہ تعالی کی تسبیح کرو، آسمان وزمین میں صرف وہی تو تعریف کے لائق ہے، نیز دوپہر اور تیسرے پہر کو اس کی تقدیس کرو۔

اور فرمایا :۔

وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ومن اناى الليل فسبح واطواف النهار لعلك ترضى. (طه: ۱۳۰)

آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے پروردگار کی تسبیح کرو، نیز رات کے وقتوں میں اور ان کے لگ بھگ بھی اسکی تسبیح کرو۔

اور فرمایا :۔

يآ ايها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا واعبدوا ربكم وافعلوا الخير لعلكم تفلحون. (الحج:۷۷)

مسلمانو! رکوع کرو، سجدہ کرو اپنے پروردگار کی پرستش کرو، اور نیکی کرو، تاکہ فلاح پاؤ۔

کبھی کہتے :۔

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا ومآ انا من المشرکین. (الانعام: ۷۹)

میں نے اپنا رخ ہر طرف سے پھیر کر اس ذات کی طرف کر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے، پس میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

کبھی کہتے :۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین، لا شریك له وبذلك امرت وانا اول المسلمین.

میری دعا، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔

اصحاب سنن کی روایت ہے کہ نماز اس تسبیح سے شروع کرتے تھے :۔

"سبحانك الله وبحمدك وتبارك اسمك وتعالی جدك ولا اله غیرك."

"تقدیس ہو یا اللہ تیری، شکر ہو تیرے لئے، بڑا ہو گیا نام تیرا اور بلند ہوا مرتبہ

(بقیہ پچھلا صفحہ) اور فرمایا :۔

واقیموا الصلاة وآتوا الزکوة وارکعوا مع الراکعین (البقرة: ۴۳)

مسلمانو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے پروردگار کی پرستش کرو، اور نیکی کرو، تاکہ فلاح یاب ہو۔

اور فرمایا :۔

حافظوا علی الصلوات والصلاة الوسطی وقوموا لله قانتین. (البقرة: ۲۳۸)

نمازوں کی پابندی کرو، خصوصاً درمیانی نماز کی، اور اللہ تعالی کے لئے سکوت وخشوع سے کھڑے ہو۔

قرآن نے نماز کی پوری تفصیل اس لئے نہیں بیان کیں کہ یہ چیز سراسر عمل سے تعلق رکھتی ہے، زبانی سمجھانے سے نہ تو سمجھ آسکتی ہے اور نہ سمجھانا کچھ مفید ہی ہے، بلکہ اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو زندہ شریعت بنا کر بھیجا ہے تاکہ اپنے عمل سے دنیا کو ہدایت کرے، چنانچہ آپ ﷺ نے عمل کر کے دکھایا کہ اس طرح نماز پڑھنا چاہیئے، امت نے اسے یاد کر لیا اور شروع سے اب تک برابر اسی پر عمل پیرا ہے۔ (ابوزید و مترجم)

تیرا تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

حضرت عمرؓ بھی آنحضرت ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہو کر اسی آخری دعا سے نماز شروع کرتے اور اسے باآواز بلند کہتے (تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے ۹ اس کے بعد کہتے :۔

اعوذ باالل من الشیطان الرجیم، بسم الله الرحمن الرحیم۔

جو کبھی باآواز بلند ہوتی کبھی آہستہ سے۔ پھر سورۃ الفاتحہ پڑھتے، ہر آیت پر ٹھیرتے اور آخری حرف کو کھینچ کر پڑھتے۔

آمین

جب الحمد ختم ہو جاتی تو اگر نماز ایسی ہوتی جس میں قرأت آواز سے کی جاتی ہے تو "آمین" بھی آواز سے کہتے ورنہ آہستہ سے۔ مقتدی آپ ﷺ کی آمین سن کر خود بھی بلند آواز سے اس کا اعادہ کرتے تھے۔

پہلی رکعت میں دو سکتے کرتے تھے، ایک تکبیر اولی کے بعد اور دوسرا سورۃ الفاتحہ کے خاتمہ پر، پھر کوئی سورت شروع کرتے جو کبھی طویل ہوتی اور کبھی مختصر، لیکن عموماً متوسط درجہ کی سورتیں پڑھتے تھے، الا یہ کہ سفر ہو یا اور کوئی عذر پیش آجائے تو مجبوراً چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔

قرأت

نماز فجر میں قرأت اور سب نمازوں سے زیادہ لمبی ہوتی تھی، جمعہ میں اکثر "الٓمٓ السجدہ اور "ھل اتی علی الانسان" عیدین اور کبھی جمعہ میں سورہ "قٓ"، اقتربت الساعۃ، سبح اور الغاشیۃ پڑھتے تھے، یہ اس لئے کہ ان سورتوں میں خلق کائنات، خلق آدم، حالات جنت و دوزخ، غرضیکہ متعدد مہتم بالشان مطالب آگئے ہیں جن کا جمعہ و عیدین جیسے مجمعوں میں دہرانا ہر طرح انسب ہے۔ جمعہ اور عیدین کے علاوہ باقی نمازوں میں معین کر کے سورتیں نہ پڑھتے تھے بلکہ مختلف موقعوں پر مختلف سورتیں تلاوت کرتے تھے،

چنانچہ ابو داؤدؒ میں عمرو بن شعیبؒ کی روایت ہے کہ "مفصلات میں کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے فرض نمازوں میں نہ سنی ہو۔"

طریقہ ادائے نماز

پہلی رکعت ہمیشہ دوسری رکعت سے بڑی ہوتی تھی، قرأۃ ختم ہو جاتی تو اتنا توقف کرتے کہ دم لے لیں، پھر ہاتھ اٹھا کے تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے، رکوع کی صورت یہ تھی کہ ہاتھوں کے دونوں پنجے گھٹنوں پر اس طرح رکھتے تھے گویا انہیں پکڑے ہوئے ہیں، دونوں ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے، پیٹھ بالکل سیدھی رہتی تھی، سر نہ بہت اٹھا ہوا ہوتا تھا اور نہ بہت جھکا ہوا، بلکہ پیٹھ کی سیدھ میں رہتا تھا۔ رکوع میں :۔

سبحان ربی العظیم سبحانك اللهم وبحمدك اللهم اغفرلی.

پاک ہے تو اے ہمارے پروردگار! اور پاک ہے تو اپنی تحمید و تقدیس کے ساتھ۔
الٰہی! مجھے بخش دے۔

رکوع و سجود

رکوع و سجود اتنا دراز ہوتا تھا کہ آدمی دس مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہہ سکے۔ اصحاب سنن کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے پیچھے نماز پڑھی تو کہنے لگے "اس نوجوان کی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز سے اس قدر مشابہ ہے کہ میں نے اور کسی کی نہیں دیکھی۔" راوی کہتا ہے کہ اس پر ہم نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے رکوع و سجود کا اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک دس تسبیحوں کے برابر ہے۔

قومہ کے ارکان

جب رکوع ختم ہو جاتا تو سمع الله لمن حمده کہتے ہوئے سر اٹھاتے نیز رفع یدین کرتے، رکوع سے پہلے اور پیچھے رفع یدین کرنا نہایت صحیح اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔ تقریباً تیس صحابہؓ نے اسے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل

ہیں، پھر اس کے خلاف ایک حدیث بھی ثابت نہیں۔[1]

رکوع سے اٹھ کر جب پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو کہتے "ربنا ولک الحمد" کبھی کہتے "اللھم ربنا لک الحمد" اس میں "ولک الحمد" واؤ کے ساتھ نہ کہتے تھے۔ یہ قیام بھی اتنا ہی دراز ہوتا تھا جتنا رکوع و سجود، اثنائے قیام میں یہ دعاء پڑھتے :۔

سمع الله لمن حمده، اللهم ربنا لك الحمد مل السموات ومل الارض ومل ما شئت من شي بعد اهل الثناء والمجد احق ما قال العبد وكلنا لك عبد، اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذالجد منك الجد

سن لی اللہ تعالی نے اس شخص کی تعریف جس نے اس کی تحمید و تقدیس بیان کی، اے ہمارے پروردگار تیرے ہی لائق ہے تعریف آسمانوں کے برابر اور زمین کے برابر اور اس چیز کے برابر جو تو زمین و آسمان کی وسعت کے بعد بھی پسند کرے۔ تیرے لئے ہی تعریف و بزرگی شایاں ہے جو ایک بندہ کہہ سکتا ہے اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ الہی! تیری عنایات کو کوئی روک نہیں سکتا اور جو چیز تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔

اور دولتمند کو اسکی دولت تیرے عذاب سے روک نہیں سکتی۔

نیز یہ دعاء بھی ثابت ہے :۔

اللهم اغسلنی من خطایای بالماء والثلج والبرد ونقنی من الذنوب والخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس وباعد بين وبين خطایای کما باعدت بين المشرق والمغرب

الہی! تو میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے دھو ڈال اور مجھے میرے

(۱) جب اللہ تعالی کا رسولؐ پابندی سے رفع یدین کیا کرتا تھا تو ہمارا اس کے خلاف پابندی سے عمل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ (مترجم)

گناہوں اور خطاؤں سے اس طرح پاک کردے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک کیا جاتا ہے۔ اور الٰہی! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس طرح دوری کردے جیسے مشرق اور مغرب دور دور ہیں۔

واعوذبك منك لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك.

الٰہی! بیشک میں پناہ مانگتا ہوں تیرے غصہ سے تیری رضاجوئی کا واسطہ دیکر، اور پناہ مانگتا ہوں تیرے عذاب سے تیری معافی اور درگذر کا واسطہ دیکر، اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری شخصیت سے تیری ہی ذات کا واسطہ دیکر، نہیں گن سکتا میں تیری تعریف، تیری ذات ویسی ہی ہے جیسی تونے اپنی شخصیت کی تعریف کی ہے۔

اور فرماتے :۔

اللهم اغفرلي خطيئتي وجهلي واسرافي في امري وما انت اعلم به من اللهم اغفرلي جدي وهزلي وخطائي وعمدي وكل ذلك عندي، اللهم اغفرلي ما قدمت وما اخرت وما استررت وما اعلنت انت الهي لا اله الا انت.

الٰہی! تو مجھے میری خطا اور نادانی بخش دے اور میری زیادتی میرے کام میں معاف کردے، اور میرا وہ گناہ بھی بخش دے جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے کہ وہ میرا گناہ ہے۔ الٰہی! میری کوشش، میری ہنسی، میری چوک اور میرا ارادہ اور ہر ایک عیب جو مجھ میں موجود ہے بخش دے۔ الٰہی! میرا وہ گناہ بھی بخش دے جو میں نے پہلے کیا اور پیچھے کیا اور جو میں نے ظاہر کیا اور چھپا کر کیا۔ تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

سجدہ کی دعاء کے متعلق ہدایت

سجدہ کی دعا کے متعلق ہدایت فرمائی ہے کہ خوب گڑگڑا کر مانگو۔ جب قیام دراز ہوتا تو رکوع و سجود بھی دراز کرتے اور جب مختصر ہوتا تو اسے بھی اسی مناسبت سے مختصر کر دیتے سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے اٹھتے پھر بایاں پیر بچھا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے،

داہنا پیر کھڑا رہتا، ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھتے کہ کہنیاں بھی رانوں پر رہتیں، پنجے گھٹنوں پر ہوتے۔

سجدہ کے آداب

قومہ کی دعاء کے بعد تکبیر کہتے اور سجدہ میں بغیر رفع یدین کئے چلے جاتے، سجدہ کا طریقہ یہ تھا کہ زمین پر پہلے گھٹنے رکھتے تھے، پھر ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک، یہی طریقہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی روایت موجود نہیں۔

وائل بن حجرؓ کی حدیث میں ہے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح سجدہ کرتے دیکھا ہے کہ پہلے گھٹنے ٹیکتے، پھر ہاتھ، اور جب اٹھنے لگتے تو ہاتھ پہلے اٹھاتے اور گھٹنے اس کے بعد۔"

سجدہ میں پیشانی اور ناک پوری طرح زمین پر رکھ دیتے، ہاتھ پہلوؤں سے الگ رہتے اور پنجے شانوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوتے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا "جب سجدہ کرو تو ہتھلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اٹھائے رہو۔" سجدہ میں پیٹھ سیدھی رہتی، دونوں پیروں کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف ہوتے، ہتھیلیاں اور انگلیاں پھیلا دیتے، انگلیاں نہ باہم ملی ہوتیں نہ بالکل الگ الگ۔ لیکن ابن حبانؒ کی روایت میں ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھول دیتے تھے اور سجدہ میں ملائے رہتے تھے۔

سجدہ کی دعاء

سجدہ میں کہتے :۔

سبحان ربی الاعلی، سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلی.

میرا پروردگار سب سے برتر اور پاک ہے، پاک ہے تو اے ہمارے پروردگار اپنی تحمید و تقدیس کے ساتھ الٰہی! مجھے بخش دے۔

اور فرماتے :۔

اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك و بمعافاتك من عقوبتك

رفع سبابہ

سجدہ سے اٹھ کر تشہد کے لئے بیٹھے تو دو انگلیاں مٹھی میں لے لیتے اور حلقہ بنا کر انگشت شہادت اٹھاتے، ہلاتے اور دعا کرتے۔ وائل بن حجرؓ کی روایت اسی طرح پر ہے۔

قعدہ

دونوں سجدوں کے مابین اتنی دیر بیٹھتے جتنی دیر سجدہ میں لگتی اور اس جلوس میں فرماتے :۔

اللهم اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني.

یااللہ! میری مغفرت کر مجھ پر رحم کر، میری مدد کر، مجھے ہدایت بخش اور رزق عطا فرما۔

پھر کھڑے ہوتے تو پیر کے پنجوں اور گھٹنوں پر اس طرح اٹھتے کہ بوجھ رانوں پر رہتا، زمین پر ہاتھ ٹیک کے اٹھنے کی عادت نہ تھی۔

تشہد کے آداب

جب کھڑے ہوتے تو بلا توقف قرأۃ شروع کر دیتے، دوسری رکعت پہلی رکعت سے چھوٹی ہوتی تھی۔ جب التحیات کے لئے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور داہنا داہنی ران پر رکھتے، پھر انگشت شہادت سے اشارہ کرتے، اسے خم کرتے، حرکت دیتے، چھنگلیا اور اس کے بعد کی انگلی مٹھی میں ہوتی، بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا لیتے، صرف شہاد کی انگلی باہر نکلی رہتی، اس پر نظر جما دیتے، آہستہ آہستہ ہلاتے اور دعا کرتے۔ بایاں ہاتھ اور اس کی انگلیاں بدستور اپنی حالت پر رہتیں۔ اس موقع پر نشست بالکل ویسی ہوتی جیسی سجدہ کے بعد۔ صحیحین میں ہے کہ "جب دوسری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے، لیکن جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو داہنا پاؤں مثل سابق کے کھڑا کر دیتے، لیکن بایاں پاؤں اب کی دفعہ اس کے نیچے سے باہر نکال دیتے اور جسم کو زمین پر رکھ کے بیٹھ جاتے۔

پہلے تشہد کی دعا

پہلے تشہد کی نشست میں یہ دعا پڑھتے :

التحیات لله والصلوة و الطيبات السلام علیك ايها[1] النبی ورحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عباد الله الصالحين، اشهد ان لا اله اِلاَّ الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله.

تمام کی تمام عبادتیں (زبانی، بدنی اور مالی) سب اللہ کے لئے ہیں۔ اے نبیؐ سلام ہو تجھ پر اللہ تعالی کی رحمت اور اسکی برکتیں۔ ہم پر اور سب اللہ تعالی کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اس تشہد کو بہت جلد کر کے تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے۔ باقی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورت نہ پڑھتے۔

دوسرا التشہد

چوتھی رکعت میں بیٹھتے تو التحیات میں کلمہ شہادت کے بعد اپنے اور اپنی آل پر درود بھیجتے، قبر اور دوزخ کے عذاب، موت و حیات اور مسیح الدجال کے فتنوں سے پناہ مانگتے، پھر دائیں اور بائیں جانب یہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے :۔

السلام عليكم و رحمة الله و بركاته.

تم پر سلام ہو اور اللہ تعالی کی رحمت اور برکت نازل ہو۔

نماز کے عام آداب

امام احمدؒ کی روایت ہے کہ نماز میں سر جھکا کے کھڑے ہوتے تھے، آنکھیں بند نہ

(۱) بخاری شریف میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد ہم (صحابہ) السلام علیک ایھاالنبی کی بجائے السلام علی النبی پڑھا کرتے تھے۔(ناشر)۔

کرتے تھے، نظر سجدہ گاہ پر رہتی تھی، صرف التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت انگشت شہادت کو دیکھتے تھے۔ اللہ تعالی کے رسول ﷺ کی دلی مسرت نماز میں تھی، بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے "بلال! نماز کے لئے آذان دے کر ہمیں تسکین دو"۔

اختصار و طوالت نماز

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ طویل نماز کے ارادہ سے نیت باندھتے، مگر درمیان میں بچہ کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز مختصر کر دیتے، مبادا صف میں اس کی ماں کو تکلیف ہو رہی ہو۔ کبھی امامہ رضی اللہ عنہ بنت ابی العاص (اپنی نواسی) کو کاندھے پر اٹھائے اس طرح نماز پڑھتے کہ جب کھڑے ہوتے انہیں اٹھالیتے، اور جب رکوع و سجود میں جانے لگتے تو اتار کے زمین پر بٹھادیتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حسن یا حسین (علیہما السلام) کھیلتے کھیلتے آجاتے، آپ ﷺ سجدہ میں ہوتے، وہ پشت مبارک پر سوار ہو جاتے، ان کے گرنے کے ڈر سے آپ ﷺ سجدہ دراز کر دیتے۔

حضورِ قلب کی عجیب مثال

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک سوار کو کوئی خبر لانے کے لئے بھیجا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے، مگر برابر اس گھاٹی کی طرف پھر پھر کر دیکھتے رہے جس سے سوار واپس آنے والا تھا۔ لیکن اس سے نہ خشوع و خضوع میں فرق آیا اور نہ جماعت کے کسی رکن میں کوئی خلل پڑا۔ یہ حضور قلب اور توجہ الی اللہ تعالی کی عجیب مثال ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت عائشہؓ باہر گئی ہوتیں، دروازہ بند ہوتا، آپ ﷺ نماز پڑھتے ہوتے، اس اثنا میں وہ واپس آتیں تو آپ چل کے دروازہ کھول دیتے اور نماز کی نیت بدستور بندھی رہتی۔

نماز میں سلام کا جواب

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ نماز میں ہوتے اور کوئی سلام کرتا تو اشارہ سے جواب دے دیتے۔

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "مجھے آنحضرت ﷺ نے ایک کام پر بھیجا، میں واپس آیا تو آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے، میں نے سلام کیا تو اشارہ سے جواب دے دیا"۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے جواب دے دیا"۔

عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیتے تھے۔

بیہقی میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں حبش سے ایسے وقت واپس پہنچا کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں تھے، میں نے سلام کیا تو سر کے اشارہ سے جواب دیا۔

مزید توضیح

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ رات کو حجرہ میں نماز پڑھتے، حضرت عائشہؓ سامنے سجدہ گاہ پر سوئی ہوتیں، آپ ﷺ سجدہ میں جانے لگتے تو ان کے پہلو میں انگلی مارتے، وہ پیر سمیٹ لیتیں اور جب کھڑے ہو جاتے تو وہ پھیلا دیتیں۔ کبھی منبر پر نماز شروع کرتے، رکوع بھی اسی پر کرتے، صرف سجدہ کے لئے نیچے اتر آتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔

ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، دیوار سامنے تھی، ایک بکری آئی اور سامنے سے گزرنے لگی، آپ ﷺ اسے برابر روکتے، ٹالتے اور پھسلاتے رہے، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے بالکل دیوار سے جا لگے اور بکری پیچھے سے نکل گئی۔

امام احمدؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے آپ ﷺ نے دو لڑکیوں کو باہم لڑتے دیکھا، فوراً آگے بڑھے، انہیں پکڑ کر الگ الگ کر دیا اور پھر بدستور نماز پڑھنے لگے۔

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا میرے لئے ایک وقت مقرر تھا، میں جاتا اور اجازت چاہتا، اگر نماز میں ہوتے تو کھکار دیتے اور میں اندر آ جاتا، اگر خالی ہوتے تو زبان سے اجازت دے دیتے۔ (احمد و نسائی)

پاپوش سمیت نماز

کبھی برہنہ پاؤں نماز پڑھتے، کبھی جوتا پہن کر، بلکہ حکم دیا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کے لئے جوتا پہن کے نماز پڑھو۔(۱)

دعائے قنوت

مصیبت کے وقت نماز میں دعائے قنوت پڑھتے تھے، جس میں اپنی امت کے لئے دعاء اور دشمنوں کے حق میں بد دعاء کرتے تھے، جب ضرورت رفع ہو جاتی تو قنوت بھی ترک کر دیتے تھے (بخاری و مسلم) عموماً فجر اور مغرب کی نمازوں میں قنوت کرتے تھے۔

---

(۱) فقہاء نے ان باتوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے جن سے نماز باطل یا مکروہ ہو جاتی ہے، منجملہ ان کے ایک قصداً کھنکارنا اور اشارہ کرنا بھی ہے، مگر نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ان افعال کی وہ کیا تاویل کرینگے؟ بہت سے مولوی جوتا پہن کے نماز پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں اور اسے ایک بدعت قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ بدعت نہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے جوتا پہن کے نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں بالتصریح موجود ہے (بلکہ ائمہؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جوتا پہن کے نماز پڑھنا ہی سنت ہے۔ (مترجم) حتی کہ تفسیر ماثور کے ناقلوں نے آیت :۔

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (الاعراف: ۳۱)

اے بنی آدم! مسجدوں میں پوری زینت کے ساتھ آیا کرو۔

میں "زینت" سے مراد نماز میں جوتا پہننا بتایا ہے۔ بعض لوگ جوتا کے ساتھ نماز پڑھنے کو اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ جوتا میں وقت بیوقت نجاست لگی رہتی ہے، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ زمین پر رگڑ دینے سے جوتا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "جب مسجد میں آؤ الٹ کے جوتا دیکھ لو، اگر نجاست لگی ہو تو زمین پر رگڑ دو اور انہیں پہن کر نماز پڑھو۔" (ابوداؤدؒ واحمدؒ) دوسری حدیث میں ہے، "اگر جوتا میں نجاست لگ جائے تو اس کے لئے مٹی طہارت ہے۔" (ابوداؤد) ابو زید۔ (لوگوں کو حیرت ہوگی کہ جب تمام باتیں حدیث میں موجود ہیں تو علماء ان پر عمل کیوں نہیں کرتے لیکن یہ حیرت بالکل بے جا ہے کیونکہ کتنے عالم جنہوں نے صحیح طور پر حدیث پڑھی ہے؟ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آجکل عالم ہونے کے لئے بس یہ کافی ہے کہ فقہ کی چند کتابیں پڑھ لی جائیں۔" (مترجم)

امام احمدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کامل ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نمازوں میں دعائے قنوت پڑھی، آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد دعاء شروع کرتے تھے، جس میں بنی سلیم کے ایک قبیلہ کو بد دعا دیتے اور مقتدی آمین کہتے تھے۔ ابو داؤد وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، اور یہی ثابت بھی ہے کہ کسی خاص ضرورت ہی پر نمازوں میں اس طرح کی قنوت کرتے تھے اور نہ دائمی طور پر جو دعائے قنوت پڑھتے تھے اس سے صرف حمد و ثنا مقصود ہوتی تھی۔

نماز کے بعد کی دعائیں

سلام کے بعد تین مرتبہ استغفار کرتے اور فرماتے :۔

اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام.

الٰہی! تو ہی سلامتی والا ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے، اے صاحب بزرگی و عزت، تو ہی بابرکت ہے۔

یہ الفاظ قبلہ رخ کہتے تھے، پھر فوراً مقتدیوں کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو بار بار بائیں پہلو سے مڑتے دیکھا ہے (صحیحین) انسؓ کی روایت میں ہے کہ داہنے پہلو سے مڑتے تھے (مسلم) ابن عمرؓ کا قول ہے کہ کبھی بائیں پہلو سے مڑتے تھے اور کبھی دائیں سے۔ جب مقتدیوں کی طرف گھومتے تھے تو پوری طرح گھومتے تھے، یہ نہ ہوتا تھا کہ ایک گروہ کی طرف پھرتے اور دوسروں کو محروم رکھتے۔

ہر فرض نماز کے خاتمہ پر فرماتے :۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر.

اللہ تعالیٰ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اسی کے لئے ہر طرح کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

صحیح ابن حبانؒ میں ہے کہ دست مرتبہ اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

ابو حاتمؒ کی روایت ہے کہ ہر نماز کے بعد فرماتے :۔

اللهم اصلح لي ديني الذي جعلته عصمة امري واصلح لي دنياي التي جلعت فيها معاشي، اللهم اني اعوذ برضاك من سخطك واعوذ بعفوك من نقمتك واعوذبك منك لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذاالجد منك الجد.

یااللہ! میرے لئے میرا دین درست کر دے کہ جسے تو نے میرے لئے پناہ بنایا ہے اور میرے لئے میری دنیا بھی درست کر دے کہ جس میں تو نے میری روزی رکھی ہے، یااللہ! میں تیرے غصہ سے تیری رضا مندی کے دامن میں پناہ لیتا ہوں، تیرے انتقام سے تیرے عفو ورحم کا بچاؤ ڈھونڈتا ہوں اور تجھ سے خود تیری ہی طرف بھاگ کے پناہ چاہتا ہوں، جو تو دے اسکا روکنے والا کوئی نہیں، جو تو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں، تیرے مقابلہ میں رتبے والے کا رتبہ کام نہیں آسکتا۔

حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے خاتمہ پر کہا کرو :۔

اللهم اعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك.

یااللہ! اپنے ذکر، شکر اور حسن عبادت میں میری مدد کر۔

نماز کے خاتمہ سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے (واللہ اعلم) کہ نماز کے آخر میں یعنی ختم ہونے سے پہلے، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس طرف گئے ہیں کہ خاتمہ سے مراد سلام سے پہلے ہے، یعنی یہ دعا سلام سے پہلے پڑھنی چاہیئے۔

سترہ (آڑ)

جب دیوار کے سامنے نماز پڑھتے تو اس کے قریب ہی رہتے "اگر لکڑی، ستون یا درخت کے پیچھے نماز پڑھتے تو اسے اپنی دائیں یا بائیں ابرو کے مقابل رکھتے میدان میں لوہے کی سلاخ سامنے گاڑ لیتے تھے جو اسی مقصد سے ساتھ رہتی تھی۔

سنن ونوافل

اگر مقیم ہوتے تو شب وروز میں دس سنتیں ضرور پڑھتے، بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقیم ہوتے تو گھر کے اندر دس رکعتیں ضرور پڑھتے تھے یعنی دو ظہر سے پہلے دو اس کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ حضرت حفصہؓ کی روایت ہے کہ نماز جمعہ کے بعد گھر آ کے دو رکعت نماز پڑھتے تھے (صحیحین)

جائے ادائے سنن

سنت نبوی فرض نمازوں میں یہ تھی کہ ہمیشہ مسجد میں پڑھتے، لیکن سنتوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا، سنتیں ہمیشہ گھر میں پڑھا کرتے تھے الا یہ کہ کوئی عذر پیش آجائے، حدیث میں ہے کہ فرمایا "لوگو نماز (سنت) گھر میں پڑھا کرو کیونکہ فرض کے علاوہ نماز کا گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے۔

سنت فجر ووتر

فجر کی دو سنتیں اور وتر نماز کبھی نہ چھوڑتے حتی کہ سفر میں بھی ان کا ترک کرنا منقول نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سنت فجر اور وتر نماز کی اس قدر پابندی اس لئے فرماتے تھے کہ سنت فجر بمنزلۂ آغاز عمل کے ہے اور وتر بمنزلہ خاتمہ عمل کے، یعنی روزانہ زندگی شروع ہو تو نماز سے اور ختم ہو تو نماز سے اسی وجہ سے آپؐ ان دونوں نمازوں میں سورۃ الاخلاص اور قل یا ایھا الکافرون پڑھا کرتے تھے جو نہایت جامع سورتیں ہیں۔

سورۃ الاخلاص کی فضیلت

سورۃ الاخلاص میں توحید اعتقاد اور معرفت ہے، ایسی توحید کامل جو شرک کی تمام صورتوں کے قطعی منافی ہے۔ پھر اس میں اثبات صمدیت ہے جو جملہ کمالات کی جامع اور اس کی ذات اعلیٰ واشرف کو ہر قسم کے نقص سے مبرا کرنے والی ہے ولد ووالد کی نفی ہے،

جو لوازم صمدیت واحدیت میں سے ہے کفو و نظیر کی نفی ہے، جس سے ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل کی نفی ہوتی ہے۔

غرضیکہ سورۃ الاخلاص میں توحید اعتقادی کے وہ بنیادی اصول آگئے ہین جن کے تسلیم کر لینے کے بعد انسان تمام گمراہ فرقوں سے الگ ہو کر موحد کامل ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تنہا توحید اعتقادی کافی نہیں، توحید عملی کا وجود بھی ضروری ہے جو بسااوقات مفقود ہو جاتی ہے، کیونکہ جس طرح علم کے باوجود انسان اکثر مضر عمل کرتا ہے، اسی طرح توحید علمی واعتقادی کی موجودگی میں بھی شرک عملی کا غلبہ ہو جاتا ہے بنابریں ضروری ہوا کہ توحید عملی کی بھی بنیادیں مضبوط کر دی جائیں اور شرک عملی کی بھی جڑیں اکھاڑ پھینکی جائیں چنانچہ سورۃ قل یاایھا الکافرون میں یہ بات صاف کر دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ توحید علمی و عملی کی یہ دونوں جامع سورتیں اپنی اولین و آخرین نمازوں میں پڑھا کرتے تھے، نیز طواف کے نفلوں اور حج مین ان کی تلاوت فرماتے تھے۔

رات کی نماز

امام مالکؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ رات میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں ایک رکعت وتر کی ہوتی تھی، ان سے فارغ ہونے کے بعد دائیں کروٹ سے لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ مؤذن، فجر کی اذان دیتا تو اٹھتے اور دو مختصر رکعتیں پڑھتے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ لیٹنا کچھ سنت کے طور پر نہ تھا بلکہ رات کو آپ ﷺ تھک جاتے تھے، اس لئے ذرا آرام لینے کے لئے لیٹ جاتے تھے، دائیں کروٹ سے لیٹنے میں یہ مصلحت بتائی گئی ہے کہ چونکہ قلب بائیں جانب ہے اس لئے بائیں کروٹ سونے سے نیند اچھی نہیں آتی، آپ چونکہ فجر کی نماز میں نیند کے غلبہ سے بچنا چاہتے تھے اس لئے دائیں کروٹ پر سوتے تھے تاکہ تھوڑے وقت میں نیند پوری ہو جائے۔

صحیحین میں قاسمؒ بن محمد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رات میں آپ دس رکعتیں پڑھتے تھے پھر ایک رکعت وتر کی ادا کرتے تھے اس کے بعد فجر کے وقت دو رکعت سنت فجر ادا کرتے تھے شب کی ان نمازوں میں قرأت بآواز بلند کرتے تھے اور کبھی آہستہ سے جب کھڑے ہو کر پڑھتے تو قیام کبھی دراز کرتے اور کبھی مختصر۔ وتر نماز اکثر آخر رات میں پڑھتے تھے، لیکن کبھی درمیانی اور اول رات میں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

سفری نماز

سفر میں نفل نمازیں سواری پر بیٹھے بیٹھے پڑھ لیتے، اس حالت میں قبلہ رخ نہ ہوتے تھے بلکہ جدھر بھی سواری کا رخ ہوتا اسی طرف نماز پڑھ لیتے، رکوع و سجود اشارہ سے کرتے تھے، سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ خم نہ ہوتے تھے۔ احمد وابوداؤد کی روایت ہے کہ جب سواری پر نماز پڑھنا ہوتی تو پہلے اس کا منہ قبلہ کی طرف کر کے نیت باندھتے پھر لگام ڈھیلی کر دیتے کہ اپنے راستہ پر چلی جائے۔

سفر سے واپسی کی نماز

سفر سے واپس آتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے، اسی نماز کو بعض لوگوں نے "صلاۃ الضحیٰ" کا نام دے دیا ہے، کیونکہ دو مرتبہ ایسے ہی وقت میں آپ سفر سے لوٹے اور نماز پڑھی چنانچہ فتح مکہ سے واپسی بھی اسی وقت ہوئی تھی۔ لیکن اس نماز کو صلوۃ الضحیٰ قرار دینا غلطی ہے، کیونکہ آپ نے ہمیشہ اس کی پابندی نہیں کی جیسا کہ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور دیگر مرفوع احادیث و آثار صحابہ سے ثابت ہے۔

فصل چہارم
سجدۂ سہو شکر و قرآن

نماز میں بھول

صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا "میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں، بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، اگر کبھی بھولوں تو یاد دلا دو۔"

آپ ﷺ کئی بار نماز میں بھول گئے ہیں اور سجدہ سہو کیا ہے، جس کی صورتیں مختلف تھیں کبھی سلام سے پہلے کرتے اور کبھی سلام کے بعد۔

سجدہ سہو کی صورت

حدیث میں ہے کہ سجدہ سہو کی صورت یہ تھی کہ سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے بآواز بلند تکبیر کہتے پھر دو سجدے کرتے (متفق علیہ)

پانچ مواقع سہو

(۱) صحیحین میں ہے کہ نماز ظہر کی دوسری رکعت میں تشہد بیٹھنا بھول گئے تو چوتھی رکعت میں سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کئے۔

(۲) ایک مرتبہ ظہر یا عصر کی نماز میں بھولے سے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے، لیکن جب معلوم ہو گیا کہ سہو ہو گیا ہے تو باقی دو رکعتیں پوری کیں اور سلام کے بعد دو سجدے کئے۔

(۳) ایک دن نماز میں ایک رکعت رہ گئی اور سلام پھیر کے مسجد کے باہر چلے گئے حضرت طلحہؓ نے بڑھ کر یاد دلایا تو لوٹے، بلالؓ کو تکبیر کا حکم دیا، پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ (احمد)

(۴) ایک مرتبہ ظہر میں پانچ رکعتیں پڑھ گئے، سلام کے بعد لوگوں نے یاد دلایا تو سہو کے دو سجدے کر لئے۔ (متفق علیہ)

(۵) ایک مرتبہ عصر میں تین رکعتیں پڑھ گئے، گھر تشریف لائے تو لوگوں نے یاد دلایا فوراً مسجد میں واپس آئے اور جماعت کے ساتھ باقی رکعت پوری کی، سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے اور پھر دوبارہ سلام پھیرا۔

یہ پانچ مواقع ہیں جن میں آپ سے سہو ہونا ثابت ہے۔

سجدہ شکر

خوشی کے موقع پر سجدہ کرتے، مصیبت کے دور ہونے پر سجدہ کرتے، جیسا کہ مسند احمد میں ابن ابی بکرہ کی روایت میں ہے اور جیسا کہ ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ خوشخبری آئی تو رسول اللہ ﷺ سجدہ میں گر پڑے۔

سجدہ قرآن

جب تلاوت میں آیت سجدہ آجاتی تو تکبیر کہتے ہوئے سجدہ[1] کرتے اور اکثر اس میں فرماتے: **"سجد وجهي للذي خلقه وصوره وشق سمعه وبصره بحوله وقوته"**

"میرا چہرا اس ذات کے لئے سجدہ میں جس نے اسے پیدا کیا، یہ صورت بخشی، اور اپنی قدرت و طاقت سے اس میں سماعت و بصارت پیدا کی۔"

یہ ثابت نہیں ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے کبھی تکبیر کہی ہو، یا اس کے بعد سلام پھیرا ہو یا التحیات پڑھی ہو۔

(۱) لیکن بالالتزام ہر آیت سجدہ پر سجدہ نہ کیا کرتے تھے، چنانچہ زید بن ثابت رضی کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو سورہ النجم سنائی، مگر آپ نے سجدہ نہیں کیا (اخرجہ الخمسہ) صحابہ کا عمل بھی یہی تھا کہ کبھی سجدہ کرتے اور کبھی نہ کرتے، جیسا کہ سجدہ نحل میں حضرت عمر کا واقعہ مروی ہے اور جیسا کہ بخاری و مالک کی روایت میں ہے (ابو زید)

فصل ۵

نماز جمعہ کا بیان

پہلا جمعہ

ہجرت کے وقت جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں عمرو بن عوف کے ہاں دو شنبہ سے جمعہ تک قیام فرمایا اور ان کے لئے مسجد کی بنیاد ڈالی، جمعہ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے تو نماز جمعہ کا وقت بنی سالم میں آگیا، چنانچہ اس مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی جو اس وقت تک وادی میں موجود ہے، یہ پہلا جمعہ تھا جو مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے مدینہ میں ادا فرمایا۔

خطبۂ جمعہ

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس موقع کے خطبہ میں علاوہ حمد و ثنا کے آپ ﷺ نے فرمایا:۔

اما بعد ایها الناس قدموا لانفسکم والله لیُصْعَقَنّ احدکم ثم لیدعن غنمه لیس له راع ثم لیقولن له ربه لیس له ترجمان ولاحاجب یحجبه دونه، الم یاتك رسولی فبلغك و اتیتك مالا وافضلت علیك فما قدمت لنفسك، فلینظرن یمینا وشمالاً فلایری شیئا ثم لینظرن قُدّامه فلا یری غیر جهنم، فمن استطاع ان یتقی بوجهه من النار و لوبشق من تمرة فلیفعل، ومن لم یجد فبکلمة طیبة فانها تجزی الحسنة امثالها الی سبع مائة ضعف، والسلام علیکم و رحمة الله وبرکاته.

لوگو! اپنے لئے توشہ تیار کرو، بخدا تم میں سے کوئی اچانک مر جائیگا، اپنا گلہ بغیر

گلہ بان کے چھوڑ جائیگا، پھر ...

سے فرمائے گا: کیا میرے رسول ﷺ نے آکر تجھے میرا پیغام دیا تھا، کیا میں نے تجھے مال متاع نہیں دیا تھا؟ اب بتا تو اپنے لئے کیا توشہ لایا ہے؟ اس وقت وہ مسکین دائیں بائیں دیکھے گا تو جہنم کے سوا کچھ دکھائی نہ دے گا! پس جو شخص آدھی کھجور دے کر بھی دوزخ سے بچ سکتا ہے، چاہیئے کہ دریغ نہ کرے، جسے یہ بھی میسر نہ آئے تو اچھی بات کہہ کر دوزخ سے بچے، کیونکہ نیکی کا بدلہ دس سے سات گناہ تک ملتا ہے۔ والسلام!

جمعہ کے آداب

سنت نبوی ﷺ یہ تھی کہ اس دن (جمعہ) کو نہایت اہمیت دیتے، اس کے فجر میں سورۂ الٓم السجدہ اور ھل اتی علی الانسان پڑھتے۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا "جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اگر میسر ہوا خوشبو لگائی، اپنا اچھے سے اچھا لباس پہنا، پھر سکون و وقار کے ساتھ چل کر مسجد آیا، تحیۃ المسجد ادا کی، اس دوران میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائی، امام کا خطبہ توجہ سے سنا، پھر نماز پڑھی، تو اس کی یہ نماز آئندہ جمعہ کی نماز تک اس کے حق میں کفارہ ہو گی۔

سنن میں ہے کہ فرمایا "اگر مقدرت رکھتے ہو تو کیا نقصان ہے کہ روز کے لباس کے علاوہ خاص جمعہ کے لئے ایک لباس بنا لو۔[1]

(۱) اس سے یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے علاوہ باقی دنوں میں صفائی کا خیال نہ رکھا جائے۔ بہت سے لوگ میلے اور بدبو دار کپڑے پہن کر مسجد میں آتے ہیں جس سے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ مسلمان کو ہمیشہ صاف ستھرا اور کم سے کم ایسا رہنا چاہیئے اگر کوئی ایسے دیکھ کر نفرت نہ کرے۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہؓ کے منہ میں پیاز یا لہسن کی بو محسوس کی تو فرمایا "جو کوئی اس طرح کی چیزیں کھائے اسے نہیں چاہیئے کہ ہمیں تکلیف دے، بلکہ بہتر ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھے۔" اس سلسلہ میں ایک اور بات قابل ذکر ہے جس کا لوگ خیال نہیں کرتے بہت سے لوگ خیال نہیں کرتے بہت سے لوگ مجلس میں ایسے تیل اور عطر لگا کر آتے ہیں جن کی بو اگرچہ خود انہیں بھلی معلوم ہوتی ہے مگر مجلس میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اس بو کو پسند نہیں کرتے اور سخت تکلیف اٹھاتے ہیں، لہذا انہایت احتیاط کی ضرورت ہے، اس چیز کا تعلق سراسر دماغ سے ہے ایسی خوشبوئیں استعمال کی جائیں جس سے اللہ کے کسی بندے کو اذیت پہنچے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

جمعہ کے لئے مجمع کا انتظار

جمعہ کے دن نماز میں لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کرتے، یہاں تک کہ جب مجمع ہو جاتا تو بر آمد ہوتے مگر ساتھ نہ کوئی نقیب پکارتا چلتا اور نہ جسم مبارک پر لمبے چوڑے جبے ہوتے، سادگی سے تشریف لاتے، سلام کرتے اور منبر پر جا بیٹھتے، فوراً بلالؓ اٹھتے، اور اذان دیتے جو صرف ایک مرتبہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ فوراً خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

جمعہ سے پہلے سنن نماز

اس وقت کوئی شخص سنت نماز نہ پڑھتا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ بھی عید کے مثل ہے جس سے پہلے سنت نماز نہیں، اور یہ جو مشہور ہے کہ بلالؓ کی اذان کے بعد سب لوگ سنتوں کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے تو بالکل باطل اور سنت نبوی سے جہالت پر مبنی ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ

اسی طرح جاہلوں کا یہ خیال بھی بے بنیاد ہے کہ آپ تلوار پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے اور نہ کہ ایسا کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسلام کا قیام تلوار سے ہوا ہے اس طرح کی کوئی روایت بھی موجود نہیں ہے، حتی کہ یہ بھی منقول نہیں کہ آپ تلوار یا کمان یا کسی اور چیز کے سہارے منبر پر چڑھتے ہوں، البتہ منبر بننے سے پہلے عصا یا کمان پر ٹیک دے کر خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تلوار کا اس حالت میں بھی لینا مروی نہیں۔

(بقیہ پچھلا صفحہ) پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بہت لوگ تیل لگانے کے بعد ہاتھ نہیں دھوتے، بلکہ تیل کو ہاتھوں میں مل لیتے ہیں، پھر بلا تکلف مصافحہ شروع کر دیتے ہیں، جس سے دوسروں کے ہاتھ بھی چکنے ہو جاتے ہیں۔ یہ سب معاشرت کے بالکل ابتدائی آداب ہیں، ہر شخص پر ان کی پابندی لازمی ہے۔ (مترجم)

ضروریات خطبہ جمعہ

خطبہ میں سراسر وہی باتیں ہوتی تھیں جن کی مخاطبین کو ضرورت ہوتی۔ اثناء خطبہ میں اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تو غیر متعلق گفتگو بھی کر لیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور بیٹھنے لگا، آپ خطبہ دے رہے تھے، نظر پڑ گئی، تو اسے مخاطب کر کے فرمانے لگے "تحیۃ المسجد" ادا کرو۔ اسی طرح ایک آدمی لوگوں کو پھاند کر اگلی صف کی طرف آرہا تھا، آپ نے دیکھا تو منع فرمایا اور حکم دیا کہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔

بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ اثناء خطبہ میں کوئی آگیا ہے تو "آؤ بیٹھو" اور اسی طرح کے مختصر جملے کہہ دیئے ہیں۔ خطبہ کے دوران میں جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آجاتا یا دعا فرماتے تو انگشت شہادت سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت بڑی تاکید تھی کہ لوگ قریب ہو کر بیٹھیں اور پوری خاموشی سے سنیں۔

باطلات جمعہ

حدیث میں ہے کہ فرمایا "جس نے جمعہ کے دن آکر شور مچایا، اس کا جمعہ نہیں ہوا۔" امام احمد کی روایت ہے کہ فرمایا "جمعہ میں جب امام خطبہ دے رہا ہو اور کوئی بولے تو اس کی مثال اس گدھے کی ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے، جو کوئی اپنے ساتھی سے کہتا ہے "خاموش" اس کا جمعہ نہیں۔

طریقہ ادائے جمعہ

جب خطبہ ختم ہو جاتا تو بلال اقامت کہتے۔ آپ جمعہ کی نماز ہمیشہ دراز کرتے تھے۔ بعد میں سنتیں مسجد میں نہ پڑھتے بلکہ گھر پہنچ کر صرف دو رکعت ادا فرماتے تھے، جیسا کہ صحیحین میں ابن عمر کی حدیث سے ثابت ہے کہ جمعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر آکے دو رکعت سنت پڑھتے[1] تھے۔

(۱) بہت سے لوگ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں ظہر کی نماز باجماعت یا علیحدہ علیحدہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ ایک بدعت ہے اور سنت نبوی میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ اور ظہر کی نمازیں ایک ہی دن میں فرض نہیں کیں، جمعہ کے بعد ظہر نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ بجائے ثواب کے بدعت ہونے کی وجہ سے موجب عقاب ہو سکتی ہے۔ (ابو زید)

فصل ششم

عیدین کا بیان

آداب عیدین

عیدین کی نماز اس عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے جو مدینہ کے مشرقی پھاٹک پر واقع ہے۔ ان دونوں تقریبوں پر بہت سے بہتر لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کھجور کے چند دانے تناول کرتے جو شمار میں طاق ہوا کرتے تھے۔

عید الاضحیٰ میں جانے سے پہلے کچھ نہ کھاتے بلکہ واپسی پر اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ نوش فرماتے۔

عید الفطر کی نماز دیر سے شروع کرتے اور عید الاضحیٰ میں جلدی کرتے تھے جب عیدگاہ پہنچ جاتے تو نماز شروع ہو جاتی، ان کے لئے نہ اذان دی جاتی تھی نہ اقامت کہی جاتی تھی اور نہ الصلاۃ جامعۃ وغیرہ کے الفاظ پکارے جاتے تھے۔

ترکیب نماز

یہ نماز دو رکعت کی ہوتی تھی، پہلی رکعت میں پہلی تکبیر کے بعد ہی سات تکبیریں کہتے تھے جن میں سے ہر تکبیر کے بعد کسی قدر سکوت ہوتا تھا اس سکوت میں کیا فرماتے

تھے کچھ ثابت نہیں، لیکن عبداللہ بن مسعود کی ایک روایت میں ہے کہ حمد وثنا اور درود پڑھتے تھے۔ تکبیروں کے بعد سورۃ الفاتحہ، پھر ق والقرآن المجید پڑھتے تھے، کبھی اس کے بجائے سبح اسم ربك الاعلی بھی پڑھی ہے، اس کے بعد تکبیر کہتے اور رکوع و سجود کرتے، پھر سورۃ الفاتحہ اور اقتربت الساعة وانشق القمر پڑھتے، کبھی اس کی جگہ هل اتاك حديث الغاشية، بھی تلاوت کرتے تھے۔ یہ ثابت نہیں کہ تکبیروں سے پہلے کچھ پڑھتے ہوں بلکہ ہمیشہ کا طریقہ یہی تھا کہ دونوں رکعتیں تکبیروں سے شروع کرتے تھے۔ ترمذی نے کثیر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین کی نماز پڑھی تو پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیرین کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق میں نے محمد البخاری (صاحب صحیح البخاری) سے دریافت کیا تو فرمانے لگے: ''اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے، اور خود میرا بھی یہی مسلک ہے۔

خطبہ عیدین

جب نماز ختم ہو جاتی تو اٹھ کے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے جو اپنی صفوں میں بدستور بیٹھے ہوتے، پھر خطبہ دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے۔ جابر کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی، بلا اذان واقامت کے نماز شروع کی پھر فارغ ہو کر بلال پر ٹیک لگا کے کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں تقویٰ وطہارت کی ترغیب تھی، پھر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں بھی نصیحت کی۔'' (متفق علیہ)

عیدین کے خطبہ میں تکبیرین زیادہ کہتے تھے جیسا کہ ابن ماجہ میں آپ ﷺ کے موذن سعد کی روایت میں مذکور ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خطبہ کا آغاز بھی

تکبیر سے کرتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خطبہ ہمیشہ الحمد للہ ہی سے شروع کرتے تھے، خطبہ عید کے موقع پر آپ ﷺ نے لوگوں کو بغیر خطبہ سنے گھر چلے جانے کی بھی اجازت دی ہے۔

جمعہ اور عیدین کا اجتماع

نیز اگر عید جمعہ کے دن پڑے تو اختیار دیا ہے کہ جمعہ میں شریک نہ ہوں۔ آپ عید کی نماز سے پہلے یا پیچھے سنت یا نوافل کی کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ عید گاہ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے لوٹتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں سے صاحب سلامت کر سکیں۔

ایام تشریق

ہمیشہ کی سنت تھی کہ عید الأضحیٰ کے موقع پر فجر یوم عرفہ (نویں ذی الحج) سے آخر ایام تشریق (تیرھویں ذی الحج) کے عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیر کہتے، جس میں یہ الفاظ ہوتے تھے:۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

فصل ہفتم

صلوۃ کسوف کا بیان

ترکیب نماز

ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو تیزی سے مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز ادا کی، پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ اور ایک طویل سورت بآواز بلند پڑھی، پھر طویل رکوع کیا، پھر اٹھے تو دیر تک وقوف کیا اور "سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لك الحمد۔" کہا، پھر دوبارہ قرأت شروع کردی جو پہلی قرأت سے مختصر تھی، پھر رکوع کیا جو پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ میں گئے جس میں دیر لگائی۔ اس کے بعد دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی۔ اس طرح اس نماز کی ہر رکعت میں دو رکوع، دو سجدے اور دو مرتبہ قرأت کی۔

خطبہ کسوف

پھر نماز کے بعد خطبہ دیا جس کے یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں :-

ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله لا یخسفان لموت احد ولا لحیاته[۱] فاذا رایتم ذلك فادعوا الله وكبروا وصلوا وتصدقوا ولقد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور یؤتی احدکم فیقال له ما علمك بهذا الرجل؟ فاما المؤمن، او الموقن فیقول

(۱) یہ اس وجہ سے فرمایا کہ اسی وقت آپ کا صاحبزادہ "ابراہیم" فوت ہوا تھا اور لوگوں نے کہنا شروع کردیا تھا کہ گہن اس کے مرنے کی وجہ سے پڑا ہے، آپ ﷺ نے اس بے بنیاد وہم کی تردید کی (مترجم)

محمد رسول الله جاء بالبینات فامنا و اتبعنا فیقال له نم صالحا فقد علمنا ان کنت لمؤمنا، واما المنافق او المرتاب، فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون شیئا فقلته. (۱)

سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کے مرنے جینے سے گہن میں نہیں پڑتیں، جب تم ایسی حالت (گہن) دیکھو تو اللہ کو پکارو، تکبیر کہو، نماز پڑھو صدقہ دو۔ مجھ پر وحی آئی ہے کہ قبر کے اندر تمہارا امتحان ہوگا، تم سے پوچھا جائے گا "اس شخص کے بارے میں تیرا کیا علم ہے"؟ مومن جواب دیگا "محمد رسولؐ اللہ ہیں، ہدایت اور کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے ہیں ہم نے ان کی تصدیق اور پیروی کی۔" اس پر کہا جائیگا "خیریت سے سو، ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو مومن ہے۔" لیکن منافق اس سوال کے جواب میں کہے گا "اس شخص کے متعلق میرا علم کچھ بھی نہیں، میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا خود بھی وہی کہنے لگا۔"

صحیح طور پر اس قدر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے صلاۃ کسوف زندگی بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھی اور یہ اس دن جب آپ کے لڑکے ابراہیم کی وفات واقع ہوئی۔

(۱) یہ آخری جملہ نہایت قابل غور ہے، اندھی تقلید کا نتیجہ یہی ہوگا کہ اس نازک وقت میں ناکامی ونامرادی کا منہ دیکھنا پڑے، مسلمان کے لئے روا نہیں کہ بلا سوچے سمجھے کوئی بات مان لے اور آنکھیں بند کر کے لوگوں کے پیچھے ہولے، اللہ تعالیٰ کے یہاں وہی ایمان و عمل میں معتبر ہے جو علم ویقین کے ساتھ ہو، تقلید کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ (مترجم)

فصل ہشتم

صلاۃ استسقاء[1] کا بیان

طریقہ نماز استسقاء

صحیح حدیثوں میں ہے کہ آپؐ نے متعدد طریقوں سے استسقاء کیا ہے: ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ پانی کے لئے دعا کی۔

" اللهم اغثنا، اللهم اسقنا، اللهمّ اسقنا. "

"یا اللہ! ہمیں بچا، ہمیں پانی دے، ہمیں پانی دے۔"

دوسری مرتبہ خاص استسقاء کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے، خطبہ دیا، جس میں ہاتھ اٹھا کے نہایت تضرع وزاری کے ساتھ دعا کی، پھر صلاۃ عیدین کی طرح بغیر اقامت واذان کے دو رکعت نماز ادا کی۔ دونوں میں قرأت بآواز بلند کی، پہلی میں فاتحہ کے بعد " سبح اسم ربك الاعلى." دوسری میں "هل اتاك حديث الغاشية." پڑھی۔

تیسری مرتبہ جمعہ کے علاوہ ایک دن منبر پر سے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔

چوتھی مرتبہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے استسقاء کے لئے ہاتھ اٹھا کے دعاء کی۔

---

(۱) پانی برسنے کے لئے نماز اور دعاء۔

فصل نہم

صلاۃ خوف کا بیان

صلاۃ خوف کے قصر کی حکمت

جب خطرہ اور سفر دونوں درپیش ہوں تو نماز کے ارکان اور نماز کی تعداد دونوں میں کمی کرنے کی اجازت ہے۔ اگر صرف سفر ہو تو تعداد میں کمی ہوگی، صرف خطرہ ہو تو ارکان میں۔

رسول اللہ ﷺ کا اسی پر عمل تھا اور اسی سے آیت قصر کے سفر اور خوف سے مقید ہونے کی حکمت معلوم ہوگی۔[1]

(۱) آیت یہ ہے:۔

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ، ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا، ان الکافرین کانوا لکم عدوا مبینا، واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلاۃ فلتقم طائفۃ منھم معك ولیا خذوا اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتات طائفۃ اخری لم یصلوا فلیصلوا معك ولیا خذوا حذرھم واسلحتھم ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم وخذوا حذرکم ان اللہ اعد للکافرین عذابا مھینا. واذا قضیتم الصلاۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم، فاذا اطمانتم فاقیموا الصلاۃ ان الصلاۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا. (النساء: ۱۰۱-۱۰۳)

مسلمانو! جب تم کہیں جاؤ اور ڈرو کہ کفار تمہیں ستائیںگے (لڑینگے) تو کچھ حرج نہیں کہ نماز میں قصر کردو، بیشک کافر تمہارے دشمن ہیں۔ اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں میں موجود ہو اور ان کو نماز، پڑھانے لگو تو مسلمانوں کی ایک جماعت مقتدی بن کر تمہارے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، پھر جب سجدہ کرچکیں تو پیچھے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت جو اب تک شریک نماز نہیں ہوئی، آکر تمہارے ساتھ نماز میں شریک ہو اور ہوشیار رہیں اور اپنے ہتھیار لئے رہیں، کافروں کی تو یہی خوشی ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سازو سامان سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی وہ تم پر ٹوٹ پڑیں، اور اگر تم لوگوں کو مینہ کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں، ہاں اپنی ہوشیاری رکھو، اللہ نے کافروں کیلئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب نماز پوری کرچکو تو کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہو، اور جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز (معمول کے مطابق) کو قائم کرو کیونکہ مومنین پر بقید وقت فرض ہے۔ (مترجم)

ترکیب ادا کی پہلی صورت

صلوۃ الخوف میں اسوہ نبوی ﷺ یہ تھا کہ اگر دشمن قبلہ کی طرف سامنے ہوتا تو آپ کے پیچھے تمام مسلمان صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ سب ساتھ تکبیر کہتے اور رکوع کرتے، لیکن سجدہ صرف اول صف کرتی اور دوسری صف دشمن کی نگرانی کے لئے کھڑی رہتی، یہاں تک کہ آپ سجدہ سے فارغ ہو کر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے اس وقت دوسری صف سجدہ کرتی، پھر اگلی صف اپنی جگہ سے ہٹ جاتی اور یہ پچھلی صف اس کی جگہ پر آجاتی تاکہ یہ رسول اللہ کے ساتھ سجدہ کرنے کی فضیلت حاصل کرے۔ چنانچہ دوسری رکعت میں صرف یہ صف سجدہ میں شریک ہوتی اور اول صف (جو کہ اس رکعت میں پچھلی صف ہے) دشمن کے سامنے کھڑی رہتی، یہاں تک کہ جب آپ تشہد کے لئے جلوس فرماتے تو یہ بھی سجدہ کرتی اور تشہد میں شریک ہو کر سب ساتھ سلام پھیرتے۔

دوسری صورت

لیکن اگر دشمن قبلہ کی سمت نہ ہوتا تو متعدد طریقوں سے نماز ادا کرتے :۔

(۱) کبھی یہ ہوتا کہ مسلمان دو گروہ میں ہو جاتے : ایک گروہ آپ کے ساتھ نیت باندھ کر کھڑا ہوتا اور پہلی رکعت پڑھ کر دوسرے گروہ کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جاتا، اور یہ دوسرا اپنی جگہ سے چل کر دوسری رکعت میں شریک ہو جاتا۔ جب آپ سلام پھیرتے تو دونوں گروہ باری باری ایک ایک رکعت پوری کر لیتے۔

(۲) کبھی یہ ہوتا کہ آپ ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے، پھر اسے چھوڑ کر دوسرے گروہ کی طرف تشریف لے جاتے اور اس کے ساتھ دوسری رکعت شروع کرتے، لیکن اس وقت تک رکوع میں نہ جاتے جب تک اپنی باقی کی رکعت پوری کر کے سلام نہ پھیر لیتا، جب فارغ ہو جاتا تو دوسرے گروہ کے ساتھ رکوع و سجدہ کرتے اور تشہد کے لئے بیٹھ جاتے، مگر جب تک یہ گروہ بھی اپنی چھوٹی ہوئی رکعت پوری نہ کر لیتا، انتظار کرتے، اور پھر اسی کے ساتھ سلام پھیرتے۔

(۳) کبھی ایسا ہوتا کہ چار رکعت نماز شروع کرتے، پہلا گروہ دو رکعتیں ساتھ پڑھتا اور سلام پھیر کر چلا جاتا، پھر دوسرا گروہ آتا اور باقی دو رکعتوں میں شریک ہو کر سلام پھیر دیتا۔

(۴) کبھی یوں ہوتا کہ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھتے اور سلام پھیر کر نماز پوری کر دیتے، پھر دوسرا گروہ آیا اور اس کے ساتھ بھی دو رکعت نماز پڑھتے۔

(۵) کبھی یہ ہوتا کہ دونوں گروہ آپ کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھ کر چلے جاتے اور باقی رکعت پوری نہ کرتے۔

صلاۃالخوف کی یہ تمام صورتیں ثابت ہیں۔ امام احمد کا قول ہے کہ اس باب کی تمام حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے۔

فصل ۱۰

سفر اور نماز قصر کا بیان

اقسام سفر

نبوت کے بعد چار طرح کے سفر کیئے ہیں :۔

(۱) ایک دفعہ ہجرت کے لئے۔ (۲) بارہا جہاد کے لئے۔

(۳) ایک مرتبہ عمرہ کے لئے۔ اور (۴) ایک دفعہ حج کے لئے۔

تیاری سفر

جب سفر پر تشریف لے جانے لگتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا اسے ہمراہ لے جاتے۔ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو تمام ازواج کو ساتھ لے گئے تھے۔ دن کے اول حصہ میں سفر پر روانہ ہوتے اور دعا کرتے کہ خدا امت محمدؐ کے لئے اس کے سفر میں برکت دے! مسافروں کے بارے میں حکم تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو دوران سفر میں سردار بنالیں، تن تنہا سفر کرنے کی ممانعت کی ہے۔

دعائے سفر

اللهم اليك توجهت وبك اعصمت، اللهم اكفني ما اهمني وما لا اهتم به، الله زودني التقوى، واغفرلي ذنبي وجهني للخير اينما توجهت.

الٰہی! تیری ہی طرف میرا قصد ہے، تجھی سے میری مضبوطی ہے، الٰہی! جس کی مجھے فکر ہو اور جس کی نہ ہو، سب سے بچا، الٰہی! توشہ میں تقویٰ دے میرے گناہ معاف کر، اور جدھر بھی میں جاؤں نیکی کے لئے مجھے لے جا۔

سواری پر چڑھنے کی دعاء

جب سواری پیش کی جاتی تو رکاب میں پیر رکھتے ہوئے "بسم الله" کہتے اور جب جم کر بیٹھ جاتے تو فرماتے :۔

"الحمد لله الذی سخرلنا هذا وما کنا له مقرنين وانا الی ربنا لمنقلبون."

"تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہمارے لئے اسے مسخر کر دیا، ورنہ ہم اسے زیر نہ کر سکتے تھے، ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔

نیز فرماتے :۔

"اللهم هون علينا سفرنا واطو عنا بعده، اللهم انت الصاحب فی السفر والخليفة فی الاهل."

"یا اللہ! ہمارا سفر آسان کر دے اور اس کی دوری کم کر دے، یا اللہ! تو ہی سفر میں رفیق اور اہل و عیال کا نگہبان ہے۔"

قصر نماز

سفر میں ہمیشہ چار رکعت والی نمازوں کا قصر کرتے، روانگی سے واپسی تک صرف دو رکعتیں پڑھتے رہتے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں کہ آپؐ نے سفر میں کبھی بھی ایسی نماز بغیر قصر کے پڑھی ہو۔ صحیح بخاری میں ابن عمر کی روایت ہے "رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں نے سفر کیا اور کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز پڑھی ہو۔"

رہا وہ اختلاف جو عائشہؓ سے اس باب میں مروی ہے تو وہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ باطل ہے، کیونکہ ام المومنین کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ رسول اللہؐ اور تمام صحابہ سے اختلاف کریں، خصوصاً جبکہ خود ہی فرماتی ہیں :۔

قصر کی فلاسفی

شروع نماز میں دو ہی رکعت فرض تھیں، لیکن ہجرت کے بعد حضر میں دو رکعتیں زیادہ کر دی گئی اور سفر میں نماز اپنی اصلی حالت پر باقی رہ گئی۔" (متفق علیہ)

ابن عباس کا قول ہے: "اللہ تعالی نے تمہارے نبیؐ کی زبانی تم پر حضر میں چار رکعتیں سفر میں دو رکعتیں اور حالت خوف میں ایک ایک رکعت نماز فرض کی ہے۔" (مسلم)

حضرت عمر کا قول ہے: "صلوۃ سفر دو رکعت، عیدین دودو رکعت، جمعہ دو رکعت، پوری پوری نمازیں بغیر کسی کمی کے تمہارے نبی محمد ﷺ کی زبانی فرض ہوئیں، جو کوئی افتراء کرے اس کے لئے ہلاکت ہے۔" حالانکہ حضرت عمر وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ "یارسول اللہ ﷺ! اب ہم کیوں قصر کرتے ہیں حالانکہ بےخوف ہیں؟" آپ نے جواب دیا "یہ اللہ کا صدقہ ہے اور اس کے دین کی سہولت ہے اسے قبول کرو۔"

جمع صلاتین

جب زوال سے پہلے سفر شروع کرتے اور تیز چلنا ہوتا تو ظہر کو عصر تک مؤخر کردیتے یہاں تک کہ منزل پر اترتے اور دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے۔ لیکن اگر زوال کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر پڑھ کے سوار ہوتے۔

غزوہ تبوک کے سلسلہ میں روایت کیا گیا ہے اگر سفر سے پہلے زوال ہو جاتا تو ظہر وعصر کو جمع کرلیتے، لیکن اگر زوال سے پہلے روانہ ہوتے تو ظہر میں تاخیر کرتے، یہاں تک کہ عصر کے لئے اترتے تو دونوں نمازیں ایک ساتھ ملالیتے، یہی طریقہ مغرب وعشاء میں بھی تھا۔

مسافت سفر

نماز کے قصر اور روزہ کے افطار کے لئے سفر کی مسافت محدود نہیں کی، بلکہ اسے لوگوں کے عرف پر چھوڑ دیا ہے، تمام وہ روایتیں جو مسافت کی تحدید کے متعلق وارد ہوئی ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں۔

حضر میں جمع صلاتین

باقی رہا حضر میں جمع کرنا تو بجز عرفہ کے اور کہیں ثابت نہیں، صرف عرفہ میں آپ نے ظہر وعصر کے مابین جمع تقدیم کی ہے اور یہ اس لئے کہ دعا میں مسلسل کھڑے رہتے تھے جیسا کہ امام شافعی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا ہے۔

مدت سفر

آنحضرت ﷺ تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ آپؐ نے قصر کے لئے سفر کی کوئی مدت معین نہیں فرمائی اور نہ امت کو حکم دیا کہ بیس دن سے زیادہ اقامت ہونے کی صورت میں نماز پوری پڑھی جائے۔ آپؐ کا اتنی مدت قیام محض اتفاقی تھا، سفر بہر حال سفر ہے عام اس سے کہ کہیں قیام زیادہ ہو جائے یا کم، البتہ اگر اقامت کا عزم ہو جائے تو سفر سفر نہیں رہتا۔

صحابہ کے چند واقعات

نافع کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر آذربائیجان میں چھ ماہ مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ حفص بن عبیداللہ کی روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک شام میں دو سال مقیم رہے اور مسافر کی سی نماز پڑھتے رہے۔ حضرت انس کا قول ہے کہ "رامہرمز" میں صحابہ سات مہینے ٹھیرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ حسن کی روایت ہے کہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عمرہ کے ساتھ کابل میں دو سال رہا اور دیکھتا رہا کہ وہ برابر قصر نماز پڑھتے ہیں مگر جمع نہین کرتے ابراہیم کا قول ہے کہ صحابہ ری اور سجستان میں سال سال ذو دو سال رہتے اور قصر کرتے رہے۔

آئمہ اربعہ

یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا اسوہ ہے اور یہی حق ہے آئمہ اربعہ بھی اسی پر متفق ہیں کہ اگر انسان کسی جگہ ٹھیر جائے اور روز خیال کرتا رہے کہ آج جاتا ہوں اور کل جاتا ہوں، تو وہ تمام عمر قصر کرتا رہیگا۔

فصل ۱۱

روزہ کا بیان

مقصود روزہ

روزہ سے مقصود، محبوبات نفس کا اللہ کی محبت اور خوشنودی کے لئے ترک کرنا ہے، گویا روزہ ایک معاہد یا راز ہے جو صرف بندہ اور آقا کے مابین اس طرح ہوتا ہے کہ درمیان میں کوئی محرم نہیں۔

فوائد روزہ

روزہ کے فوائد واثرات عجیب وغریب ہیں، وہ ظاہری وباطنی قوای کو جلا دیتا ہے، فاسد مادے دور کرتا اور ردی اخلاط سے جسم کو پاک کرتا ہے۔ روزہ، قلب اور دیگر تمام اعضاء کو وہ تمام قوتیں واپس دلاتا ہے جو مختلف طریقوں سے صرف ہو جاتی ہیں، روزہ کے ذریعہ انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ فقر وفاقہ کی تلخی کیسی ہوتی ہے، بھوکوں پر ترس آتا ہے، محتاجوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ بناء بریں روزہ کو روحانیات میں ایک بڑا درجہ حاصل ہے، اور تقوی وطہارت حاصل کرنے کا وہ ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

یآ أیھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون. (البقرۃ:۱۸۳)

مسلمانو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

روزہ سپر ہے

حدیث میں ہے **الصومة جنة** (روزہ سپر ہے) رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو جو وسائل کی عدم موجودگی کی وجہ سے شادی نہ کر سکتے، روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور فرماتے روزہ اس خواہش کو دباتا ہے۔

روزہ کی فرضیت

چونکہ محبوبات ولذائذ کا ترک، نفس پر بہت شاق گزرتا ہے اس لئے روزہ دیر میں فرض کیا گیا، سن ۲ ہجری میں اس کی فرضیت نازل ہوئی جبکہ دلوں میں توحید پوری طرح راسخ ہو چکی تھی، نماز کی عادت پڑ گئی تھی، قرآن اور احکام قرآن سے انس پیدا ہو گیا تھا اور مسلمان راہ اللہ تعالی میں بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ روزہ فرض ہونے کے بعد نو سال تک زندہ رہے اور نو رمضانوں کے روزے رکھے۔

اجازت اور معاوضہ

بوڑھوں اور عورتوں کے لئے اجازت ہے کہ اگر وہ روزہ نہ رکھ سکیں تو افطار کریں اور اس کے عوض میں رمضان بھر روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، بیمار اور مسافر کے لئے بھی جائز ہے کہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔

قضاء روزہ

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر روزہ میں اپنے لئے نقصان سمجھیں تو قضا کریں، لیکن اگر خود اپنے لئے خطرہ نہ دیکھیں اور بچے کے لئے مضرات کا اندیشہ ہو تو قضا کے علاوہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں، کیونکہ ان کا روزہ نہ رکھنا بیماری کے خوف سے نہیں ہے کہ قضا کافی ہو بلکہ ان کی مثال تندرست آدمی کی ہے جو روزہ نہیں

رکھتا اور اس پر قضا کے علاوہ مسکین کو کھلانا بھی واجب ہے۔(۱)

ہلال عید اور افطار

جب دو شاہد آکر ہلال عید کے دیکھنے کی شہادت دے دیتے تو اگر نماز کا وقت گزر چکا

(۱) حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے متعلق ابن قیم کا یہ قول غیر واضح ہے، عام مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کا شمار بھی ان لوگوں میں ہے جن کے لئے روزہ کا قضا کرنا نہیں بلکہ صرف فدیہ (کھانا کھلانا) دینا کافی ہے، کیونکہ حمل ورضاعت کا سلسلہ تو سال بھر تک برابر جاری رہیگا۔ اور عورت کو قضا کی مہلت ہی کہاں ملے گی؟ قرآن سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے روزہ نہ رکھنے کی صرف دو قسم کے لوگوں کو اجازت دی ہے، ایک تو مریض ومسافر ہیں جو قضا کریں گے، فدیہ نہ دیں گے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے لے روزہ رکھنا بہت دشوار ہے، ان کے لئے صرف فدیہ ہے قضا نہیں۔ قرآن میں ہے:۔

فمن كان منكم مريضا او على سفر فعدة من ايام اخر، وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين. (البقرة: ١٨٤)

جو تم میں بیمار ہو یا مسافر، سو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے، اور جو لوگ سخت مشقت سے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔

حامل ومرضع عورتیں بھی اسی گروہ میں داخل ہیں، جیسا کہ امام احمد واصحاب السنن نے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی نے حامل ومرضع پر روزہ کا بار نہیں رکھا۔" نیز اسی جماعت میں بوڑھے اور سدا بیمار بھی داخل ہیں، کیونکہ انہیں قضا کا وقت کبھی نہیں مل سکتا۔ (شیخ عبدہؒ کے نزدیک ان مزدوروں کا بھی یہی حکم ہے جن کا پیشہ سخت محنت کے کام کرنا ہے، مثل کان کنی وغیرہ، آیت کا مفہوم اس کا محتمل ہے، لیکن اس میں وہ عیش پسند کسی طرح بھی داخل نہیں ہو سکتے جو اپنی تنعم کی زندگی کی وجہ سے روزہ کی تکلیف برداشت کرنے کے نااہل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے تو روزہ اور بھی زیادہ ضروری ہے، کیونکہ ان کی اس کمزوری کا علاج اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ پابندی سے روزے رکھیں۔ قرآن میں احکام روزہ کے متعلق ایک جامع آیت یہ بھی ہے۔

احل لكم ليلة الصيام الرفث الى نسائكم، هن لباس لكم وانتم لباس لهن علم الله انكم كنتم تختانون انفسكم فتاب عليكم وعفا عنكم، فالئن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر، ثم أتموا الصيام الى الليل. (البقرة: ١٨٧)

روزہ کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا جائز ہے، وہ تمہارے لئے پردہ ہیں اور تم ان کے لئے اللہ تعالی نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے، پس معاف کر دیا تمہیں، اب ملا کرو ان سے اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی کا تار رات کی تاریکی میں

ہوتا تو فوراً روزہ افطار کردیتے اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھتے، روزہ کے افطار کرنے میں سنت یہ تھی کہ جلدی کرتے، عموماً تر کھجور سے کھولتے، اگر موجود نہ ہوتیں تو خشک سے، ورنہ پانی کے چند گھونٹوں سے۔ افطار کرتے وقت یہ دعاء پڑھتے :۔

"اللھم لك صمت وعلی رزقك افطرت."

"اللہ جل جلالہ! تیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر میں نے افطار کیا۔

بعض حدیثوں میں ہے کہ اس وقت فرماتے :۔

ذھب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللہ. (ابو داؤد)

"پیاس چلی گئی، رگ پٹھے تر ہو گئے اور ثواب ان شاء اللہ قائم ہو گیا۔"

سفر میں اجازت

ایک مرتبہ رمضان میں سفر پیش آگیا تو روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا، صحابہ کو بھی اجازت دیدی تھی کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے، افطار کرے۔

جنگ میں روزہ

لیکن جب کبھی دشمن کا سامنا درپیش ہوتا تو افطار کرنیکا حتمی حکم دیدیتے تاکہ چستی و تازگی سے مقابلہ کر سکیں۔

حضرت عمر کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہم رمضان میں دو مرتبہ جنگ پر گئے اور دونوں مرتبہ افطار کیا، پہلا موقع بدر کا تھا اور دوسرا فتح مکہ کا۔

سفر کو کسی خاص مسافت کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ ہر اس سفر میں روزہ افطار کرنا جائز ہے جو عرف عام میں سفر کہلاتا ہو، تعین مسافت کے بارے میں ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔(۱)

(۱) قرآن میں ہے "او علی سفر" (یا سفر پر ہو) علی الاطلاق "سفر" فرمایا ہے، یہ نہیں کہا کہ اتنے میل مسافت ہو اور اتنے میل، ہر شخص سمجھتا ہے سفر کسے کہتے ہیں، کتب فقہ میں سفر کی جتنی تحدیدیں بیان کی گئی ہیں سب فقہاء کے اقوال واجتہادات میں، شریعت کے احکام نہیں۔ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع میں اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرفات میں نماز قصر کرتے تھے، حالانکہ مسافت بہت کم تھی، اتنی کم کہ اس مسافت کا دسواں حصہ بھی نہ تھی جو کتب فقہ میں بتائی گئی ہے اور جس پر اب تک خود فقہاء بھی باہم متفق نہیں۔ (ابو زید)

اسوہ صحابہؓ

صحابہؓ جس وقت سے سفر شروع کرتے، روزہ افطار کردیتے اور کہتے یہی سنت نبوی ﷺ ہے جیسا کہ عبید بن جبیرؓ کی حدیث میں موجود ہے (ابوداؤد و احمدؒ اور جیسا کہ محمد بن کعبؓ کی روایت میں ہے۔) میں رمضان میں حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ سفر کے لئے بالکل تیار تھے، جب سواری آگئی اور کپڑے پہن چکے تو کھانا مانگا اور روزہ افطار کرکے کھایا، میں نے پوچھا یہ سنت ہے؟ فرمانے لگے "ہاں، یہی سنت ہے۔" (ترمذی)

مقاربت اور روزہ

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ شب میں مقاربت فرماتے، صبح ہوتی تو غسل کرلیتے تھے۔ اور بدستور روزہ رکھتے روزہ کی حالت میں کبھی ازواج کا بوسہ بھی لے لیتے تھے۔

روزہ میں مسواک

روزہ میں مسواک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے البتہ بہت زیادہ استنشاق (ناک میں پانی لینا) سے منع فرمایا ہے۔ فصد کھلوانا ثابت نہیں، لیکن سرمہ لگانا مروی ہے۔

بھولے سے کھا پی لینا

اگر کوئی بھولے سے کھا پی لیتا تو اسے نہ روزہ افطار کرنے کا حکم دیتے اور نہ قضا کرنے کا، بلکہ بھول چوک کو معاف کردیا ہے۔ رمضان میں تمام اوقات سے زیادہ نیکی کے کام کرتے، قرآن کی تلاوت و مزاولت بھی اور تمام مہینوں سے زیادہ ہوتی تھی۔

نفلی روزہ

نفلی روزے کبھی اس طرح مسلسل رکھنے لگتے کہ خیال ہوتا اب نہیں چھوڑیں گے، اور کبھی چھوڑ دیتے تو معلوم ہوتا اب نہ رکھیں گے۔ رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے کبھی نہ رکھتے، تاہم ہر مہینہ میں چند روزے ضرور ہی رکھتے، اس کیلئے عموماً دوشنبہ اور پنجشنبہ کو منتخب کرتے تھے۔ بعض لوگ رجب، شعبان اور رمضان کے روزے لگاتار رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سنت ہے، حالانکہ سنت نہیں۔ رجب کے روزے آپ ﷺ نے کبھی

نہیں رکھے، نہ پسند فرمائے بلکہ ان سے منع کیا ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں مذکور ہے۔

یوم عاشورا

صحیحین میں ہے کہ جب مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو یوم عاشورا کا روزہ رکھتے دیکھا تو وجہ دریافت کی، انہوں نے کہا یہ ایک متبرک دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی دن موسیٰ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دی اور فرعون کو غرق کیا تھا، موسیٰ بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور ہم بھی رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا "تو ہم تم سے زیادہ موسیٰؑ کے حقدار ہیں۔" چنانچہ عاشورا کا روزہ خود بھی رکھا اور صحابہؓ کو بھی اس کا حکم دیا صحیحین میں ہے کہ عرفات میں نہ خود آپ ﷺ نے روزہ رکھا اور نہ صحابہؓ کو رکھنے کا حکم دیا۔

معمول نبوی ﷺ

اکثر یہ ہوتا کہ گھر تشریف لاتے اور پوچھتے "کچھ کھانے کو ہے؟" اگر جواب ملتا "نہیں" تو فرماتے "میں روزہ رکھے لیتا ہوں۔" کبھی نفل روزہ کی نیت کر لیتے، پھر کچھ سو اور افطار کر ڈالتے اس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی دو حدیثوں میں موجود ہے ایک حدیث مسلم نے روایت کی ہے دوسری نسائی نے۔

اعتکاف رمضان

آپ ﷺ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے، ایک سال موقع نہ ملا تو شوال میں کیا۔ اعتکاف کے لئے مسجد میں چھوٹا سا خیمہ لگا دیا جاتا تھا اور تنہائی میں رب العزت کے حضور بیٹھے رہتے تھے۔ ہر سال دس دن اعتکاف ہوتا تھا مگر وصال کے برس بیس دن کیا، اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ سالانہ ایک مرتبہ قرآن کا مذاکرہ ہوتا تھا مگر اس سال دو مرتبہ ہوا۔

آداب اعتکاف

اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نہ نکلتے، حتیٰ کہ گھر بھی بلا خاص ضرورت کے نہ

جاتے، لیکن یہ برابر ہوتا کہ سر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں کر دیتے، وہ باوجود ایام سے ہونے کے اسے دھو دیتیں اور بالوں میں کنگھی کر دیتیں۔ ازواج میں سے بعض خیمہ میں بھی آتی تھیں مگر بجز بات چیت کے ان سے اور کوئی سروکار نہ رکھتے واپسی پر ان کی مشایعت بھی کرتے تھے۔

فصل ۱۲

حج(۱) و عمرہ(۲) کا بیان

آپ ﷺ کے عمرے

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کل چار عمرے کئے جو سب کے سب علاوہ عمرہ حج کے ماہ ذی القعدہ میں واقع ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے جتنے عمرے کئے سب مکہ میں داخل ہوتے ہوئے کئے، یہ ثابت نہیں کہ مکہ میں ہوں اور عمرہ کرنے کے لئے باہر گئے ہوں، جیسا کہ آجکل لوگ کرتے ہیں کہ حرم سے باہر چلے جاتے ہیں اور عمرہ کی نیت کر کے مکہ میں آتے ہیں۔

حج کب فرض ہوا؟

ہجرت کے بعد صرف سنہ ۱۰ ہجری میں ایک مرتبہ حج کیا کیونکہ سن ۹ ہجری

(۱) حج کی تین صورتیں ہیں: قران، تمتع، افراد۔ "قران" وہ ہے جس میں حج و عمرہ کی ایک ساتھ نیت کی جاتی ہے اور حاجی کو اس وقت تک احرام باندھے رہنا پڑتا ہے جب تک تمام اعمال حج ادا نہ ہو جائیں۔ "تمتع" وہ ہے جسمیں میقات سے صرف عمرہ کی نیت کی جاتی ہے، مکے میں آکر ارکان عمرہ ادا کئے جاتے ہیں اور احرام اتار دیا جاتا ہے، پھر ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حج کیلئے از سر نو احرام باندھا جاتا ہے۔ "افراد" وہ ہے جسمیں صرف حج کی نیت کی جاتی ہے، پھر حج کے بعد عمرہ کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

(۲) عمرہ کے ارکان تین ہیں: طواف کعبہ، سعی مابین صفا و مروہ، سر منڈانا یا قصر کرنا (بال چھوٹے کرانا) عمرہ کی نیت کرنے والا جب مکہ میں آکر ان تینوں اعمال سے فارغ جائے تو حج کی پابندیوں سے آزاد ہو کر مکہ میں اس طرح رہتا سہتا ہے جس طرح عام باشندے رہتے ہیں، یعنی اس کے لئے خوشبو

سے پہلے حج فرض ہی نہ ہوا تھا۔ بلا شبہ آیت :۔

واتموا الحج والعمرة لله. (البقرة:۱۹۶)

"حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔"

سن ۶ھ ہجری میں نازل ہوئی، لیکن جیسا کہ صاف ظاہر ہے، اس سے فرضیت حج ثابت نہیں ہوتی، اس میں صرف اس قدر فرمایا ہے کہ جب حج اور عمرہ کی نیت کر لو تو اسے پورا کرو۔

حج کے آداب

جب حج کا عزم کیا تو اس کا عام اعلان کر دیا، روانگی کے دن خطبہ دیا اور احرام اور اس کے احکام تفصیل سے بیان فرمائے، ظہر کی نماز اپنی مسجد میں باجماعت پڑھی، پھر اندر تشریف لے گئے، تیل ڈالا، کنگھی کی، تہبند باندھی، چادر اوڑھی اور ۶ ذیقعدہ کو عصر سے پہلے پہلے روانہ ہو گئے۔ پہلی منزل مقام "ذوالحلیفہ" میں ہوئی، نماز عصر کو قصر کیا، رات بھر یہیں رہے، ایک ایک کر کے تمام ازواج کے ہاں گئے، پھر غسل کیا، خوشبو لگائی، ازار رداء کا احرام باندھا، ظہر کی نماز میں بھی قصر کیا اور مصلی پر سے ہی حج اور عمرہ کے لئے باآواز بلند تلبیہ کیا۔ (یہ منقول نہیں کہ نماز ظہر کے علاوہ خاص احرام کیلئے کوئی نماز پڑھی ہو) جو اس طرح ثابت ہے :۔

لبيك اللهم لبيك لا شريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك.

یا اللہ! میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں' میں حاضر ہوں، ہر طرح کی ستائش اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں، حکومت بھی تیری ہی ہے، تیرا کوئی ساجھی نہیں ہے۔

یہ پورا سفر سواری کی پیٹھ پر طے کیا تھا نہ کہ کجاوہ اور ہودج وغیرہ میں بیٹھ کے جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ کرتے ہیں۔

حائض کا احرام

ذوالحلیفہ میں حضرت ابو بکر کے ہاں محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے، ان کی ماں کا نام اسماء تھا، ولادت کے بعد آپ نے حکم دیا کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں۔ اس سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ حائض غسل کر کے احرام باندھ سکتی ہے۔

غیر محرم کا شکار

ذوالحلیفہ سے تلبیہ کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ مقام روحاء میں پہنچ گئے یہاں ایک شخص نے جو احرام باندھے ہوئے نہیں تھا گورخر کا گوشت تحفۃً پیش کیا، آپ نے قبول فرمالیا اور ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ محرم کے لئے غیر محرم کا شکار کھانا جائز ہے بشرطیکہ خاص اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔

حائضہ اور مناسک حج

مقام سرف میں پہنچے تو حضرت عائشہؓ کو ایام شروع ہو گئے، آپ نے فرمایا "وہ سب کرتی رہو جو حاجی کرتے ہیں صرف طواف نہ کرنا۔"

تفریق عمرہ و حج

مکہ پہنچے تو حکم دیا، جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں، صرف عمرہ پر اکتفا کریں طواف نہ کریں، صفا و مروہ کے مابین سعی کریں اور احرام اتار دیں۔ اس پر سراقہ بن مالک نے دریافت کیا: "یہ حکم صرف اسی سال کے لئے ہے یا کہ ہمیشہ کے لئے فرمایا ہمیشہ کے لئے ہے۔" اس واقعہ اور حکم کو چودہ صحابیوں نے روایت کیا ہے جن کی احادیث نہایت صحیح ہیں، انہیں میں سے ایک حدیث ہے کہ فرمایا: "اگر میرے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہ ہوتے تو تمہاری طرح میں بھی احرام اتار دیتا، مگر اب قربانی کے وقت تک یہ نہیں ہو سکتا:" صحابہ نے اس حکم پر عمل بھی کیا یہاں تک کہ یوم الترویہ (۸ ذی الحجہ) آیا تو حج کی نیت باندھی۔

طواف کے آداب

مکہ میں داخل ہونے کے بعد جوں ہی خانہ کعبہ پر نظر پڑی، جوش سے فرمانے لگے:

اللهم زد هذا البيت تشريفا و تعظيما و تكريما و مهابة (طبرانی).

اے اللہ تعالیٰ! اس گھر کی بزرگی، عزت، حرمت، عظمت اور زیادہ کردے۔

مسجد میں آئے تو سیدھے کعبہ کی طرف بڑھے (اور تحیۃ المسجد ادا نہ کی کیونکہ مسجد الحرام کی تحیۃ طواف ہے) حجر اسود کے مقابل ہوئے تو اسے چھوا مگر اس کے لئے نہ کشمکش کی، نہ پورے جسم سے اس کے محاذ میں کھڑے ہوئے نہ رکن یمانی کی طرف رخ کیا، نہ ہاتھ اٹھائے، نہ طواف کے لئے کوئی خاص نیت زبان سے کچھ کہہ کے کی اور نہ نماز کی طرح طواف کو تکبیر سے شروع کیا جیسا کہ جاہل کیا کرتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ کیا کہ حجر اسود کی طرف کچھ یوں ہی سارخ کیا، اسے چھوا اور اپنے داہنی طرف سے طواف شروع کر دیا۔ کعبہ بائیں جانب تھا، رکنین (حجر اسود اور رکن یمانی) کے مابین پہنچے۔ تو فرمایا:-

ربنا اتنا في الدنيا حسنة و في الاخرة حسنة و قنا عذاب النار (البقره: ۲۰۱)

اے پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔

طواف کا طریقہ

طواف کے پہلے تین چکروں میں اس طرح چلے کہ رفتار تیز تھی اور جسم جھومتا تھا باقی میں جھومنا موقوف کر دیا۔ مگر چھوٹے چھوٹے ڈگوں میں تیز چلتے رہے۔ چادر اس طرح اوڑھے ہوئے تھے کہ ایک سرا بغل نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈال لیا تھا، جس سے ایک ہاتھ اور شانہ کھل گیا تھا، طواف کرتے ہوئے جب حجر اسود کے سامنے آتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہاتھ میں خمیدہ سر لکڑی تھی جس سے اسے مس کرتے اور پھر اس

لکڑی کا بوسہ لیکر آگے روانہ ہو جاتے۔ خود حجر اسود کا بوسہ لینا اور ہاتھ سے مس کرنا بھی ثابت ہے۔ رکن یمانی بھی چھوتے تھے مگر اس کا بوسہ نہ لیتے۔ طبرانی میں ہے کہ جب رکن یمانی کو چھوتے تو فرماتے بسم اللہ و اللہ اکبر اور جب اسود کے سامنے آتے تو کہتے اللہ اکبر۔

مقام ابراہیم

طواف کعبہ سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت پڑھی :

واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى (البقرة : ١٢٥).

مقام ابراہیم میں نماز پڑھو۔

پھر دو رکعت نماز ادا کی جس میں فاتحہ کے بعد قل هو الله احد اور قل اعوذ برب الناس پڑھی۔

سعی اور صفا اور مروہ

پھر کوہ صفا کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو آیت :

ان الصفا و المروة من شعائر الله (البقرة : ١٥٨)

صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔

پڑھ کے فرمایا جس سے اللہ تعالی نے ابتدا کی ہے، اسی سے میں بھی ابتدا کرتا ہوں۔ چنانچہ صفا پر چڑھ گئے۔ جب کعبہ نظر آیا تو کہا :

لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد و هو على كل شئى قدير، لا اله الا الله وحده، انجز وعده و نصر عبده و هزم الاحزاب وحده.

اللہ واحد کے سوا کوئی اللہ تعالی نہیں، اسی کی عملداری ہے، اسی کے لئے ستائش ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، اللہ واحد کے سوا کوئی اللہ تعالی نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا

کیا، اپنے بندے کو فتح یاب کیا اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔

پھر سعی کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلے۔

ابن عباس کی روایت میں ہے کہ جب لوگوں نے بہت ہجوم کیا تو پیدل چلنے کے بجائے سوار ہو گئے مروہ پر بھی چڑھے اور جب کعبہ دکھائی دیا تو تکبیر و تحلیل کی پھر صفا کی طرف لوٹے یہاں تک کہ سعی کے سات دور پورے ہو گئے۔ لیکن طواف کے بر خلاف اس میں جھومے نہیں۔

عمرہ کے ارکان کی تکمیل

سعی کے بعد ان تمام لوگوں کی جن کے ہمراہ قربانی کے جانور نہ تھے۔ پھر ہدایت کی کہ اب احرام اتار دیں، کیونکہ عمرہ کے ارکان پورے ہو گئے، خود اپنی نسبت فرمایا اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو جانور ہرگز نہ لاتا، عمرہ کے بعد احرام اتار دیتا اور وقت پر جانور خرید لیتا۔

روانگی منی

مکہ میں جب تک مقیم رہے، نماز برابر جائے قیام پر پڑھتے رہے اور قصر کرتے رہے، پنج شنبہ کو تمام ہمراہیوں کے ساتھ منی کو روانہ ہوئے، راستہ میں ان لوگوں نے حج کا احرام پہن لیا جنھوں نے عمرہ کے بعد اتار دیا تھا۔ منی پہنچ کر ظہر و عصر کو جمع کیا اور جمعہ کی رات وہیں بسر کی جب صبح ہوئی اور آفتاب طلوع ہو گیا تو عرفات کو روانہ ہوئے۔ صحابہ میں سے بعض تلبیہ کرتے تھے اور بعض تکبیر، آپ دونوں کو سنتے تھے مگر کچھ نہ کہتے تھے۔

میدان عرفات

جب عرفات میں پہنچے تو ناقہ پر بیٹھے بیٹھے ایک عظم الشان خطبہ[1] دیا اور کھڑے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا۔ بلال سے اذان دلائی اور نماز قصر کر کے دو رکعت ادا کی جس میں قرأت آہستہ کی حالانکہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کیلئے جمعہ

(۱) حجۃ الوداع میں آنحضرت نے متعدد خطبے دیئے جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم خطبہ بروایت ابن اسحق حسب ذیل ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں ہے۔ ظہر کے بعد عصر کے لئے اقامت کہی گئی اور یہ نماز بھی قصر کر کے صرف دو رکعت پڑھی۔ اہل مکہ بھی ساتھ تھے اور مقتدی تھے انہوں نے بھی قصر، وجمع کیا،

(بقیہ پچھلا صفحہ)

"ایها الناس اسمعوا قولی فانی لا ادری لعلی لاالقاکم بعد عامی بهذا الموقف ابدا۔ ایها الناس ان دمائکم واموالکم علیکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا وکحرمة شهرکم هذا وانکم ستلقون ربکم فیسالکم عن اعمالکم وقد بلغت، فمن کانت عنده امانة فلیؤدها الی من ائتمنه علیها، وان کل ربا موضوع ولکن لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولاتظلمون قضی الله انه لاربا وان ربا عباس بن عبدالمطلب موضوع کله. وان کل دم کان فی الجاهلیة موضوع وان اول دمائکم اضع دم ابن ربیعة الحارث بن عبدالمطلب (و کان مسترضعا فی بنی لیث فقتله هزیل) فهو اول ما ابدء به من دماء الجاهلیة. اما بعد ایها الناس فان الشیطان قد یئس ان یعبد بارضکم هذه ابدا ولکنه ان یطع فیما سوی ذلك فقد رضی به مما تحقرون من اعمالکم فاحذروه علی دینکم...... ایها الناس ان لکم علی نسائکم حقا ولهن علیکم حقا علیهن ان لا یوطین فرشکم احدا تکرهونه وعلیهن ان لا یاتین بفاحشة مبینة، فان فعلن فان الله قد اذن لکم ان تهجروهن فی المضاجع وتضربوهن ضربا غیر مبرح فان انتهین فلهن رزقهن وکسوتهن بالمعروف واستوصوا بالنساء خیرا فانهن عندکم عوان لایملکن لانفسهن شیئا انکم انما اخذتموهن بامانة الله واستحللتم فروجهن بکلمات الله فاعقلوا ایها الناس قولی فانی قد بلغت وقد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا: کتب الله وسنة نبیه "ایها الناس اسمعوا قولی واعقلوه تعلمن ان کل مسلم اخ کل للمسلم وان المسلمین اخوة فلا یحل لامری من اخیه الا ما اعطاه عن طیب نفس منه فلا تظلمن انفسکم، اللهم هل بلغت الناس قالوا نعم، فقال رسول اللهﷺ اللهم اشهد"

"لوگو! میری بات سنو کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ لوگو! تم پر تمہارا خون اور تمہارا امال (قتل اور غصب) قیامت تک کے لئے اسی طرح حرام ہے، جس طرح آج کے دن اور اس مہینہ میں خون بہانا حرام ہے، تم عنقریب اپنے پروردگار کے سامنے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس کریگا۔ میں نے تمہیں بتادیا ہے۔ پس جس کسی کے پاس امان ہو، اس کے مالک تک پہنچادے، ہر قسم کا سود باطل ہے، تم اپنا اصلی مال لے لو، سود چھوڑ دو، اس طرح نہ تم پر ظلم ہوگا اور نہ تم دوسروں پر ظلم کروگے، اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ سود جائز نہیں ہے عباس بن عبد المطلب کا پورا سود چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام خون چھوڑے جاتے ہیں اور سب سے پہلا خون جو چھوڑتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب (آپ کے بھتیجے) کا خون ہے، جاہلیت کے خونوں میں اسی خون سے ابتدا کرتا ہوں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آپ ﷺ نے انہیں نہ تو پوری نماز پڑھنے کا حکم دیا، اور نہ جمع کرنے سے روکا۔ بعض لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور روایت پیش کرتے ہیں کہ آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ "تم اپنی نماز پوری کرلو، ہم تو مسافر ہیں" حالانکہ یہ سخت غلطی اور شدید جہالت کی بات ہے، کیونکہ یہ حدیث اس موقع کی نہیں بلکہ فتح مکہ کے موقع کی ہے۔

جائے وقوف

نماز کے بعد پھر اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لائے اور دامن کوہ میں کھڑے ہو کر

(بقیہ پچھلا صفحہ) لوگو! شیطان مایوس ہوگیا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا کی جائے، لیکن اپنی جن باتوں کو تم معمولی سمجھتے ہو، اگر انہیں میں اس کی اطاعت کی جائے تو بھی وہ خوش رہیگا، پس اس کے مکر سے بچو، لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارا کچھ حق ہے اور عورتوں کا تم پر کچھ حق ہے۔ تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے ناموس کی حفاظت کریں اور ایسے لوگوں کو گھر میں نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو، نیز کوئی کھلی ہوئی برائی نہ کریں، اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے اجازت ہے کہ انہیں رات کو الگ پڑا رہنے دو اور مارو بھی مگر بہت سختی سے نہیں۔ اور جب باز آجائیں تو ان کا حق یہ ہے کہ اچھی طرح انہیں کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ اڑھاؤ۔ عورتوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرو، وہ تمہارے ہاتھ میں بے بس ہیں، تم نے اللہ کی ضمانت پر انہیں لیا ہے اور اللہ کے نام پر جائز کیا ہے، اے لوگو! میری بات خوب سمجھ لو، میں نے اچھی طرح جتادیا ہے۔ میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے لئے رہو گے تو گمراہ نہ ہوگے یعنی: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ۔ لوگو! میری بات سنو اور خوب سمجھ لو، جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں، پس مسلمان کے لئے صرف وہی حلال ہے جو اس کے بھائی نے برضا ورغبت دیدیا ہے، ایک دوسرے پر زیادتی مت کرو، کیا میں نے جتادیا؟" سب نے کہا، ہاں جتادیا! اس پر فرمایا یااللہ! گواہ رہیو!

ایک اور روایت میں ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف عرفات میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے تھے۔ آپ ان سے فرماتے کہ پکار کر کہو "لوگو! رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ جانتے ہو نہ کونسا مہینہ ہے؟ وہ پکارتے۔ لوگ جواب دیتے "یہ حرام کا مہینہ ہے۔" آپ فرماتے کہو "اللہ تعالی نے قیامت تک کے لئے تم پر تمہاری جان اور مال کو اسی طرح حرام کردیا ہے، جس طرح تمہارے اس مہینہ کی حرمت ہے۔"! پھر فرماتے کہو لوگو! رسول اللہؐ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کونسا مقام ہے؟" لوگ جواب دیتے "یہ بلد الحرام ہے" آپ فرماتے اللہ تعالی نے قیامت تک کے لئے تمہاری جان اور مال کو اسی طرح حرام کردیا ہے جس طرح تمہارے اس مقام کی حرمت ہے!" پھر فرماتے کہو "لوگو! جانتے ہو یہ کونسا دن ہے؟" لوگ جواب دیتے "یوم الحج الاکبر" فرماتے "اللہ تعالی نے قیامت تک کے لئے تمہاری جان اور مال کو اسی طرح حرام کردیا ہے جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے!"

مسلمان جواب دیں کیا اپنے نبی کی وصیتوں پر عمل کررہے ہیں؟ (مترجم)

تضرع وزاری میں مصروف ہوگئے۔ لوگوں کو یہ بتادیا کہ آپ کے اس مقام پر کھڑے ہونے سے یہ نہ سمجھ لیں کہ وقوف کی جگہ صرف یہی ہے، بلکہ فرمایا عرفات کی پوری پہاڑی پر وقوف کیا جاسکتا ہے۔ آپ دعا اس طرح مانگ رہے تھے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھے ہوئے تھے گویا مسکین کچھ مانگ رہا ہے۔ (دعا یہ تھی :۔

"اللهم لك الحمد كالذى نقول وخيرا مما نقول، اللهم لك صلاتي ونسكي ومحياى ومماتي واليك مآ بي ولك تراثي، اللهم اني اعوذبك من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشتات الامر، اللهم اني اعوذبك من شرما تجئى به الريح " (ترمذی)

"یااللہ! تیری وہ ستائش ہے جو ہم کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہے جو ہم کہتے ہیں۔ یااللہ! میری نماز میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا سب کچھ تیرے ہی لئے ہے تیری ہی طرف میرا لوٹنا ہے اور تو ہی میرا وارث ہے یااللہ! ہر قسم کے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔"

دین اسلام کی تکمیل

اسی میدان عرفات میں یہ آیت نازل ہوئی۔

"اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا " (المائدة:۳) (۱)

"آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم کو دیدی اور دین اسلام تمہارے لئے پسند فرمایا۔"

ایک حاجی کی کفن دفن

اسی موقع پر ایک حاجی سواری پر سے گر کے مر گیا تو حکم دیا کہ بیر کے پتے اور پانی

---

(۱) اسی آیت کا نزول دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے مشن کی تکمیل کی نشانی متصور ہوئی اور یہی آیت آپ کی وفات کا پتہ دیتی ہے۔ (ناشر)

میں نہلایا جائے اور احرام کے دونوں کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائے، خوشبو نہ لگائی جائے، سر اور چہرہ بھی نہ ڈھکا جائے۔

عرفات سے روانگی

جب آفتاب پوری طرح غروب ہو گیا تو عرفات سے روانہ ہوئے۔ پیچھے اسامہ بن زید سوار تھے۔ آپ لوگوں کو دوڑتے دیکھ کر فرماتے تھے "لوگو! وقار سے چلو، نیکی کچھ دوڑنے میں نہیں ہے۔" درمیانی رفتار سے مسلسل تلبیہ کرتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچے۔

مزدلفہ میں قیام

یہاں فوراً وضو کیا، بلال کو اذان دینے کا حکم دیا اور اقامت کے بعد بغیر اسباب اتارے مغرب پڑھی۔ پھر توقف کیا یہاں تک کہ جب لوگ اتر چکے تو عشاء کے لئے صرف اقامت کہلوائی اور نماز پڑھی۔ دونوں نمازوں کے مابین کوئی سنت نہیں پڑھی۔ رات یہیں بسر کی اور اچھی طرح سوئے، اس شب میں نہ خود بیدار رہے اور نہ دوسروں کو بیدار رہنے دیا۔ کمزور عورتوں اور بچوں کو طلوع سے پہلے ہی منیٰ روانہ کر دیا مگر تاکید کر دی کہ دن نکلنے سے پہلے کنکریاں نہ پھینکیں (ترمذی وغیرہ)

مشعر الحرام

نماز فجر ادا کر کے خود بھی سوار ہو گئے مشعر الحرام میں آئے اور قبلہ رو ہو کے دعا وانابت میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ روشنی پھیل گئی۔ پھر فضل بن عباس کو پیچھے بٹھا کر تلبیہ کرتے ہوئے آگے بڑھے، یہیں راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کو حکم دیا کہ رمی الجمار کے لئے سات کنکریاں چن دیں، جنہیں مٹھی میں لیکر پھونکتے اور لوگوں سے فرماتے تھے: ایسی ہی کنکریاں پھینکو، دین میں غلو مت کرو کیونکہ اسی غلو فی الدین نے اگلی قوموں کو ہلاک کر ڈالا۔

باپ کی طرف سے حج

اسی راستہ میں بنی خثعم کی ایک حسین عورت نے حاضر ہو کر اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق دریافت کیا جو اسقدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ سواری پر بھی بیٹھ نہ سکتا تھا، آپ نے جواب دیا کہ تو اس کی طرف سے حج کر سکتی ہے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر فضلؓ بن عباس جو خود بھی حسین تھے اسے گھور رہے تھے اور اس کی نگاہیں ان کی طرف تھیں، آپ نے دونوجوانوں کی یہ حالت محسوس کی تو فضل کے چہرہ پر ہاتھ رکھ کر آڑ کر دی(۱)!

وادی محسر

جب وادی محسر میں پہنچے تو اونٹنی کی رفتار تیز کر دی، آپؐ کا طریقہ یہی تھا کہ جب ان مقامات میں پہنچتے جہاں قوموں پر عذاب نازل ہوا ہے تو تیزی سے نکل جاتے نہ یہ وادی وہی ہے جس میں اصحاف فیل ہلاک کئے گئے تھے۔

رمی الجمار

منی پہنچے تو زوال کے بعد جمرۃ العقبہ کے پاس تشریف لائے، اسفل وادی میں سواری پر کھڑے ہوئے اور قبلہ رو ہو کے یکے بعد دیگرے سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے، اب تلبیہ موقوف کر دیا تھا۔ اسامہ اور بلال ساتھ تھے، ایک اونٹنی کی مہار تھامے تھا اور دوسرا دھوپ سے بچانے کیلئے کپڑا تانے تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ محرم کے لئے دھوپ سے بچنا جائز ہے۔

قیام گاہ میں خطبہ

رمی الجمار کے بعد قیامگاہ پر لوٹ آئے اور ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں یوم النحر کی حرمت و عظمت اور سرزمین مکہ کی تمام سرزمینوں پر فضیلت بیان کی اور فرمایا جو کوئی کتاب اللہ

۱۔ یہ اخلاق نبویؐ تھا، اگر ہمارے ہاں کے یہ متقشف ملاں ہوتے تو کیا قیامت برپا نہ کر دیتے۔ (مترجم)

کے ساتھ تمہاری رہنمائی کریگا اس کی اطاعت کرو اور مناسک حج اس سے سیکھو۔ مسلمانوں کو وصیت کی کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ اور فرمایا:۔

"ظالم خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے، لوگو! اپنے اللہ کی عبادت کرو، اپنی پانچوں نمازیں پڑھا کرو، اپنے رمضان کے روزے رکھو، جو تمہیں حکم دیا جائے اس کی اطاعت کرو، اور ان سب کے عوض اپنے اللہ سے جنت لے لو۔"

حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ

اسی موقع پر لوگوں سے رخصت ہوئے اور الوداع کہی جس کی مناسب سے اس حج کا نام ہی حجۃ الوداع پڑ گیا۔

قربان گاہ

پھر قربان گاہ تشریف لے گئے اور عمر شریف کے حساب سے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح کیے، کل سو اونٹ اپنے ہمراہ لائے تھے، باقی کے ذبح کرنے کا حضرت علی کو حکم دے دیا اور کہا قربانی کا گوشت اور کھال سب کچھ مسکینوں کو خیرات کردو، قصاب کو اس میں سے بطور اجرت کچھ نہ دینا، اس کی مزدوری ہم اپنے پاس سے دینگے۔

گائے اور اونٹ کی قربانی

صحیحین میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ عام حدیبیہ میں ہم نے ایک اونٹ ساتھ آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا تھا اسی طرح ایک گائے میں بھی سات سات آدمی شریک ہوئے تھے۔ حضرت جابر کی روایت ہے حجۃ الوداع میں ایک اونٹ دس آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا تھا۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کی طرف سے (جن کی تعداد نو تھی) ایک گائے قربان کی تھی۔ (۱)

(۱) اس سے ثابت ہوا کہ قربانی کے جانور میں اشخاص کی تعداد مقرر کرنا صحیح نہیں، ایک جانور بہت سے آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا جا سکتا ہے (مترجم)

حجامت

منی میں قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور حکم دیا کہ پہلے دائیں طرف کے اور پھر بائیں طرف کے بال لے لے، صحابہ میں سے اکثر نے سر منڈایا اور بعض نے کتروانے پر اکتفا کیا۔

طواف الافاضہ

ظہر سے پہلے مکہ روانہ ہوئے اور پہنچتے ہی "طواف الافاضہ" (۱) کیا، پھر زمزم پر آئے تو دیکھا کہ لوگ حاجیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ فرمانے لگے: "اگر ڈر نہ ہوتا کہ مخلوق تم پر ہجوم کر دیگی تو میں بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر پانی پلاتا" انہوں نے ڈول آگے بڑھا دیا اور آپ نے کھڑے کھڑے پی لیا۔ اس کے بعد پھر منی تشریف لے گئے اور رات وہیں بسر کی۔

ایام تشریف کے بعد کوچ

صبح ہوئی تو زوال کے بعد پھر کنکریاں پھینکنے چلے گئے اور جمرہ اولیٰ سے شروع کر کے تیسرے جمرہ تک ہر ایک پر سات سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے اور جب سات پوری ہو جاتیں تو ہاتھ اٹھا کے دعا کرتے لیکن تیسرے جمرہ پر دعا نہیں کی اور کنکریاں پھینکنے کے بعد ہی واپس آگئے۔ یہیں منی میں یوم النحر کے دوسرے دن پھر خطبہ دیا۔ اسی موقع پر سورہ اذا جاء نازل ہوئی جس سے آپ کو یقین ہو گیا کہ بس سفر آخرت قریب ہے، لوگوں کو بھی اشارۃ اس کی اطلاع دے دی تھی۔ جیسا کہ بیہقی نے روایت کیا ہے منی میں کل تین دن مقیم رہے یہاں تک کہ جب ایام تشریق ختم ہو گئے اور رمی الجمار سے بالکل فراغت ہو گئی تو سہ شنبہ کی ظہر کے بعد کوچ کر دیا۔

---

(۱) اس طواف پر حج کے تمام ارکان پورے ہو جاتے ہیں اور حاجی کے لئے وہ سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں جو غیر حاجی کے لئے جائز ہیں۔ (مترجم)

رخصت واجازت

ایام منی میں حضرت عباس کو اجازت دے دی تھی کہ مکہ ہی میں رات گذارا کریں کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت انہیں کے سپرد تھی۔ نیز شتربانوں سے بھی کہہ دیا تھا کہ منی کے باہر اپنے اونٹوں کے پاس رات بسر کیا کریں۔

مدینہ کو روانگی

مکہ آئے تو رات کے پچھلے پہر طواف الوداع کیا۔ حضرت صفیہ نے عرض کیا کہ مجھے ایام شروع ہیں، آپ اس سے ذرا پریشان ہوئے اور فرمانے لگے: "تو کیا تم ہمیں رکنے پر مجبور کر دو گی۔" لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ طواف الافاضہ پہلے ہی کر چکی ہیں تو مدینہ روانہ ہو گئے۔

مدینہ کے راستہ میں مقام روحاء پر ایک قافلہ ملا جس میں سے ایک عورت نے ایک شیر خوار بچے کو دکھا کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کا بھی حج ہو گیا؟ فرمایا ہاں! اس کا بھی حج ہو گیا اور تمہیں اس کا ثواب ملا۔"

واپسی میں بھی ذوالحلیفہ میں رات گذاری، صبح جب مدینہ نظر آیا تو تین بار تکبیر کہی اور فرمایا:۔

"لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئى قدير آئبون، تائبون، عابدون، ساجدون، لربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده."

اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی حکومت ہے، اسی کے لئے ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹے آرہے ہیں، توبہ کر رہے ہیں، عبادت

کر رہے ہیں، سجدہ کر رہے ہیں اور اپنے اللہ کی حمد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالی نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جتھوں کو تن تنہا شکست دے دی۔

فصل ۱۳

قربانی اور عقیقہ کا بیان

آٹھ قسم کے جانور

قربانی صرف ان آٹھ قسم کے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر سورۂ انعام میں موجود ہے، ان کے علاوہ اور جانوروں کی قربانی ثابت نہیں۔ وہ آٹھوں قسمیں قرآن کی ان چار آیتوں میں مذکور ہیں :

"احلت لکم بھیمۃ الا نعام" (۵ : ۱)

"حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی"

"و یذکروا اسم اللہ فیٓ ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام". (۲۲ : ۲۸)

"اور پڑھو اللہ کا نام معلوم دنوں میں چوپائے مویشیوں کے ذبح پر جو اللہ نے تم کو دیئے ہیں"

"و من الانعام حمولۃ و فرشا، کلوا مما رزقکم اللہ و لا تتبعوا خطوات الشیطان ، انہ لکم عدو مبین، ثمانیۃ ازواج، من الضان اثنین و من المعز اثنین، قل ءٓ الذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین، نبؤنی بعلم ان کنتم صادقین، و من الابل اثنین و من البقر اثنین، قال ءٓ الذکرین حرم ام الانثیین اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین، ام کنتم شھداء اذوصکم اللہ بھذا فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا لیضل الناس بغیر علم، ان اللہ لایھدی القوم الظالمین". (۶ : ۱۴۳ تا ۱۴۵)

"اللہ نے چارپایوں میں بعض بلند قامت بوجھ اٹھانے والے پیدا کئے اور بعض زمین سے لگے ہوئے پست قامت، اللہ نے جو روزی تمہیں دی اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ خدا نے یہ چارپائے نر و مادہ آٹھ قسم کے پیدا کیے ہیں۔ بھیڑ میں سے دو نر و مادہ اور بکری میں سے دو نر و مادہ۔ ان سے پوچھو کیا اللہ نے بھیڑ بکری کے دونروں کو حرام کر دیا ہے یا دو مادیوں کو یا اس بچہ کو جو ان دو مادنیوں کے پیٹ میں ہے۔ تم جانتے ہو جب اللہ نے تمہیں یہ نصیحت کی کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ پر بغیر علم کے جھوٹ باندھے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے، بیشک اللہ ظالموں کو راہ دکھانے کا نہیں۔

یا ایها الذین آمنوا لا تقتلوا الصید و انتم حرم ، و من قتله منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم هدیا بالغ الکعبة (۹۸/۵)

مسلمانو، حالت احرام میں شکار کو قتل نہ کرو، اور جو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا یہ ہے کو دو منصفوں کے فیصلہ کے مطابق مقتول شکار کے مثل چوپایہ کعبہ تک ہدی بنائے۔

ذبیحے کے اقسام

وہ ذبیحے جن سے تقرب الی اللہ اور عبادت مقصود ہوتی ہے، تین ہیں: ہدی، قربانی، عقیقہ، آنحضرت ﷺ نے بھیڑ اونٹ اور ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ہدی کیا ہے۔ ایک اونٹ اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور ہدی کے لئے جانے والے کو اجازت دی ہے کہ اگر اور سواری میسر نہ ہو تو سہولت کے ساتھ اس پر سوار ہو سکتا ہے۔ امت کو اجازت دی ہے کہ اپنے ہدی و قربانی میں چاہے تو کھائے اور بچا کر بھی رکھ چھوڑے۔

ابو داؤد میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اور

فرمایا۔ ثوبانؓ اس بکری کا گوشت ٹھیک کر لو،، وہ کہتے ہیں میں مکہ سے مدینہ تک راستہ بھر اسی کا گوشت حضور ﷺ کے سامنے پیش کرتا رہا۔

مسنون قربانی

آپ عید کی نماز کے بعد دو مینڈھے قربان کرتے تھے، نماز سے پہلے قربانی کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا"جس نے نماز سے پہلے قربانی کی اس کی قربانی نہیں ہوئی" قربانی کے باب میں سنت یہ تھی کہ اچھے اور بے عیب جانور منتخب کرتے اور عید گاہ" میں ذبح کرتے۔ ایک بکری ایک آدمی اور اس کے گھر بھر کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے، عطاء ابن یسارؒ کہتے ہیں میں نے ابی ایوب انصاریؓ سے پوچھا رسولؐ کے زمانہ میں صحابہؓ کس طرح قربانی کرتے تھے؟ فرمایا ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر بھر کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا تھا جس میں سے خود بھی کھاتا تھا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا(ترمذی)

مسنون عقیقہ

مؤطا کی روایت ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ اور کیا ہم اپنے شیر خوار بچوں کی طرف سے بھی قربانی کرسکتے ہیں؟ فرمایا"ہاں جو ایسا کرنا چاہے اپنے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے" نیز فرمایا: 'ہر بچہ کے ذمہ اس کے عقیقہ کی قربانی ہے، لہذا چاہیے کہ ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کی جائے اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے" خود آپؐ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی طرف سے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی تھی۔

حضرت ابو رافعؓ کی روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آپؐ نے حضرت حسنؓ کے کان میں اذان دی تھی۔

فصل ۱۴

صدقات کا بیان

فرضیت زکوٰۃ

زکوٰۃ ہر مالدار پر فرض ہے، سونے چاندی میں مال تجارت میں اور چوپائے جانوروں (اونٹ، گائے بیل، بھیڑ بکری) میں سالانہ ایک مرتبہ کھیتی اور پھلوں میں تیاری کے وقت۔

تناسب زکوٰۃ

سب چیزوں کی زکوٰۃ برابر نہیں، بلکہ صاحب مال کی محنت کی کمی بیشی کے تناسب پر اس کا حساب رکھا گیا ہے چنانچہ جو دولت بغیر کسی محنت کے بطور دفینہ کے ہاتھ آجائے اس میں زکوٰۃ پانچواں حصہ ہے، جو کھیتی یا باغ آبپاشی کی محنت کے بغیر تیار ہو اس میں دسواں حصہ ہے، لیکن جو ایسی نہ ہو اور آبپاشی کی محتاج ہو اس میں بیسواں حصہ، ایسا مال جس کی ترقی کے لئے لگاتار محنت مشقت کرنا پڑے اس میں چالیسواں حصہ۔

نصاب زکوٰۃ

ہر مال کا ایک نصاب مقرر کر دیا گیا ہے جس سے کم میں زکوٰۃ نہیں، چنانچہ سونے کا نصاب بیس مثقال (۲۔۱ ۷ تولہ) ہے، چاندی کا دو سو درہم (۲-۱ ۲ھ تولہ) غلہ اور پھل کا پانچ وسق (تقریباً چھ من) بھیڑ بکری میں چالیس راس، گائے میں تیس، اونٹ میں پانچ۔

مستحقین صدقات

صدقات کا مستحق اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے لوگوں کو قرار دیا ہے: فقیر "۱" محتاج "۲" زکوٰۃ کے محصل "۳" نو "مسلم ۴" جن کی تالیف قلب مقصود ہو، "غلام ۵ (غلامی سے آزاد ہونے کے لئے)" "قرضدار ۶" "مجاہدین "۷" فی سبیل اللہ اور مسافر

مصرف زکوٰۃ

سنت نبویؐ یہ تھی کہ ہر جگہ کی زکوٰۃ وہیں کے مستحقین پر تقسیم کر دی جاتی، اگر کچھ بچ رہتی تو منگا کر دوسری جگہ بانٹ دیتے۔ جس کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ مستحق ہے اسے خود دے دیتے، اگر کوئی ایسا شخص طلب کرتا جس کا حال معلوم نہ ہوتا تو کہتے ہوئے دے دیتے مالدار اور کمانے کی صلاحیت رکھنے والدے کے لئے زکوٰۃ نہیں ہے۔

معمول نبویؐ

جب کوئی اپنی زکوٰۃ حاضر کرتا تو اسے دعا دیتے، کبھی فرماتے: "اللھم بارک فیہ و فی اِبلھم" (اللہ اسے اور اس کے اونٹوں میں برکت دے) کبھی فرماتے: "اللھم صل علیہ (اللہ اس پر تیری صلوٰۃ ہو)۔ زکوٰۃ میں اچھا مال چھانٹ کے نہ لیتے، صرف درمیانی درجہ کی چیز لینے کا حکم دیتے تھے۔

ممانعت و اجازت

صدقہ دینے والے کو خود اپنا صدقہ خریدنے سے منع کرتے۔ مالدار کے لئے بھی اجازت تھی کہ اس صدقہ سے فائدہ اٹھائے جو غریب کو دیا جائے اور غریب اسے ہدیہ کر دے، چنانچہ بریرہؓ کو لوگوں نے کچھ گوشت صدقہ دیا، اس نے آپؐ کی خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کیا، آپؐ نے اس میں سے تناول کیا اور فرمایا یا بریرہؓ کے لئے صدقہ ہے، مگر ہمارے لئے اس کی طرف سے تحفہ ہے، کبھی خود زکوٰۃ صاحب مال سے پیشگی لے لیتے تھے جیسا کہ حضرت عباسؓ کے ساتھ ہوا جن سے دو سال کی پیشگی لے لی تھی۔

محصلین کا تعین

تحصیلدار صرف ان لوگوں کے ہاں بھیجتے تھے جن کے پاس محسوس دولت ہوتی مثل زراعت، باغات، مویشی وغیرہ۔ نخلستان کے مالکوں کے ہاں اندازہ لگانے والوں کو بھیجتے تھے جو پوری طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد اندازہ لگاتے تھے کہ اس باغ میں کتنی

کھجور ہوگی، مگر ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی تھا کہ ایک ثلث یا ربع چھوڑ کر اندازہ لگائیں تاکہ آفات سماوی سے جو نقصان ہو وہ تخمینہ میں نہ آئے اور مالکوں پر ظلم نہ ہو تخمینہ کے بعد پھر مالکوں کی کوئی نگرانی نہ ہوتی تھی، وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے اور آخر میں آکر زکوٰۃ پیش کر دیتے تھے۔

رشوت ستانی

خیبر کے یہودیوں سے سالانہ خراج لیا جاتا تھا اور عبد اللہ بن رواحہ کو ان کے کھیتوں اور باغوں کے معائنہ اور تخمینہ کے لئے بھیجا کرتے تھے، کبھی کبھی یہ لوگ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کو رشوت دینا چاہتے تو وہ فرماتے "حرام کا لالچ دلاتے ہو خدا میں افضل ترین انسان کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں اور تم میرے نزدیک بد ترین خلائق اور بندروں اور سوروں سے بھی ادنی ہو، لیکن اس انسان کامل کی محبت اور تمہاری عداوت مجھے ظلم بھی نہ کرنے دیگی، جو انصاف کی بات ہوگی وہی کرونگا اس پر وہ لوگ کہتے "ایسے ہی انصاف سے زمین و آسمان قائم ہیں"

وجوب صدقہ فطر

صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے اپنی طرف سے اور ان لوگوں کی طرف سے جن کی کفالت کرتا ہے۔ اس کی مقدار چھوارے، خشک انگور، پنیر یا جو سے ایک صاع ہے،

امام احمدؒ و ابو داؤد کی روایت ہے کہ گیہوں کا ایک صاع دو آدمیوں کا صدقہ ہے۔

وقت ادائے فطری

سنت نبویؐ یہ تھی کہ نماز عید سے پہلے صدقہ نکالتے تھے، حدیث میں ہے: نماز سے پہلے صدقہ دینا بمنزلہ زکوٰۃ مقبول ہے اور نماز کے بعد محض ایک عام خیرات

صحیحین میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے نماز سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا ہے" ان دونوں حدیثوں سے مترشح ہوتا ہے کہ نماز کے بعد تک تاخیر

جائز نہیں، اس کے خلاف قربانی کا وقت نماز کے بعد قرار دیا گیا ہے، پس جس طرح نماز کے بعد صدقہ فطر کی حیثیت ایک معمولی صدقہ کی ہو جاتی ہے اسی طرح نماز سے پہلے قربانی کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک بکری ہے جو گوشت کھانے کے لئے ذبح کی گئی ہے۔ عہد نبوی میں صدقہ فطر صرف مسکینوں پر تقسیم کیا جاتا تھا۔(واللہ اعلم)

آپؐ کی خیرات

جو دوسخا میں حضور اقدسؐ تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے، کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی نے کچھ سوال کیا ہو اور پورا نہ کر دیا ہو، عام اس سے کہ پاس زیادہ ہو یا کم، چیز دیکر اتنی مسرت ہوتی تھی جتنی خود لینے والے کو نہ ہوتی تھی۔

سخاوت کے مختلف طریقے تھے، کسی کو ہبہ کے نام سے دیتے، کسی کو صدقہ کے طور پر، کسی کو ہدایہ کہہ کر، بارہا یہ ہوتا کہ چیز خریدتے اور قیمت سے زیادہ دیدیتے یا چیز اور قیمت دونو بخش دیتے، قرض لیتے تو اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر ادا کرتے۔

فصل ۱۵

قرآن پڑھنا اور سننا

تلاوت قرآن

قرآن شریف کی ایک حزب مقرر تھی جسے آپؐ ہمیشہ پڑھتے اور کبھی ناغہ نہ کرتے، قرأت میں ترتیل ملحوظ رہتی تھی "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" سے شروع کرتے تھے۔ قرآن بجز جنابت کے ہر حال میں پڑھتے عام اس سے کہ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، ٹیک لگائے ہوں یا بے وضو ہوں۔ قرآن خوش الحانی اور لے سے پڑھتے اور فرماتے تھے "قرآن

(۱) صاع کا وزن قریباً ڈھائی چھٹانک ہوتا ہے۔

کو اپنی آواز سے زینت دو جو قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں" اور فرمایا" اللہ نے ایسی کوئی اجازت نہیں دی جیسی خوش آواز نبیؐ کو دی ہے جو قرآن گا کے پڑھتا ہے)۔ یعنی خدا اس طرح کوئی چیز نہیں سنتا جس طرح خوش آواز نبی کا قرآن سنتا ہے۔

سماع قرآن

دوسروں سے قرآن سننا زیادہ پسند کرتے تھے، ایک مرتبہ عبد اللہ بن مسعودؓ کو قرآن سُنانے کا حکم دیا، انہوں نے پڑھا، آپؐ پر رقت طاری ہوگئی یہانتک کہ آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ ایک رات ابو موسیٰ اشعری کا قرآن سنا، صبح انہیں اس کی اطلاع دی تو عرض کرنے لگے" اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورؐ سن رہے ہیں تو خوب اچھی طرح پڑھتا"۔

فصل ۱۶

عیادت کا بیان

آپؐ کا معمول

اصحابؓ میں اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ ایک یہودی لڑکا آپؐ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہوگیا تو عیادت کو تشریف لے گئے، اور دعوت اسلام پیش کی، اس نے قبول کرلی اور مسلمان ہوگیا۔ آپؐ کے چچا ابو طالب مشرک تھے ان کی بھی عیادت کی اور اسلام کی دعوت دی۔

عیادت کا طریقہ

عیادت کا طریقہ یہ تھا کہ مریض کے پاس جاتے اور اس کے سرہانے کی طرف بیٹھتے، حال پوچھتے صحت کی دعا کرتے، روایت ہے کہ مریض سے یہ بھی دریافت کرتے کہ

کچھ کھانے کی اشتہا ہے؟ اگر کوئی ایسی چیز بتاتا جو مضر نہ ہوتی تو دینے کا حکم دے دیتے۔ جب کسی مریض کی عیادت کرتے تو فرماتے "لاباس طہور انشاء اللہ (اندیشہ نہیں، انشاء اللہ صحت ہے) عیادت کے لئے کوئی خاص دن یا وقت مقرر نہ تھا۔ جب مریض سے مایوس ہو جاتے فرماتے "انا للہ وانا الیہ راجعون"

فصل ۱۷

تجہیز و تکفین کا بیان

آپؐ کا معمول

آخر وقت میں بیمار کو اللہ اور آخرت یاد دلاتے، وصیت اور توبہ کی ہدایت کرتے اور لوگوں سے فرماتے کہ اس سے کلمہ شہادت کہلاؤ تاکہ اس کی آخری گفتگو یہی ہو۔ جب موت واقع ہو جاتی تو جاہل اور کافر قوموں کی طرف منہ پیٹنے، کپڑے پھاڑنے اور ڈاڑیں مار کر رونے سے منع کرتے۔

رہا دل کا رنجیدہ ہونا اور اس طرح رونا کہ آواز نہ نکلے تو خود آپؐ پر بھی یہ کیفیت

---

(۱) تلاوت قرآن اور تغنی بالقرآن سے مقصود اس طرح قرآن پڑھنے والے اور سننے والے کے قلب پر اثر ہو بہت سے ترتیل" اور "تغنی" سے یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ حلق سے قرآن پڑھا جائے یا موسیقی کے اصول اس میں برتے جائیں، ہندوستان میں عربی لہجہ نہ ہونے کی وجہ سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ حروف حلقی کو غیر طبیعی طریقہ سے ادا کرنے اور بتصنع قرآن پڑھنے کو قرأت سمجھتے ہیں، جس کے سننے سے کبھی ہنسی آتی ہے کبھی غصہ آتا ہے اور کبھی مسکین "قاری" پر رحم آتا ہے۔ کاش لوگ صحیح طور پر فن تجوید سیکھتے، یا اسطرح توڑ موڑ کر قرآن پڑھنے کی بجائے سادگی سے پڑھتے۔ سادگی ہر حال میں مستحسن ہے۔ (مترجم)

جاری ہوتی تھی اور فرماتے تھے:

"تدمع العين و يحزن القلب و لا نقول الا ما يرضى الرب"

آنکھ روتی ہے دل کڑھتا ہے، مگر ہم کہیں گے وہی جس سے پروردگار راضی ہو۔

سنت نبویؐ یہ تھی کہ ایسے حادثوں پر بھی خدا کا شکر ادا کرتے، انا للہ، پڑھتے اور وہی کہتے جس میں اللہ کی خوشنودی ہو۔

کفنانے کا طریقہ

کفنانے کا طریقہ یہ تھا کہ مردہ کی آنکھیں بند کر دیتے اور چہرہ اور جسم چھپا دیتے، مردہ کا بوسہ لینا بھی ثابت ہے، مردہ کو اللہ کے گھر پہنچانے میں جلدی کرتے، اسے پاک کرتے، خوشبو ملتے، اور سفید کپڑے میں کفناتے، پھر نماز جنازہ پڑھتے۔

شہید اور محرم کی تکفین

شہید کو نہ نہلاتے جیسا کہ امام احمدؒ کی روایت میں ہے "کہ شہید کو غسل دینے کی ممانعت فرمائی ہے"۔ البتہ چمڑے اور لوہے کی چیزیں اس سے علیحدہ کرادیتے، پھر اسی کے کپڑوں میں بغیر نماز پڑھے اسے سپرد خاک کر دیتے محرم (حج کے لئے احرام باندھے ہوئے آدمی) اگر مر جاتا تو اسے پانی اور بیری کی پتی سے غسل دینے، احرام ہی کے کپڑوں میں کفنانے، اور اس کا سر ڈھکنے کا حکم دیتے مگر خوشبو لگانے سے منع فرماتے۔

کفن کا کپڑا

قیمتی کفن دینے سے منع کیا ہے، خود اس وقت کی حالت یہ تھی کہ آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہ کو کفن بھر کپڑا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا، چنانچہ رسول اللہ نے صحابہ رضی

اللہ عنہم کو اس حال میں بھی دفن کیا ہے کہ پورا کفن موجود نہ تھا، اگر سر ڈھکتے تو پیر کھل جاتے تھے، ایسے موقعہ کے لئے سنت یہ تھی کہ سر چھپا دیا جاتا اور پیروں پر سبز گھاس ڈال دیتے(۱)۔

جنازۂ مسنون

جنازہ کی نماز ہمیشہ مسجد کے باہر پڑھتے تھے الا یہ کہ کسی وجہ سے مسجد میں پڑھنے پر مجبور ہو جائیں۔ جب کوئی جنازہ حاضر کیا جاتا تو پہلے دریافت کرتے کہ میت مقروض تو نہیں؟ اگر قرض ہوتا تو خود جنازہ میں شریک ہوتے مگر صحابہؓ کو اجازت دے دیتے، یہ اس لئے کہ آپؐ کی نماز در حقیقت مردہ کے لئے شفاعت کا حکم رکھتی تھی، مردہ بغیر اس کے کہ اس کا قرض ادا ہو، جنت میں نہیں جا سکتا، پھر آپؐ اس کی شفاعت کیونکہ کر سکتے تھے؟ لیکن جب اللہ تعالی نے مالی حالت درست کر دی تو آپؐ سب کا قرض ادا کرتے اور سب کے جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے، میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے، اور اس کا مال و متاع وارثوں کو دے دیتے تھے۔

طریقہ نماز جنازہ

جب جنازہ کی نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے، حمد و ثنائے الٰہی کرتے اور میت کے حق میں دعا مانگے۔ عموماً چار تکبیریں کہتے تھے لیکن مسلمؒ کی روایت ہے کہ پانچ تکبیریں

(۱) اللہ، اللہ رسول ﷺ کے صحابیؓ اس طرح دفن ہوں، اور ہمارے ہاں کے امرا اپنے کفن دفن میں اتنا اسراف کریں! لوگ مرنے والوں پر سینکڑوں ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں ثواب پہنچ رہا ہے، حالانکہ زندہ فقر و فاقہ کی مصیبت سے مر رہے ہیں مگر مقبرے آباد ہیں، مسجدیں ویران ہیں، تعلیم گاہیں مفقود ہیں اور جو ہیں سسک رہی ہیں، مگر قبروں پر چاندی سونا پڑا الٹ رہا ہے، کاش یہ لوگ اپنی دولت مفید کاموں میں صرف کرتے جس سے اللہ بھی خوش ہوتا اور قوم کی حالت بھی سدھرتی، اگر صرف دس سال کے لئے مسلمان، عرس اور نیاز فاتحہ بند کر دیں اور اس کے مصارف قومی کاموں میں دے دیں تو بالکل حالت بدل جائے اور پھر کسی چندہ کی حاجت باقی نہ رہے لیکن یہ دعوت سنے کون؟ کہیں زندگی ہو تو جواب ملے (مترجم)

بھی کہی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کے متعلق روایت موجود ہے چنانچہ ابن عیینہؒ سے روایت ہے کہ صحابہؓ اہل بدر پر پانچ، چھ اور سات تکبیریں کہتے تھے، یہ تمام احادیث و آثار صحیح ہیں اس لئے چار تکبیروں سے زیادہ بھی کہی جا سکتی ہیں ممانعت کرنے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً جبکہ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ نے ایسا کیا ہے۔

جنازہ میں فاتحہ و درود

ابن عباسؓ نے ایک دن جنازہ کی نماز پڑھائی تو پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ با آواز بلند پڑھی اور لوگوں سے کہا یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ بھی سنت ہے" ابو امامہؓ بن سہل کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ صحابہؓ کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ نماز جنازہ میں درود بھی پڑھنا چاہیے۔

نماز جنازہ سے مقصود

نماز جنازہ سے مقصود میت کیلئے دعا کرنا ہے بعض دعائیں آپؐ سے مروی ہیں مثلاً:

"اللهم اغفر له و ارحمه و عافه و اعف عنه و اكرم نزله و وسع مدخله واغسله بالماء والثلج و البرد و ادخله الجنة و اعذه من عذاب القبر و عذاب النار"

اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر، اس پر رحم کر، اسے بچا معاف کر، اس کا اترنا اچھا کر، اس کا دروازہ کشادہ کر اسے پانی، برف اور یخ میں غسل دے جنت میں داخل کر، قبر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

نیز یہ دعا:

"اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام و السنة ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان اللهم لا تحرمنا اجره و لا تفتنا بعده"

خدایا ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے، اسلام اور سنت پر زندہ رکھ، اور جسے موت

دے، ایمان پر دے، الٰہی اس کے ثواب سے ہمیں محروم نہ کر، اور اس کے بعد ہمیں امتحان میں نہ ڈال۔

نیز یہ دعا

"اللهم انت ربها و انت خلقتها و انت هديتها للاسلام وانت قبضت روحها وتعلم سيرها وعلانيتها جئنا شفعاء فاغفرلها"

الٰہی تو ہی اس کا رب ہے، تو ہی نے اسے پیدا کیا تو ہی نے اس کی اسلام کی طرف رہنمائی کی، اور اب تو ہی نے اس کی روح قبض کر لی، تو اس کا ظاہر باطن جانتا ہے، ہم شفاعت کیلئے حاضر ہوئے ہیں، اسے بخش دے۔

نماز جنازہ کی قضاء

سنت یہ تھی کہ اگر جنازہ کی نماز فوت ہو جاتی تو قبر پر جا کر نماز پڑھتے تھے، اس کے لئے کسی خاص وقت کی قید نہ تھی، جب موقعہ مل جاتا نماز پڑھاتے چنانچہ ایک دن بعد بھی پڑھی ہے، تین دن بعد بھی اور ایک مہینہ بعد بھی۔ مردہ اگر مرد ہوتا تو نماز میں اس کے سر کے پاس کھڑے ہوتے، اگر عورت تو کمر کے پاس بچہ کی نماز جنازہ بھی پڑھتے اور فرماتے۔

"اپنے بچوں کی نماز پڑھو کیونکہ وہ تمہارے لئے جنت میں پیش خیمہ ہونگے" (ابن ماجہ) خودکشی کرنے والے اور مال غنیمت چرانے والے پر نماز پڑھتے تھے۔

جنازہ کے بعد

جب نماز جنازہ پڑھ چکتے تو مقبرہ تک اس کے ساتھ آگے آگے پیدل جاتے، حکم دیا ہے کہ سوار میت کے پیچھے چلیں اور پیدل اس کے قریب میں آگے پیچھے

دائیں، بائیں جدھر چاہیں چلیں جنازہ کے جلد جلد لے جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ رہا آج کل لوگوں کا رینگ رینگ کے خراماں خراماں قدم اٹھانا تو یہ ایک بدعت ہے جس کا ترک ضروری ہے، حضرت ابو بکرؓ تو ایسے لوگوں کو درے لگاتے اور فرماتے تھے ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور جنازے تیز تیز لے جاتے تھے"

قبر کے متعلق ہدایت

قبر کے متعلق سنت یہ تھی کہ وہ گہری، چوڑی اور برابر ہوتی تھی، قبر کا اونچا بنانا یا پختہ یا خام اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر کرنا سنت نبویؐ میں نہ تھا، بلکہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو خاص اس مقصد سے یمن بھیجا تھا کہ جو بت مل جائے توڑ دیں اور جو بلند قبر مل جائے گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ قبر پر چونا لگانے، عمارت بنانے اور کتبہ لگانے سے منع کیا ہے، سنت یہ تھی کہ جس کسی کی قبر یاد رکھنا ہوتی، اس پر پتھر کی نشانی رکھ دیتے تھے۔

قبر میں رکھنے کا طریقہ

میت کو قبر میں رکھتے تو فرماتے "بسم الله وعلى ملة رسول الله" طلوع و غروب اور بیچ دوپہر کے اوقات میں دفن نہ کرتے تھے، دفن سے فارغ ہوتے تو مع صحابہؓ کے واپس آتے اور میت کے قبر میں ثابت قدم رہنے کے لئے دعا فرماتے۔ آج کل کی طرح قبر کے پاس میت کی تلقین یا قرآن خوانی کے لئے بیٹھنا سنت میں نہ تھا، رہی طبرانی کی ابی امامہؓ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے میت کی تلقین کا حکم دیا ہے تو اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔

میت کے عزیز و اقارب کی تعزیت فرماتے تھے اس کے لئے نہ تو مجلسیں کرتے نہ قرآن خوانی کے لئے کہیں جمع ہوتے تھے۔ میت والوں پر لوگوں کے کھانے کا بار نہ ڈالتے بلکہ دوسروں کو حکم دیتے کہ کھانا پکوا کے ان کے ہاں بھیج دیں۔

فصل ۱۸

زیارت قبور کا بیان

مشروع زیارت

جب قبور صحابہؓ کی زیارت کو تشریف لے جاتے تو ان کے حق میں دعا کرتے اور خود افسوس کرتے اور عبرت حاصل کرتے، یہی وہ زیارت قبور ہے جو امت کے لئے مشروع کی ہے اور اس میں یہ کہنے کا حکم دیا ہے:

"السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین و انا انشاء الله بکم لاحقون نسأل الله لنا ولکم العافیة"

اے دیار مومنین و مسلمین کے رہنے والو! تم پر سلام ہو، ہم ان شاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں، اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت چاہتے ہیں۔

قبروں کی توہین و تعظیم

سنت نبویؐ یہ ہے کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے، انہیں روندنا، ان پر بیٹھنا یا ان سے ٹیک لگانا ممنوع ہے۔ قبروں کی تعظیم بھی ممنوع ہے انہیں مسجد قرار دینا، ان کے پاس یا ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، عرس کرنا، لوگوں کا ان کے گرد جمع ہونا، روشنی کرنا، یہ سب باتیں ناروا ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت(۱) کی ہے۔

(۱) لیکن آج کل کیا ہو رہا ہے، پوری قبر پرستی جاری ہے قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں جن میں نقرئی و طلائی دروازے لگائے ہوئے ہیں، سنگ مرمر کا فرش ہے، قیمتی چادریں اور پردے لٹکے ہوئے ہیں، مسلمان ان کے گرد طواف اور رکوع و سجود و قیام میں مصروف ہیں۔ منتیں مانی جاتی ہیں، دعائیں کی جاتی ہیں اور خدا سے زیادہ اصحاب قبور پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ جس بات پر دل شق ہوتا ہے وہ بہت سے مدعیان علم و تصوف کا طرز عمل ہے، یہ لوگ اپنی ذاتی

فصل ۱۹

جہاد کا بیان

قسمیں

جہاد کی چار قسمیں ہیں : جہاد نفس[۱]، جہاد شیطان[۲]، جہاد کفار[۳]، جہاد منافقین[۴]

جہاد نفس

جہاد نفس کے چار درجے ہیں : نفس کو ہدایت و حق کی جستجو پر مجبور کرنا کہ جس کے بغیر نہ دین کی سعادت ممکن ہے نہ دنیا کی۔ پھر علم کے بعد عمل کے لئے نفس پر

اغراض و منفعت کیلئے قبر پرستی کو اور بھی رواج دیتے ہیں جھوٹی اور موضوع حدیثوں سے اس کا جواز ثابت کرتے ہیں اور طرح طرح کی ضلالتوں اور فریبوں سے کام لیکر عوام کو اسی گمراہی میں باقی رکھنا چاہتے ہیں ، اگر کوئی خدا کا بندہ اس بدعت و ضلالت پر معترض ہوتا ہے تو اسے "وہابی" پنچپیری" "دہریہ" طرح طرح کے نام دیتے اور عوام میں بدنام کرتے ہیں، حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ محض دنیائے دوں پر اپنی آخرت بگاڑ رہے ہیں ، اور اسلام کی توہین و تنزل کے خود باعث بن رہے ہیں۔ حال میں ایک واقعہ سننے میں آیا جس سے نہایت عبرت ہوئی ، مسلمانوں کی عبرت کے لئے درج کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں جبکہ اکثر ہندو مسلم لیڈر عرس کے موقعہ پر اجمیر گئے تھے تو ان میں سے یو-پی کے سب سے بڑے ہندو لیڈر نے عرس کی تمام رسمیں اور مزار کے گرد لوگوں کا طواف و سجود دیکھ کر انتہائی مسرت اور خلوص نیت سے کہا "لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے ، لیکن آج یہاں کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد بالکل ممکن ہے کیونکہ در حقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں واقعی کوئی فرق نہیں، ہم بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور مسلمان قبروں کے سامنے ہمارے رام لچھمن کرشن اور مہادیو ہیں، اور مسلمانوں کے...... پھر ہم میں اور مسلمانوں میں فرق ہی کیا رہا، صرف ناموں کا فرق ہے جو حقیقت میں کوئی وقعت نہیں رکھتا!!!" یہ اس نیک دل ہندو رہنما کا خیال ہے جو اجمیر کی حالت دیکھ کر اسے پیدا ہوا، مسلمانوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟۔

جبر کرنا۔ علم و عمل کے بعد تعلیم ودعوت حق مین مصروف ہونا ورنہ صاحب حق بدبختوں میں گنا جائیگا جو اللہ کی اتاری ہوئی ہدایت کو چھپاتے تھے چوتھا اور آخری درجہ یہ ہے کہ دعوت کی راہ میں جو مصائب و آلام پیش آئیں انہیں صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کیلئے نفس کو آمادہ کرنا۔ جس خوش نصیب نے جہاد نفس کے یہ چاروں مرحلے کامیابی سے طے کر لئے "ربانی" ہو گیا!

جہاد شیطان

جہاد شیطان کے دو درجے ہیں: شیطان ایمان کے اندر شکوک و شبہات پیدا کیا کرتا ہے اس معرکہ میں اس سے دست و گریبان ہونا یہ پہلا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ شیطان کی طرف سے جن فاسد ارادوں اور شہوتوں کی تلقین ہوتی ہے، ان کے رد کرنے میں جدو جہد کرنا۔ پہلے درجہ میں کامیابی "یقین" پیدا کرتی ہے اور دوسرے درجہ میں کامرانی اپنے ساتھ "صبر" لاتی ہے:

و جعلنا منهم آئمة يهدون بامرنا. لما صبرواو كانوا باياتنا يوقنون (۳۲ : ۲٤).

اور بنا دیئے ہم نے ان میں سے امام جو راہ چلاتے ہمارے حکم سے کیونکہ

تعجب ہے کہ انسان اللہ کو حاضر ناظر، سمیع و بصیر، حی و قدیر اور اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تسلیم کر لینے کے بعد غیر اللہ کی طرف کیوں رجوع کرتا ہے؟ کیا یہ قبریں اللہ سے زیادہ قدرت رکھتی ہیں؟ کیا یہ بزرگ اللہ سے سفارش کر سکتے ہیں؟ کیا اللہ معاذ اللہ تمہارے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ نہیں جو اسے ان مرے ہوئے آدمیوں کی یاد دہانی کی ضرورت ہو؟ پھر انسانی عظمت و خودداری کے یہ بالکل منافی ہے کہ انسان پتھر کے بتوں یا اینٹ اور چونے کی قبروں کے سامنے جھکے جو اپنے اوپر سے ایک مکھی بھی اڑانے کی قدرت نہیں رکھتیں! مسلمان روتے ہیں کہ ہم تباہ حال ہیں، مگر جب تک تم یہ کفر و شرک و وہم پرستی نہ چھوڑو گے اس وقت تک خوشحالی و سرخروئی سے دوچار نہ ہو سکو گے۔ اپنی بربادی کی تاریخ پر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ اس کا آغاز اسی وقت سے ہوا جب سے تم میں یہ باتیں آئیں سینکڑوں برس قبر پرستی کا تجربہ کر چکے اور دن دونی رات چوگنی بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، اور ایسے کامیاب کہ اب تک دنیا تمہاری افسانہ خواں ہے! (مترجم)

انہوں نے صبر و استقامت دکھائی اور یقین کرتے رہے ہماری نشانیوں پر۔

اس سے واضح ہو گیا کہ دین کی امامت و قیادت صرف "صبر" اور "یقین" کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے، صبر، شہوات و ارادات فاسدہ کو دفع کرتا ہے اور یقین، شکوک و شبہات سے قلب کو پاک کرتا ہے۔

جہاد منافقین و کفار

جہاد منافقین و کفار کے بھی چار درجے ہیں قلب سے، زبان سے، مال سے، جان سے۔ حدیث میں ہے: "جو کوئی جہاد کے بغیر یا کم از کم اس کی تمنا کئے بغیر مر جائے، اس کی موت نفاق کے ایک حصہ پر ہوئی" جہاد ہجرت سے مکمل ہوتا ہے اور ہجرت و جہاد دونوں ایمان کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں۔

جہاد اربعہ کی توفیق

جہاد کی ان تمام قسموں کی توفیق صرف انہیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو رحمت الٰہی کے امیدوار اور قربِ خداوندی کے لئے بے قرار ہوتے ہیں۔

ان الذين امنوا والذين هاجروا و جاهدوا في سبيل الله اولئك يرجون رحمة الله و الله غفور رحيم(البقرة:٢١٨).

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں، وہی اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔

جہاد کی فرضیت

جہاد نفس اور جہاد شیطان فرض عین ہے، کوئی فرد بشر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ جہاد کفار و منافقین کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ، اگر ضرورت کے مطابق لوگ اس میں مشغول ہوں تو باقی پر فرض نہیں ہوتا، لیکن اگر یہ صورت نہ ہو تو سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

کامل ترین انسان

اللہ تعالی کے نزدیک کامل ترین انسان وہ ہے جو جہاد کی ان تمام قسموں اور مرتبوں میں کامل اترے ، پھر کمال کے بھی درجے ہیں، بعض معمولی ہیں، بعض بلند تر، بعض بلند تر ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو چونکہ جہاد کی ان سب قسموں میں بلند ترین درجہ حاصل تھا اس لئے اللہ تعالی کی نظر میں آپؐ تمام انسانوں سے افضل واشرف تھے۔ آپؐ بعثت کے وقت سے وفات کے دن تک اللہ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرتے رہے۔

جہاد کا عملی پیکر

چنانچہ جوں ہی آیت "یا ایها المدثر ، قم فانذر" (۷۴ : ۱۔۲) (اے کمبل میں لپٹے ہوئے ! اٹھ اور ڈرا) نازل ہوئی اور تبلیغ رسالت کا فرمان الٰہی پہنچا، فی الفور اٹھ کھڑے ہوئے اور دعوت حق دینے لگے۔ یہ شروع میں خفیہ تھی، لیکن جب آیت "فاصدع بما تومر" (۱۵ : ۹۵) نازل ہوئی تو علانیہ دعوت دینے اور دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں اعلان حق کرنے لگے۔

کفار نے جب دیکھا کہ ان کے آبائی دین کی برملا مذمت ہوتی ہے تو غیظ و غضب سے بھر گئے اور رسول اللہ اور پیروان اسلام کو سخت سے سخت دینے لگے۔ اس پر اللہ تعالی نے حضورؐ کو تسکین دی کہ گھبرانے اور مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں، تمام انبیاء کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے کہ جھٹلائے گئے اور گوناگوں مصائب میں مبتلا کئے گئے :

"ما یقال لك الاما قد قیل للرسل من قبلك" (٤١ : ٤٣)

تمہیں بھی وہی کہا جارہا ہے جو تم سے پہلے رسولوں کو کہا جاچکا ہے۔

اور فرمایا :

"كذلك ما اتى الذين من قبلهم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون، اتواصوا به بل هم قوم طاغون" (٥١ : ٥٣)

اسی طرح جب ان سے پہلوں کے پاس رسول پہنچا، انہوں نے اسے یا تو ساحر بتایا یا مجنون کہا وہ ان کو وصیت کر گئے ہیں، حالانکہ وہ سر کش قوم ہے۔

نیز مسلمانوں کی دلدہی کے لئے فرمایا:

"ام حسبتم ان تدخلوا الجنة و لما یاتکم مثل الذی خلوا من قبلکم، مستھم البأساء و الضراء و زلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معه متی نصر الله الآ ان نصر الله قریب" (۲:۲۱۴)

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اب تک اگلوں کی سی حالت تمہاری نہیں ہوئی کہ جنہیں مصائب و آلام پہنچے اور بالکل ہلا ڈالے گئے، یہانتک کہ رسول اور اس کے ساتھ مومنین چیخ اٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئیگی؟ ہاں اللہ کی نصرت قریب ہے۔

اور فرمایا:

"الم، احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا و هم لا یفتنون، ولقد فتنا الذین من قبلهم فلیعلمن الله الذین صدقوا و لیعلمن الکاذبین" (۲۹ : ۱، ۲)

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کو ہم نے امتحان میں ڈالا، البتہ سچوں کو جھوٹوں سے معلوم کر کے رہیگا۔

جہاد بالقرآن

رسول اللہ اور مسلمان راہ حق میں برابر مصائب جھیلتے اور وعدہ الٰہی کا انتظار کرتے رہے یہانتک کہ اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح و کامرانی کے لئے پہلے سے ایسا بندوبست کر رکھا تھا جو کسی کے وہم میں بھی نہ تھا۔

مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ عرب کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج رہتے تھے۔

باہم نفرت وعداوت تھی۔ یہودی کہا کرتے تھے : ٹھیر جاؤ، عنقریب ایک نبی پیدا ہونے والا ہے ، ہم اس کی پیروی کریںگے اور اس کے زیر علم تمہیں عاد و ثمود کی طرح بے دردی سے ہلاک کر ڈالیں گے۔

اوس و خزرج باقی قبائل عرب کی طرح سالانہ حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے۔ ایک سال رسول اللہ نے انہیں بھی دعوت دی تو وہ چونکے اور آپس میں کہنے لگے ہو نہ ہو یہی وہ نبیؐ ہے جس سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے ہیں، ایسا نہ ہو انہیں خبر ہو جائے، ایمان لے آئیں اور ہم پیچھے رہ جائیں" اس طرح ان مدنیوں کی اللہ نے اسلام کی طرف رہنمائی کی، وہ مسلمان ہوئے اور عہد باندھا کہ ہمیشہ آپؐ کی امداد و اعانت پر کمربستہ رہیں گے چنانچہ تیرہ سال مکہ میں جہاد بالقرآن کرنے کے بعد حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

جہاد بالسیف

مدینہ پہنچ کر مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم کیا، پھر وہاں کے تینوں یہودی قبیلوں : بنو قینقاع، بنوالنضیر، بنو قریظہ سے امن و صلح کا تحریری معاہدہ کیا، مگر انہوں نے عہد شکنی کی، جنگ کی اور اسلام کے مقابلہ میں مشرکین عرب کا ساتھ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ذلیل و خوار ہوئے۔ بنو قینقاع کو تو حضورؐ نے احسان کر کے چھوڑ دیا، بنو نضیر کو جلا وطن کیا اور بنو قریظہ تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

باب ۳

غزوات اسلامیہ

فصل اول

غزوہ بدر[1] کا بیان

اسباب جنگ

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ ملک شام سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابو سفیان کی سرکردگی میں آرہا ہے۔ اس قافلہ میں بے شمار مال و دولت تھی اور یہ وہی قافلہ تھا جسے مکہ سے شام جاتے ہوئے مسلمانوں نے روکنا چاہا تھا مگر اتفاقیہ بچ نکلا تھا۔ اب اس کی واپسی کی خبر ملی تو آپؐ نے لوگوں کو چلنے کی دعوت دی اور تین سو سے کچھ زیادہ آدمی لیکر روانہ ہوگئے جو سب کے سب پیدل تھے، سوار کوئی بھی نہ تھا، صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ ساتھ تھے جن پر باری باری بیٹھتے تھے۔

جب مقام صفراء میں پہنچے تو دو جاسوس خبر لانے کو بھیجے۔ ادھر ابو سفیان کو بھی آنحضرتؐ کے ارادے کی خبر پہنچ چکی تھی اور اس نے ضمضم بن الغفاری کے ذریعہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کردیا تھا۔ انہوں نے جوں ہی یہ سنا اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے کمربستہ ہوگئے۔ سرداروں میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا جو فوج میں آکر شامل نہ ہوگیا ہو، صرف ایک ابو لہب نہ جاسکا اور اس نے اپنی جگہ پر دوسرا شخص بھیجدیا، صرف

(۱) غزوات بالخصوص غزوہ بدر کی بحث سیرۃ نبویؐ مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی میں ضرور دیکھنی چاہئے (مترجم)

یہی نہیں بلکہ گردوپیش کے قبائل عرب کو بھی دعوت دی گئی، بنی عدی کے علاوہ تمام قبائل نے لبیک کہا اور سب جمع ہو کر بڑے کروفر کیساتھ چلے۔

آنحضرتؐ کو جب قریش کے اس سازوسامان سے چلنے کا حال معلوم ہوا تو صحابہ کے سامنے صورت حال پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔ مہاجرین نے نہایت دل خوش کن جواب دیا مگر انصار چپ رہے۔ آپ نے پھر پوچھا تو مہاجرین بول اٹھے مگر انصار بدستور خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب پھر سوال کیا تو انصار سمجھ گئے کہ ہم سے جواب چاہتے ہیں۔ چنانچہ سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور کہا: ''یارسول اللہؐ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے'' اور واقعہ بھی یہی تھا کیونکہ انصار نے صرف مدینہ کے اندر حفاظت و حمایت کا وعدہ کیا تھا اور اب معاملہ مدینہ کے باہر درپیش تھا۔

سعد نے کہا'' شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ انصار مدینہ کے باہر آپ کی حمایت واطاعت ضروری نہیں سمجھتے، لیکن میں انصار کی طرف سے کہتا ہوں کہ آپ جہاں چاہے جایئے جس سے چاہیئے ملیئے، جس سے چاہیئے لڑیئے جتنا چاہیے ہم سے لیجئے اور جو چاہیئے ہمیں حکم دیجئے، ہم ہر حال میں تابع فرمان اور آپ کے ساتھ ہیں، آپؐ کی رسی سے ہماری رسی کی گرہ بندھ چکی ہے، ہم کسی حال میں بھی الگ نہیں ہو سکتے۔ واللہ اگر ہمیں سمندر میں بھی گھس جانے کا اشارہ کردینگے تو بھی ہم ہچکچائینگے نہیں بلکہ سیدھے گھستے چلے جائینگے!''

اسی موقع پر حضرت مقداد نے کیا ہی خوب کہا تھا: ''یارسول اللہؐ ہم وہ نہیں کہیں گے جو موسیٰ کی قوم نے کہا تھا کہ:

فاذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون. (المائدة: ٢٤)

''جاؤ تم اور تمہارا اللہ دشمنوں سے لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔''

بلکہ ہم آپؐ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے لڑیں گے اور بے پروائی سے سرفروشی کرینگے۔

رسول اللہؐ نے یہ ہمت افزا جواب سنے تو مسرت سے چہرہ مبارک روشن ہو گیا اور

فرمانے لگے :" مسلمانو! چلو تمہارے لئے بشارت ہے، اللہ نے دو میں سے (کاروان یا لشکر) ایک گروہ کے دے دینے کا مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے، میں دشمنوں کی بریدہ لاشیں دیکھ رہا ہوں!"

ابو جہل کا فیصلہ

ادھر مسلمان آگے بڑھ رہے تھے، ادھر ابوسفیان ساحل کی راہ سے ہو کر خطرہ سے بچ نکلا تھا، جب اسے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو قریش کو (جو بدر کی طرف پیش قدمی کر رہتے تھے) لکھا کہ لوٹ آئیں کیونکہ کاروان بالکل بچ گیا ہے۔

جحفہ میں قریش کو یہ خط مل گیا تھا اور انہوں نے لوٹنے کا ارادہ بھی کر لیا، مگر ابو جہل مانع ہوا اور کہنے لگا بخدا ہم بدر تک تو ضرور ہی جائینگے، وہاں اترینگے، آرام کرینگے، عربوں کو خوب کھانے کھلائیں گے تاکہ ہر طرف ہماری دھاک بیٹھ جائے۔ اخنس بن شریق ابو جہل کی تجویز کی سخت مخالفت کی اور واپسی پر بہت زور دیا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی جس پر وہ ناراض ہو کر مع اپنے قبیلے لوٹ گیا۔

بنی ہاشم نے بھی واپسی کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے مگر ابو جہل نے ایک نہ سنی اور کہنے لگا واللہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ کے ہرگز نہ جانے پاؤ گے۔

رسول اللہ ؐ کی پیش قدمی

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ برابر پیش قدمی کرتے چلے آرہے تھے یہاں تک کہ شام کے وقت بدر کے قریبی کنوئیں پر پہنچ گئے اور صحابہ سے مشورہ کیا کہ کہاں اترنا بہتر ہوگا؟ خباب بن المنذر نے عرض کی یارسول اللہ ؐ مجھے اس علاقہ کا حال اچھی طرح معلوم ہے اگر اندر چل کر وسط میں اترنا پسند فرمائیں تو وہاں میٹھے پانی کی افراط ہے، ہم ابھی چل کر دشمن سے پہلے پہنچ جائینگے، پانی پر قبضہ کرلیں گے اور قرب و جوار کے کوئیں توپ دیں

گے۔

جستجوئے حالات

قریش بھی پانی پر قبضہ کرنے کی غرض سے تیز چلے آرہے تھے مگر مسلمان پہلے پہنچ گئے اور اچھی جگہوں پر قبضہ کر لیا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو حالات کی جستجو کے لئے بھیجا، وہ قریش کے دو غلام گرفتار کر لائے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ قریش کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا اس ٹیلے کے پیچھے۔ پوچھا کتنے ہیں؟ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ فرمایا "اچھا، روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" انہوں نے کہا کسی دن دس اور کسی دن نو۔ اس پر آپ نے فرمایا، "تو ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے"۔

تائید غیبی

اس رات مسلمانوں کے کوچ میں ایک بڑی سہولت اس تائید غیبی سے ہوئی کہ اللہ تعالی نے آسمان کے دروازے کھول دیئے تھے۔ مگر دونوں سمتوں میں بارش کی حالت بالکل مختلف تھی۔ مسلمانوں کی طرف زور کم تھا، چھینٹے پڑ کے رہ گئے۔ جس سے موسم خوشگوار ہو گیا، مجاہدین سے غبار سفر دور ہو گیا، دلوں اور جسموں میں تازگی آگئی، ریت بیٹھ کر زمین اس قابل ہو گئی کہ تیزی سے سفر کیا جا سکے۔ لیکن کفار کی طرف بارش موسلا دھار تھی جس سے ان کے کوچ میں سخت دقت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ مسلمان ان سے پہلے ہی پہنچ گئے، جلد جلد حوض بنا کر پانی محفوظ کر لیا اور باقی کنوئیں بند کر دیئے۔

پیشین گوئی

اس موقع پر رسول اللہؐ کے ٹھیرنے کیلئے سامنے کی پہاڑی پر سائبان بنایا گیا تھا جس

میں جانے سے پہلے آپؐ نے میدان میں ایک چکر لگایا اور انگلی کے اشاروں سے بتاتے گئے کہ اس جگہ ان شاء اللہ قریش کا فلاں سردار قتل ہوگا اور اس جگہ فلاں۔ بعد میں دیکھا گیا تو ہر شخص بتائی ہوئی جگہ پر خاک وخون میں آلودہ پڑا تھا!

رسول اللہؐ کی دعائے قبولیت

جب مشرکین کے دستے بھی سامنے آگئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں دعا شروع کی:

"اللھم ھذہ قریش جاءت بخیلھا وفخرھا جاءت تحاربك وتکذب رسولك"

"الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کر، الٰہی! میں تجھے تیرے وعدہ وعہد کا واسطہ دیتا ہوں۔"

اتنا کہنے پائے تھے کہ پیچھے سے حضرت صدیق اکبر چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے:

"یارسولؐ اللہ ابشر فوالذی نفسی بیدہ لینجزن اللہ لك ما وعدك"

"یارسول اللہؐ بشارت ہو، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کریگا۔"

تمام مسلمانوں نے بھی تضرع وزاری شروع کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو حکم ہوا:

"انی معکم فثبتو الّذین امنوا سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب" (الانفال: ۱۲)

"میں تمہارے ساتھ ہوں، تو تم ثابت قدم کردو مسلمانوں کو، میں کافروں کے دل مرعوب کرڈالوں گا۔"

اور

"انی ممدکم بالف من الملائکۃ مردفین" (الانفال: ۹)

"میں لگاتار آنے والے ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔"

کیفیت جنگ

رسول اللہ ﷺ وہاں پہاڑی پر رات بھر ایک درخت کے تنہ کے سامنے نماز میں مصروف آراہوئے۔ یہ جمعہ کی رات اور ۱۷۔رمضان ۲ھ کی تاریخ تھی۔ صبح ہوئی تو فریقین صف آرا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی صفوں کو بذات خود قائم کیا اور جنگ شروع ہوگئی۔ اس وقت آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ، کے ساتھ پہاڑی پر سائبان میں تھے اور سعد بن معاذ ایک انصاری دستہ کے ساتھ دروازہ پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ جوں جوں آتش جنگ تیز ہوتی تھی، دعا میں آپکی زاری بھی بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ عالم بے خودی اور بے خبری میں شانوں پر سے رداء مبارک بھی گر پڑی۔ حضرت صدیقؓ، نے بڑھ کر اڑھائی اور عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ آپؐ کی مناجات رب العزت تک پہنچ گئیں، وہ ضرور اپنا وعدہ پورا کریگا" عین اس وقت آپ ﷺ پر کچھ غنودگی طاری ہوگئی اور حالت جنگ میں مسلمانوں کو بھی نیند نے آگھیرا۔ ایک لمحہ کے بعد آپ ﷺ ہوشیار ہوگئے اور جوش سے فرمایا "ابو بکرؓ، بشارت ہو، یہ لو جبرائیل آگئے غبار سفر اب تک ان پر موجود ہے، اللہ تعالی نے اپنا لشکر لا اتارا، اپنے پیغمبر اور مومنین صادقین کی نصرت فرمائی، اور کفار کو ان کے قبضہ میں کردیا کہ قید کریں اور قتل کریں!" کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ جنگ کے نتیجہ نے یہ نبویؐ پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری کردی۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی کفار کو شکست نصیب ہوئی، صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے لیکن کفار کے ستر آدمی مقتول اور ستر زخمی ہوئے۔

اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی فتح

جب جنگ ختم ہوئی اور مشرکین پیٹھ پھیر کے بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کوئی دیکھو ابو جہل نے کیا کیا؟" عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر تلاش کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بے حس پڑا ہے، عفراء کے لڑکوں (معاذ و معوذ) نے ایسا وار کیا تھا کہ دشمن اٹھ نہ سکا۔ عبداللہ کو اس ہاتھوں بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، دیکھتے ہی آگے بڑھے اور داڑھی پکڑ کے کہنے لگے "تو ہی ابو جہل ہے اس نے آنکھیں کھول دیں اور بے چینی سے پوچھنے لگا فتح کس کی ہوئی؟!" انہوں نے جواب دیا "اللہ کی اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی، اے دشمن اللہ، کیا تجھے اللہ نے رسوا نہیں کر ڈالا؟" اس نے نخوت سے جواب دیا "یہ فخر اس پر جسے اس کی قوم نے قتل کر ڈالا ہے!" عبداللہ نے سر تن سے اتار لیا اور رسول اللہ کی خدمت میں لا کر ڈال دیا، آپ ﷺ نے دیکھتے ہی تین مرتبہ فرمایا:

"الله اکبر، اَلْحَمَدُ لِلهِ الذِی صَدَقَ وَعْدَهُ وَ نَصرَ عَبْدَهُ و هزم الاحزاب وحده."

"اللہ اکبر، اس اللہ کے لئے تعریف ہے جس کا وعدہ سچا ہے اور جس نے اپنے بندے کو فتح دی۔"

چلو مجھے دکھاؤ کہاں پڑا ہے؟ لاش دیکھ کر بولے یہ اس امت کا فرعون تھا۔

فتح کے اثرات

جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ اور مسلمان، قیدی اور مال غنیمت لے کر مظفر و منصور روانہ ہوئے صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت تقسیم کر دیا اور بڑی شان و شوکت سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ ہر طرف دشمنان اسلام مرعوب ہو گئے، مدینہ کے بہت سے

کفار اسلام میں داخل ہوئے جن میں ایک مشہور و معروف منافق عبداللہ بن ابی بھی تھا جو ظاہر میں مسلمان ہو گیا مگر دل میں ہمیشہ کفر و کفار ہی کے ساتھ رہا۔

فصل ۲

غزوہ احد کا بیان

وجہ جنگ

جب سرداران قریش ایک ایک کر کے بدر میں موت کے گھاٹ اتر گئے اور سرداری ابوسفیان بن حرب کے حصہ میں آئی تو اس نے عربوں کو رسول اللہؐ اور اسلام کے خلاف اکسانا شروع کیا۔ یہاں تک ماہ شوال ۳ھ میں تین ہزار جنگجو جمع کر لئے عورتیں بھی ہمراہ لیں کہ ان کے خیال سے کوئی بھاگ نہ سکے، اور بڑے سازو سامان سے مدینہ کا رخ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی ذاتی رائے

رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی صحابہؓ سے مشورہ کیا، خود آپ ﷺ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر ہی قلعہ بند ہو بیٹھیں، اگر دشمن مورچے توڑ کے اندر گھس آئے تو ایک طرف گلیوں کے موڑ اور راستوں کے سروں پر انہیں کامیابی سے قتل کیا جائے اور دوسری طرف عورتیں چھتوں پر سے سنگباری کریں۔ عبداللہ بن ابی منافق کی بھی یہی رائے تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنھم، کی رائے

لیکن بعض وہ صحابہ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے مصر ہوئے کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپ ﷺ اٹھے اور گھر سے اپنا جنگی لباس پہن کر نکل آئے ایک ہزار کی جمعیت ساتھ لی اور مدینہ میں نماز کی امامت عبداللہ ابن ام مکتومؓ، کے سپرد کر کے جمعہ کے دن چل پڑے۔

عبداللہ بن ابی کی منافقت

راستہ میں عبد اللہ ابن ابی نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنی چاہی اور یہ کہہ کر کہ "میری رائے پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے" اپنے تین سو ہمراہیوں کو لیکر لوٹ پڑا عبداللہ بن حزامؓ، دور تک سمجھاتے اور غیرت دلاتے چلے گئے مگر اس نے ایک نہ سنی اور مدینہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ ان کے حلیف یہودیوں کو مدد کے لئے بلایا جائے مگر آپ ﷺ نے اس سے قطعی انکار دیا۔

میدان اور محاذ جنگ

آپ ﷺ چلتے چلتے احد کی گھاٹی پر پہنچ گئے اور پہاڑ کو پشت پر کر کے اتر پڑے لوگوں کو تاکید کر دی کہ حکم ملے بغیر لڑائی شروع نہ کریں سنیچر کا دن ہوا تو جنگ کیلئے تیاری شروع کی مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ دشمن تین ہزار تھے جن میں پیادے بھی تھے اور سواروں کے رسالے بھی مگر ادھر کیا تھا؟ ۷۰۰ آدمی تھے جن میں پچاس سوار اور پچاس تیر انداز تھے، تاہم مقابلہ ضروری تھا۔ سب سے پہلے بات یہ کی کہ تیر اندازوں کی جماعت کو عبداللہ بن جبیرؓ، کی زیر قیادت اس درہ پر متعین کر دیا جدھر سے دشمن پس پشت حملہ کر سکتا تھا اور بڑی سختی سے حکم دیا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ آپ ﷺ نے اس دن دو زرہیں پہنیں۔ جھنڈا مصعب بن عمیرؓ، کے ہاتھ میں دیا۔

نوجوانان اسلام کا اشتیاق

نوجوانوں کو سامنے بلا کر دیکھا اور بہت کم سنوں کو لوٹا دیا جن میں عبداللہ بن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، زید بن ثابتؓ، اسید بن ظہیرؓ، براء بن عازبؓ، بڑے تھے شرکت کے لئے بہت ضد کرنے لگے تو اجازت دیدی، ان میں سمرہ بن جندبؓ، اور رافع بن خدیج تھے جن کی عمر کل پندرہ سال تھی۔

قریش کا محاذ جنگ

قریش نے بھی جنگ کے لئے صف آرائی کی، ان کے میمنہ پر خالد بن الولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔

رسول اللہؐ نے اس دن اپنی تلوار ابو دجانہؓ بن سماک بن حرشہ کو دیدی جو عرب کے ایک مشہور بہادر تھے اور جنگ کے موقعوں پر اکڑتے پھرتے تھے۔ جب طرفین کی صفیں درست ہو گئیں تو جنگ برپا ہوئی۔

آغاز جنگ

دن کے اول حصہ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا بلکہ دشمنوں کو شکست دیدی، اور بھگا کر عورتوں کے پاس پہنچادیا۔

مسلمانوں کی لغزش

تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار نے میدان چھوڑ دیا اور مسلمان مال غنیمت لوٹ رہے ہیں۔ تو صبر نہ کر سکے اور حکم رسول ﷺ کے خلاف جگہ چھوڑ کر لوٹ میں شریک ہو گئے، ان کے سردار نے لاکھ لاکھ روکا مگر طمع نے ایک نہ سننے دی اور درہ تقریباً خالی ہو گیا۔

حکم عدولی کا نتیجہ

ادھر مشرکین نے دیکھا کہ موقع اچھا ہے چنانچہ ان کے سواروں کا دستہ درہ سے نکل کر پیچھے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ اب ایک قیامت برپا ہو گئی، دوست دشمن میں تمیز اٹھ گئی۔ ۷۰ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، اکثر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے، صرف تھوڑے سے ثابت قدم رہے۔

رسول اللہ ﷺ کفار کے نرغہ میں

کفار بڑھتے بڑھتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے، چہرہ مبارک زخمی کیا، داہنی طرف نیچے کا دانت شہید کیا، سر پر خود چور کر دیا اور اتنے پتھر برسائے کہ آپ ﷺ ایک

گڑھے میں گر پڑے۔ حضرت علیؓ، نے بڑھ کے سہارے سے اٹھایا اور حضرت طلحہؓ، نے سینہ سے لگایا۔ چہرہ پر زرہ کی دو کڑیاں اس قدر پیوست ہو گئی تھیں کہ حضرت عبیدہؓ، نے دانت سے پکڑ کر کھینچنا چاہیں تو دو دانت ٹوٹ گئے۔ خون بہت جاری تھا۔(ابو سعید الخدری کے والد) مالک بن سنانؓ نے رخسار پر منہ لگا کے خون چوسا۔ مصعب ابن عمیرؓ، علمبردار آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا۔ مشرکین کا زور برابر بڑھتا جاتا تھا اور اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے پر تلے ہوئے تھے جسے اللہ پورا کرنا نہ چاہتا تھا۔

حضرت طلحہؓ، کی بہادری

تقریباً دس مسلمان یکے بعد دیگرے رسول اللہؐ کی مدافعت کرتے ہوئے قربان ہو گئے مگر دشمنوں کا نرغہ کم نہ ہوا، آخر حضرت طلحہؓ، نے شیروں کی ہیبت وسطوت سے حملہ کیا اور ان کے غول کو پیچھے ہٹا دیا۔ اس وقت عجب حالت تھی، کفار کے تیر بارش بن کر برس رہے تھے، ابو ریحانہؓ، رسول اللہ ﷺ پر سپر بنے ہوئے تھے اور اپنی پیٹھ پر تیر لے رہے تھے۔ یہ حالت تھی کہ کفار کی طرف سے نعرہ بلند ہوا کہ "محمدؐ قتل ہوئے"!! یہ سننا تھا کہ مسلمانوں میں ہلچل پڑ گئی اور اکثر بھاگ نکلے۔

حضرت انسؓ، کی جوانمردی

انس بن نضر نے مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھی جو ہاتھ پیر ڈالے مایوس بیٹھی تھی۔ پوچھا کس سوچ میں ہو؟ بولے "رسول اللہؐ تو شہید ہو گئے!" انہوں نے کہا "پھر رسولؐ کے بعد تم جی کے کیا کرو گے؟ اٹھو اور اسی راہ میں تم بھی جان دے دو جس میں اللہ کے رسولؐ نے اپنی جان دی ہے" یہ کہ کر آگے بڑھے تو سعد بن معاذ نظر آئے۔ ان سے کہا "اے سعد، احد کی طرف سے مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے" اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ بعد میں دیکھا گیا تو تیر، تلوار اور نیزہ کے ستر زخم جسم پر تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی اس دن سخت زخمی ہوئے تھے، ان کے تقریباً بیس زخم لگے تھے۔

مسلمانوں کو بشارت

جب ذرا کفار کا ہنگامہ کم ہوا تو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی طرف تشریف لائے، تمام جسم اور چہرہ زرہ میں چھپا ہوا تھا، صرف آنکھیں چمک رہی تھیں۔ سب سے پہلے کعب بن مالک نے پہچانا اور فرط جوش سے چلا اٹھے: "مسلمانو بشارت ہو، یہ رسول اللہؐ موجود ہیں!" آپؐ نے فوراً اشارہ سے چپ رہنے کو کہا۔ بچے کچائے مسلمانوں کو لیکر اس گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے جس میں پڑاؤ تھا۔ اس وقت حضرت ابو بکر، عمر، علی، حارث بن الصمۃ الانصاری وغیرھم صحابہ ساتھ تھے جب پہاڑ میں چلے گئے تو ابی بن خلف اپنے اس گھوڑے کو دوڑاتا آیا جسے مکہ میں یہ کہ کر باندھ رکھا تھا کہ "اسی پر سے محمدؐ کو قتل کرونگا" لیکن جونہی قریب پہنچا رسول اللہؐ نے حارث بن الصمہ کے ہاتھ سے حربہ لیکر وار کیا۔ اس کی گردن زخمی ہوگئی اور وہ افتاں وخیزاں بھاگا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس زخم سے جانبر نہ ہوسکے گا چنانچہ یہی ہوا اور راستہ ہی میں موت نے اسے ہمیشہ کے لئے سلا دیا۔

رسول اللہؐ کی حالت

رسول اللہ ﷺ اس قدر خستہ تھے کہ ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو چڑھ نہ سکے، آخر طلحہ بیٹھ گئے اور ان پر پاؤں رکھ کر چڑھے۔ یہیں نماز کا وقت آگیا تو بیٹھ کر باجماعت نماز ادا کی۔

فریقین کی عورتوں کی جوانمردی

اس دن مشرک اور مسلمان دونوں طرف کی عورتوں نے جوانمردی کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ مشرکوں کا علمبردار قتل ہوگیا تو عمرہ بنت علقمۃ نے بڑھ کر جھنڈا اپنے کاندھے پر اٹھالیا۔ ادھر ام عمارہ نے سخت جنگ کی۔ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن قماۃ پر تلوار سے کئی حملے کئے مگر کافر دو زرہیں پہنے تھا اس لئے کچھ اثر نہ ہوا اور انتہائی

قساوت سے الٹا انہیں زخمی کر گیا۔

ابو سفیان کی پکار

جنگ ختم ہو گئی تو ابو سفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کے پکارا" کیا یہاں محمدؐ ہیں؟" کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ پھر چلایا" ابن ابی قحافہ (ابو بکر) ہیں؟" سب خاموش رہے۔ تیسری بار پھر چلایا" عمر بن الخطاب ہیں؟" کوئی نہ بولا۔ جب ادھر سے کوئی آواز نہ آئی تو مشرکین سے پکار کر کہنے لگا" واللہ تم نے ان سب کو ختم کر دیا!"

حضرت عمر کا جواب

اب حضرت عمر سے نہ رہا گیا اور چلا اٹھے" او دشمن اللہ' ہم سب زندہ ہیں!" ابو سفیان نے کہا" اعل ھبل!" (ہبل کی جے) آنحضرتؐ نے صحابہ سے کہا جواب کیوں نہیں دیتے؟ کہنے لگے ہم کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو **"اللہ اعلی واجل"** (اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے) ابو سفیان نے کہا" لنا العزی ولا عزی لکم"، (ہمارا حامی عزی (بت) ہے' تمہارے پاس کوئی عزی نہیں!) آنحضرت نے تلقین کی کہ کہو **"اللہ مولانا ولا مولی لکم!"** (اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں!) ابو سفیان نے کہا: "آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ برابر کی ہے" حضرت عمر نے کہا" برابر کیسے ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں!"

رسول اللہ ﷺ کے زخم

صحیحین میں ہے کہ ابی حازم سے رسول اللہؐ کے زخموں کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہنے لگے" واللہ مجھے یہاں تک معلوم ہے کہ زخم کس نے دھوئے تھے، کس نے پانی ترتیرا تھا اور کون سی دوا استعمال کی گئی تھی۔ حضرت فاطمہ زخم دھوتی تھی اور علی پانی ڈالتے تھے، جب اس پر بھی خون نہ رکا تو حضرت زہرا نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم پر رکھ دیا تب کہیں جا کے خون رکا"۔

آپ ﷺ کا دانت شہید ہونا اور سر پھٹنا

صحیح بخاری میں ہے کہ دانت شہید ہوا اور سر پھٹا تو آپؐ خون ہاتھ سے سونتتے جاتے اور فرماتے تھے: "وہ لوگ کیسے فلاح پائینگے جنہوں نے اپنے نبیؐ کا سر پھوڑا اور دانت توڑا حالانکہ وہ انہیں صرف اللہ کی طرف بلا رہا تھا!" یہ بات بارگاہ الٰہی میں ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی:۔

"لیس لك من الامر شیئً أو یتوب علیهم او یعذبهم فانهم ظالمون" (ال عمران: ۱۲۷)

"تمہیں اس معالمہ میں کچھ دخل نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا سزا دے، بیشک وہ ظالم ہیں۔"

حضرت انس اور خذیفہ کی پامردی

اس قیامت خیز جنگ میں جبکہ مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تھے، انس بن النضر ثابت قدم رہے تھے، وہ بار بار حملہ کرتے اور کہتے تھے: "الٰہی! ان لوگوں (مسلمانوں) کی طرف سے تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور ان لوگوں (کفار) کی حرکتوں سے اظہار برات کرتا ہوں" حضرت حذیفہ نے دیکھا کہ مسلمان نادانستگی اور بدحواسی میں ان کے باپ کو قتل کیے ڈالتے ہیں، یہ لاکھ لاکھ چلائے "لوگو، میرے باپ کو پارہ پارہ کر دیا مگر انہوں نے اف تک نہ کی، صرف یہ کہا "یغفر الله لکم" (اللہ تمہیں معاف کرے) پھر جب رسول اللہ ﷺ نے خون بہا ادا کرنے کا ارادہ کیا تو عرض کرنے لگے: "میں خون بہا مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں" اس واقعہ نے حضرت حذیفہ کو رسول اللہؐ کی نظروں میں اور بھی زیادہ محبوب کر دیا تھا۔

سعد بن ربیع کی شہادت

زید بن ثابت سے روایت ہے کہ احد کے دن آنحضرتؐ نے مجھے سعد بن الربیع کی

تلاش میں بھیجا اور کہا "اگر مل جائیں تو سلام کے بعد کہنا رسول اللہؐ نے مزاج پوچھا ہے" زید کہتے ہیں میں نے ایک ایک کر کے تمام لاشیں دیکھ ڈالیں یہاں تک کہ وہ زخموں میں چور نظر آئے، لبوں پر دم تھا، نیزہ تیر اور تلوار کے کوئی ستر زخم جسم پر تھے۔ میں نے کہا رسول اللہؐ نے سلام کہا ہے اور مزاج پوچھا ہے۔ سنتے ہی آنکھیں کھول دیں اور بڑی بیتابی سے بولے "رسول اللہؐ پر سلام! زید، تو رسول اللہ کو کہو کہ سعد جنت کی بو سونگھ رہا ہے، اور میرے قبیلہ سے کہیو کہ اگر تمہارے جیتے جی دشمن، رسول اللہؐ تک پہنچ گئے تو کل اللہ کے ہاں کوئی عذر بھی کام نہیں آیگا!" یہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔

ایک انصاری کی نثاری

ایک انصاری خون میں لوٹ پوٹ رہا تھا، دوسرے انصاری کا ادھر سے گذر ہوا، تو یہ زخمی سے کہنے لگا "اے شخص کیا تو نے بھی سن لیا کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے؟" وہ مومن صادق بولا "اگر محمد ﷺ قتل ہو گئے تو کیا ہوا، تبلیغ حق تو کر گئے، تجھے بھی چاہئے کہ اپنے دین پر سے فدا ہو جا" اس پر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

"وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ، افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا، وسیجزی الله الشاکرین"(ال عمران : ۱٤٤)

"محمدؐ صرف ایک رسول ہی تو ہیں کہ جن سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گئے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں لوٹ جائے گا وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا"

شکست کی وجہ و فلاسفی

جنگ احد ایک بڑے معرکہ کی جنگ تھی، مسلمانوں کی شکست بلاوجہ نہ تھی، اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں اس میں پوشیدہ تھیں۔ مثلاً مسلمانوں کو (جن کی تاریخ اب شروع ہو رہی تھی) عملاً بتا دینا مقصود تھا کہ جنگ میں سپہ سالار کی اطاعت، فوج پر فرض ہے اور

نافرمانی کا نتیجہ بجز ملامت کے اور کچھ بھی نہیں۔ فرمایا:۔

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد مآ ارکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم، و لقد عفا عنکم (ال عمران: ۱۵۲)

"اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اس کے حکم سے انہیں بھگا رہے تھے، یہاں تک کہ جب نامردی کی تم نے اور پھوٹ ڈالی اور حسب منشاء نتیجہ دیکھنے کے بعد بھی تم نے نافرمانی کی۔ تم میں بعض دنیا کو چاہتے ہیں اور بعض آخرت کو، پھر پھیر دیا تمہیں ان سے تاکہ آزمائش کرے تمہاری، اور البتہ یہ خطا معاف کر دی تمہاری۔"

نتیجہ شکست

چنانچہ اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں مسلمان بہت ہوشیار رہنے اور ان تمام باتوں سے بچنے لگے جو شکست کا موجب ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ سنت الٰہی ہمیشہ سے یہی ہے کہ اگرچہ فتح آخر میں حق ہی کو ہوتی ہے لیکن درمیان میں شکست و فتح طرفین کو ہوتی رہتی ہے کیونکہ اگر ہمیشہ کامیابی حق ہی کو ہوتی رہے تو پھر مومن و کافر، صادق و کاذب کے درمیان تمیز اٹھ جائے، ہر شخص بے سوچے سمجھے اور ایمان لائے زمرہ مومنین میں داخل ہو جائے، حالانکہ حکمت الٰہی یہی ہے کہ اہل حق و اہل باطل میں امتیاز قائم رہے۔

مسلمان کا مطمح نظر

پھر اللہ تعالیٰ کو یہ بھی بتا دینا تھا کہ رسولؐ کی عمر محدود ہے، وہ ہمیشہ رہنے کو نہیں آیا، لیکن حق اٹل ہے کبھی فنا ہونے کا نہیں، مسلمان اگر حق پرست ہیں تو انکی نظر اشخاص کی موت و حیات پر نہیں بلکہ حق اور ادائے فرض پر رہنی چاہئے۔ چنانچہ مسلمانوں کو سخت زجر و توبیخ کی کہ میدان جنگ میں رسول کی شہادت سن کے ایسے بدحواس کیوں ہو گئے کہ گویا حق بھی مر گیا ہے اور وہ اللہ ہی نہیں رہا جس نے اپنے رسولؑ کے ذریعہ حق بھیجا تھا۔ فرمایا:۔

"وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل، افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا، و سیجزی الله الشا کرین" (ل عمران: ۱٤٤)

"محمدؐ صرف ایک رسول ہی تو ہیں کہ جن سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاوں لوٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاوں لوٹ جائے گا وہ خدا کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا، اللہ عنقریب شکر گزاروں کو بدلہ دے گا"

اللہ والوں کی سر فروشی

اسکے بعد ہی اللہ تعالی نے واضح کر دیا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے بہت سے انبیاء اور ان کے ساتھ بے شمار اہل حق قتل ہو چکے ہیں مگر اس سے مومنین صادقین نہ تو گھبرائے نہ مایوس ہوئے بلکہ اور زیادہ عزم و ہمت سے راہ مولی میں سر فروشی کرنے لگے۔ فرمایا:۔

"و کاین من نبی قاتل معه ربیون کثیر، فما و هنوا لما اصابهم فی سبیل الله و ما ضعفوا و ما استکانوا و الله یحب الصابرین، و ما کان قولهم الا ان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکافرین فاتاهم الله ثواب الدنیا وحسن ثواب الاخرة و الله یحب المحسنین" (ل عمران: ۱٤٨،۱۸۹)

"بہت نبی گزرے کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، اللہ کی راہ میں انہیں جو نقصان پہنچا اس سے نہ سست ہوئے، نہ کمزور پڑے، نہ ہمت ہار بیٹھے، اللہ تعالی ثابت قدموں کو پسند کرتا ہے۔ انہوں نے اس حال میں یہی کہا، پرودگار! ہماری خطاؤں کو معاف کردے، ہمیں ثابت قدم کر اور کافروں پر فتح یاب کر۔ اللہ تعالی نے اس پر انہیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ دیا۔ اللہ اچھوں کو پسند کرتا ہے۔"

قرآن میں اس جگہ کے متعلق ساٹھ آیتیں سورہ آل عمران کے آخر میں موجود ہیں اور "و اذ غدوت" سے شروع ہوتی ہیں۔

فصل ۳

غزوۃ المریسیع کا بیان

اسباب جنگ

یہ غزوہ ماہ شعبان سن ۵ ھجری میں واقع ہوا، وجہ یہ ہوئی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلہ اور قرب وجوار کے عربوں کا ایک جم غفیر لے کر رسول اللہؐ سے جنگ کرنے نکلا۔

فیصلہ جنگ

مدینہ خبر پہنچی تو آپؐ بھی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جب مریسیع نام کے مقام پر پہنچے تو حارث کی فوج خود بخود منتشر ہوگئی، مگر آپ نے حملہ کیا اور قیدی حاصل کئے۔ جن میں خود حارث مذکور کی بیٹی جویریہ بھی تھیں جو ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے روپیہ ادا کرکے آزاد کرالیا اور پھر عقد بھی کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بنی مصطلق کے قیدی جو اب مشرف بالاسلام ہو چکے تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیئے کہ: "رسول اللہؐ کے سسرالی عزیز ہیں۔"

فصل ۴

واقعہ افک

حقیقت

غزوۃ المریسیع سے "افک" کا مشہور واقعہ بھی تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت صرف اتنی تھی حضرت عائشہ اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھیں، واپسی میں جبکہ لشکر ایک جگہ پڑاؤ ڈالے تھا وہ استنجا کے لئے میدان گئیں، لوٹیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار، جو اپنی بہن سے عاریتاً لائی تھیں، گم ہے۔ فوراً تلاش میں واپس ہوئیں۔ اسی اثنا میں لشکر نے کوچ کر دیا، جو لوگ ان کا کجاوہ اونٹ پر باندھا کرتے تھے انہوں نے جلدی میں کجاوہ اٹھا کے باندھ دیا اور سمجھے کہ وہ اندر ہیں۔ یہ اس وقت کم سنی کی وجہ سے بہت ہلکی پھلکی تھیں اس لئے کجاوہ اٹھاتے ہوئے انہیں کچھ محسوس نہ ہوا۔

صفوان بن المعطل لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے تھے کہ گری پڑی چیزیں اٹھالیں، ان کی نظر جب یہاں حضرت عائشہؓ پر پڑی تو انا للہ کہہ کر سکتہ میں آگئے، وہ انہیں پہچانتے تھے کیونکہ پردہ شروع ہونے سے پہلے بارہا دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے کچھ کہا سنا نہیں، ادب سے اونٹ قریب لا کے بٹھا دیا وہ سوار ہو گئیں اور یہ خود مہار تھامے پیدل روانہ ہوئے یہاں تک کہ لشکر سے آملے۔ لوگوں نے یہ بات دیکھی تو اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق تاویلیں کرنے لگے، ابن ابی کو معلوم ہوا تو فوراً تہمت لگادی اور شہرت دینے لگا۔

لوگوں کی چہ مگوئیاں

مدینہ پہنچے تو ان افترا پردازوں نے ہر طرف شور مچانا شروع کیا۔ آنحضرتؐ اول اول بالکل خاموش رہے پھر صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علی نے اشارۃً طلاق کی صلاح دی

لیکن حضرت اسامہ وغیرہ نے اسکی مخالفت کی۔ دراصل دونوں کا نقطہ نظر مختلف تھا، حضرت علی اس طرف گئے کہ حالت شبہ کو بہر حال ختم کر دینا مناسب ہے تاکہ رسول اللہؐ کو لوگوں کی چہ مگو ئیاں سے چھٹکارا ملے۔ اسامہ نے معاملہ کا دوسرا رخ دیکھا۔ انہیں معلوم تھا کہ آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ اور ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق سے ازحد محبت ہے، اور ان کی جدائی نہایت شاق گزرے گی۔ پھر انہیں کامل یقین تھا کہ ام المومنین (حضرت عائشہؓ) کی عصمت وعفت ہر طرح کے شک شبہ سے بالاتر ہے، رسولؐ کا ساتھ غیر پارسا بیوی سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ان کی زبان سے وہی نکلا جو اور تمام اکابر صحابہ قصہ افک سن کر پکار اٹھے تھے۔

حضرت عائشہ کی براءت

اس واقعہ کے بعد کامل ایک ماہ تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، مگر جب آئی تو حضرت عائشہ کی براءت کی آیات پڑھیں تو حضرت صدیق مسرت سے اچھل پڑے اور صاحبزادی سے کہنے لگے: "اٹھو رسول اللہؐ کا شکریہ ادا کرو۔" اس موقع پر حضرت عائشہ کی خودداری و جرأت قابل ذکر ہے، انہوں نے جواب دیا: "واللہ میں ان کا ہرگز شکریہ ادا نہ کروں گی، میں صرف اپنے اللہ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری براءت نازل فرمائی" یہ جواب ان کی پاک باطنی، بلند ہمتی اور ثابت قدمی کی بہترین مثال ہے۔

تہمت لگانے والوں کو سزا

جب وحی کے ذریعہ سے براءت ثابت ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے تہمت لگانے والے لوگوں کو ۸۰، ۸۰ درے لگوائے کیونکہ تہمت لگانے کا جرم ثابت ہوگیا تھا۔

فصل ۵

غزوہ خندق

اسباب جنگ

شوال سن ۵ ہجری میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ یہودیوں نے جب احد میں مشرکین کی کامیابی اور مسلمانوں کی شکست دیکھی اور سنا کہ ابو سفیان آئندہ سال پھر حملہ کرنے والا ہے، تو انکی بھی ہمتیں بلند ہو گئیں اور ان کے سردار قریش کے پاس گئے، انہیں حملہ کے لئے اکسایا گیا اور اپنی امداد واعانت کا یقین دلایا۔ یہودیوں کے وعدوں سے قریش کو اور زیادہ جرأت ہوئی اور وہ ان کی صلاح مشورہ سے جنگ کی تیاریاں کرنے اور قبائل عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے لگے۔ تھوڑی ہی مدت میں ایک لشکر جرار فراہم ہو گیا جس میں دس ہزار جانباز مختلف قبائل عرب اور یہودیوں کے شریک تھے۔ سپہ سالاری ابو سفیان کو دی گئی۔ اور اس فوج گھاں نے سیلاب بلائن کر مدینہ کی سمت حرکت شروع کی۔

مسلمانوں کا محاذ جنگ

آنحضرت ﷺ کو اطلاع پہنچی تو صحابہ سے مشورہ کیا، سلمان فارسی نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔ آپ نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھدنے لگی جس میں علاوہ صحابہ کرام کے خود رسول اللہ ﷺ بھی شریک تھے۔ اس سے فراغت حاصل کر کے تین ہزار مجاہدوں کی جمعیت لے کر شہر سے نکلے اور خندق پر پڑاؤ ڈال دیا۔

ایک یہودی قبیلہ کی عہد شکنی

عین اسی وقت معلوم ہوا کہ بنی قریظہ (یہودی قبیلہ) نے معاہدہ توڑ دیا اور قریش

سے مل گئے ہیں۔ آپ نے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور چند دیگر صحابہ کو تحقیق حال کے لئے بھیجا۔ یہ گئے تو دیکھا کہ حالت بالکل بدلی ہوئی ہے، کل تک کے دوست آج جانی دشمن اور خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ یہودیوں نے صحابہ اور خود رسول اللہ ﷺ کی شان میں سخت گستاخی کے کلمات کہے اور علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ سعد بن معاذ غیرہ سب کچھ دیکھ کے واپس آئے اور آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔ اور اس کا اثر مسلمانوں پر بہت برا ہوا، بہت سے لوگ بد دل ہو گئے، منافقین کا نفاق کھل گیا، اور بنی حارثہ کے بعض مسلمانوں نے یہ حیلہ تراش کے واپسی کی اجازت چاہی کہ ہمارے گھر بے پناہ پڑے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا، محض لڑائی سے جی چرانے کی بات تھی۔

محاصرہ مدینہ

اسی دوران میں مشرکین کا لشکر بھی آپہنچا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ نے طوالت اختیار کی اور مسلمانوں کی تکلیف بڑھ گئی تو آنحضرتؐ نے ارادہ کیا کہ قبیلہ بنو غطفان کو مدینہ کے نخلستانوں کی ثلث فصل دے کر مشرکوں سے علیحدہ کر دیں تاکہ دشمنوں کا زور ٹوٹ جائے۔ چنانچہ ابتدائی گفتگو بھی شروع کر دی تھی، لیکن جب انصار کے سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے مخالفت کی۔ وہ کہنے لگے: "یارسول اللہ ﷺ" اگر آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں اور ہم ہر حال میں راضی ہیں۔ لیکن اگر یہ ہماری تکلیف کے خیال سے ہے تو ہمیں منظور نہیں جب ہم مشرک اور بتوں کے پجاری تھے اس وقت بھی انہیں کبھی مدینہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرات نہیں ہوئی، پھر اب جبکہ اللہ نے ہمیں مشرف باسلام کیا اور آپ ﷺ کے ذریعہ ہماری بشت پناہی کی ہے تو ہم کیسے ان کے سامنے جھک جائیں اور اپنی دولت ان کے حوالہ کر دیں؟ واللہ ہمارے پاس ان کے دینے کو تلوار کے سوا اور کچھ نہیں!" آنحضرتؐ کو یہ گفتگو نہایت پسند آئی اور فرمایا" یہ محض تمہاری مصلحت کے خیال سے تھا، کیونکہ میں نے دیکھا، تمام عرب تمہارے بر خلاف

جتھا باندھ کے امنڈا آیا ہے۔"

اللہ تعالی کی دستگیری

پورے ایک مہینہ تک محاصرہ اپنی پوری شدت سے جاری رہا، آخر اللہ تعالی نے اس نازک گھڑی میں دستگیری کی اور دشمنوں کی شکست کا سامان غیب سے کر دیا۔ ہوا یہ کہ اسی قبیلہ غطفان کے ایک شخص نعیم ابن مسعود کا دل نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔ وہ خفیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "میں اسلام لا چکا ہوں، حکم دیجئے، تعمیل کے لئے حاضر ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا "تم ایک فرد واحد ہو اور تنہا کیا کر سکتے ہو، ہاں اگر ممکن ہو تو دشمنوں میں پھوٹ ڈال دو، کیونکہ جنگ حیلہ و تدبیر کا نام ہے"۔

نعیم کی پالیسی

نعیم فوراً واپس ہوئے، ان کے اسلام کی کسی کو بھی خبر نہ تھی، پہلے بنی قریظہ کے پاس گئے، اس کے ساتھ قدیم سے دوستانہ تعلقات چلے آرہے تھے، کہنے لگے "دیکھو اب تم محمد ﷺ سے لڑائی مول لے چکے ہو، قریش کا کیا ہے، موقع پائینگے تو فائدہ اٹھائیں گے، ورنہ تمہیں محمد ﷺ کے انتقام کے حوالہ کر کے اپنے ملک چل دیں گے" وہ کہنے لگے "پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟" بولے "اس وقت تک قریش کی طرف سے لڑائی نہ کرو جب تک بطور ضمانت کے وہ اپنے کچھ آدمی تمہارے پاس نہ بھیج دیں" فریب خوردہ یہودی کہنے لگے "واقعی اچھی صلاح ہے!" ادھر قریش کے پاس پہنچے اور کہنے لگے "تم میرے خلوص اور دوستی پر اعتماد کرتے ہو!" کہنے لگے "ہاں بلاشک" نعیم نے کہا "تو سنو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہودی محمدؐ سے عہد شکنی کر کے اب پچھتا رہے ہیں، انہوں نے پیام و سلام شروع کر دیا ہے اور باہم یہ بات قرار پا گئی ہے کہ یہودی تمہارے چند سردار ضمانت کے بہانہ مانگ کر محمد ﷺ کے حوالہ کر دیں، اور پھر ان کے شریک ہو کر تم سے جنگ کریں، لہٰذا میری دوستانہ صلاح ہے کہ اگر ضمانت طلب کریں تو ہرگز نہ دینا" اس کے

بعد اپنے قبیلہ میں پہنچے اور بعینہ یہی گفتگو وہاں بھی کی۔

دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ

اب دشمنان اسلام کے دلوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی اور ہر ایک دوسرے کو آزمانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن قریش نے یہودیوں سے کہلا بھیجا "ہم یہاں پر دیس میں پڑے ہیں اور بہت کچھ مال و متاع ضائع کر چکے ہیں، لہٰذا تیار ہو جاؤ سب مل کر محمد ﷺ پر حملہ کر دیں" یہودیوں نے سنا تو نعیم کی بات یاد آگئی، کہلا بھیجا: "آج سبت (سنیچر) کا دن ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم سبت (سنیچر) میں کچھ نہیں کرتے، علاوہ ازیں جب تک ہمیں ضمانت نہ دو گے ہم تمہاری طرف سے نہیں لڑیں گے" قریش نے یہ جواب سنا تو آپس میں کہنے لگے "واللہ نعیم نے ٹھیک کہا تھا" اور یہودیوں سے کہلا بھیجا "واللہ تمہارے پاس اپنا ایک آدمی بھی نہ بھیجیں گے یہاں تک کہ ہمارے ساتھ مل کر محمدؐ سے لڑو" اس جواب سے قریظہ کو نعیم کے قول کی اور زیادہ تصدیق ہو گئی اور اس طرح دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔

تائید غیبی اور فتح

دوسری طرف یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی کا ایک ہولناک طوفان بھیج دیا جس نے کفار کو سخت بدحواس کر ڈالا اور وہ بڑی ابتری کے ساتھ فرار ہو گئے۔ اس طرح بلا کسی بڑے کشت و خون کے دشمنان اسلام رسوا و خوار ہو کر شکست یاب ہوئے اور مسلمانوں کا دبدبہ ہر طرف قائم ہو گیا۔

یہود کو عہد شکنی کی سزا

کفار کی ناکام واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ بھی شہر میں واپس آئے اور ہتھیار کھولنے لگے، عین اسی وقت حکم الٰہی پہنچا کہ بنی قریظہ کو ان کی عہد شکنی کی سزا دو۔ چنانچہ فوراً منادی کرا دی کہ ہر فرمانبردار مسلمان نماز عصر سے پہلے بنی قریظہ کی سرزمین میں

پہنچ جائے، اور خود بھی فوراً روانہ ہو گئے۔ یہودیوں نے بھی مقابلہ کیا، لیکن بالآخر مقہور و مغلوب ہوئے، جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا، قتل ہوئے، باقی قید کی ذلت میں پڑے، حتیٰ کہ کوئی نام لینے والا نہ رہا۔ سورۃ احزاب میں دونوں لڑائیوں کا حال مذکور ہے۔

فصل ۶

غزوہ حدیبیہ

تفصیل حالات

یہ غزوہ ذی القعدہ سن ۶ ہجری میں واقع ہوا، تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چودہ سو مسلمانوں کو ہمراہ لیکر عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ ایک جاسوس پہلے سے بھیج دیا تھا کہ قریش کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتا رہے۔ مقام عسفان میں پہنچے تو مخبر نے خبر دی کہ قریش نے اپنی تیاریاں مکمل کر لی ہیں، آپ سے لڑیں گے اور کعبہ کے قریب جانے نہ دیں گے۔ آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت صدیق کی رائے یہ تھی کہ اپنی طرف سے کوئی چھیڑ نہ کی جائے لیکن اگر کوئی راستہ روکے تو پھر جنگ کی جائے۔ آنحضرتؐ نے بھی یہ رائے پسند کی اور آگے بڑھے۔

راستہ میں معلوم ہوا کہ قریش نے خالد بن الولید کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے، لیکن مسلمان راستہ سے کٹ کر پرے پرے نکلے چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام غمیم میں پہنچے تو خالد نے اچانک گھوڑوں کی گرد دیکھی، جھٹ گھوڑا ڈالے مکہ پہنچے اور قریش کو خبر دی جس سے انہیں سخت تشویش ہوئی، لیکن قبل اس کے کہ ادھر سے کوئی کاروائی عمل میں آئی آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان کو مقام حدیبیہ سے یہ پیغام دیکر مکہ بھیجا کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے صرف عمرہ مقصود ہے، لہٰذا ہمیں نہ روکو"۔

قریش کی بے اعتنائی اور مسلمانوں کا اضطراب

قریش نے یہ پیغام بے پروائی سے سنا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، سے کہنے لگے: جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا، بس اب رہنے دو" ادھر بعض مسلمانوں کو بڑا قلق تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، تو مکہ میں داخل ہو گئے اور انہوں نے ضرور طواف کیا ہو گا، لیکن آنحضرت ﷺ نے سنا تو یہی فرمایا" میرے خیال میں تو عثمان رضی اللہ عنہ، نے ہرگز طواف نہ کیا ہو گا، ہم محصور ہیں وہ بھلا طواف کریں گے؟" اور واقعہ بھی یہی تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے آکر خود ہی بیان کیا کہ قریش نے بہت اصرار کیا کہ طواف کر لو، مگر میں نے منظور نہ کیا۔

صلح میں جنگ

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی، فریقین نے ایک دوسرے پر پتھر اور تیر برسائے۔ اسی دوران میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ حضرت عثمان شہید کر ڈالے گئے، اس سے مسلمانوں میں سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا، اور سب نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ لڑیں گے اور کسی حال میں بھی نہ بھاگیں گے۔

شرائط صلح

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، جلد ہی مکہ سے صحیح سالم واپس آگئے جس سے جوش ٹھنڈا ہوا اور صلح کی گفتگو از سر نو شروع ہوئی۔ شرطیں طے ہو چکیں تو آپ ﷺ نے کاتب کو بلا کر فرمایا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سہل بن عمرو، قریش کا نمائندہ تھا، "رحمٰن کے لفظ پر فوراً معترض ہوا: کہنے لگا ہم نہیں جانتے رحمٰن کون ہے؟: "باسمك اللهم" لکھا جائے جو ہمارا دستور ہے" اس پر مسلمان بگڑ گئے اور ضد کرنے لگے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہی لکھا جائیگا۔ مگر آپ ﷺ کے پیش نظر تو صلح تھی،

مسلمانوں کی برہمی

اس آخری شرط نے۔ مسلمانوں کو نہایت برہم کر دیا اور وہ آنحضرتؐ سے کہنے لگے : "یارسول اللہؐ کیا یہ شرط بھی ہم منظور کر لینگے" آپ ﷺ نے جواب دیا" ہمارا جو آدمی ان کے پاس چلا جائیگا اللہ تعالیٰ کی اس پر پھٹکار ہوگی، اور ان کا جو آدمی ہمارے پاس آجائیگا اور ہم حوالہ کر دیں گے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دیگا"۔

تکمیل معاہدہ کے بعد حکم نبویؐ

معاہدہ مکمل ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اٹھو۔ قربانی کرو اور سر منڈواؤ آپ نے مکرر سہ مکرر یہ حکم دیا، مگر مسلمان اس قدر برہم تھے کہ ایک دو کے سو کسی نے بھی تعمیل نہ کی۔ آپ ﷺ کو اس سے نہایت صدمہ ہوا اور افسردگی کے ساتھ اندر چلے گئے م المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، نے یہ حالت دیکھی تو وجہ دریافت کی آپ ﷺ نے بیان کیا کہ مسلمانوں نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی، وہ عرض کرنے لگے اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ تعمیل کریں تو کسی سے کچھ نہ کہیے خاموشی سے اٹھیے قربانی کیجئے اور حلاق کو بلا کر سر منڈوا دیجئے سب فوراً پیروی کریں گے۔ آپ ﷺ نے اس دانشمندانہ مشورہ پر عمل کیا، لوگوں نے دیکھا تو مستعدی سے قربانیاں کرنے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔

مہاجر عورتوں کے متعلق حکم

یہیں مومن عورتیں حاضر ہوئیں اور قرآن میں انکے متعلق نازل ہوا :

یا ایها الذین آمنوا اذا جآء کم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن، الله اعلم بایمانهن، فان علمتموهنّ مومنتٍ فلا ترجعوهن الی الکفار لاهن حل لهم و لا هم یحلون لهن الخ(الممتحنة: ۱۰)

اے ایمان والو، جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں، ان کا امتحان کرو۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ایمان کا حال خوب معلوم ہے، اگر تم انہیں ایمان

فرمانے لگے کچھ مضائقہ نہیں "باسمک اللھم" ہی لکھ دو۔ پھر آگے کی عبارت بتائی "ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ" (اس پر محمد رسول اللہؐ نے سمجھوتہ کیا ہے) سہل نے فوراً اعتراض کیا: "اگر ہم یہی جانتے کہ آپ ﷺ رسولؐ ہیں تو پھر جھگڑا ہی کیوں کرتے" لہٰذا محمد ﷺ بن عبداللہ لکھیے" اس پر مسلمان اور بھی زیادہ برہم ہوئے مگر آپ ﷺ نے فرمایا "گو تم جھٹلاؤ مگر میں رسول اللہؐ ہی ہوں، اچھا محمد ﷺ بن عبداللہ لکھ دو" پھر لکھانا چاہا "باہم یہ طے ہوا کہ قریش ہمارا راستہ چھوڑ دیں تاکہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کر سکیں" سہل نے اس پر بھی اعتراض کیا: واللہ ایسا نہیں ہو سکتا سارا عرب کہیگا ہم دباؤ سے ڈر گئے، البتہ آئندہ سال تم آسکتے ہو"۔ پھر حسب ذیل شرطوں پر عہدنامہ لکھا گیا:

(۱) دس سال تک جنگ و جدل موقوف رہے اور کوئی کسی کو نہ ستائے۔

(۲) مسلمان اس سال واپس جائیں، آئندہ سال آسکتے ہیں مگر اس طرح کہ نیزے اور تیر نہ لائیں، صرف تلواروں کی اجازت ہے اور وہ بھی نیاموں کے اندر بند ہوں۔

(۳) مکہ میں صرف تین دن قیام رہیگا، اس کے بعد فوراً واپسی ہوگی۔

(۴) اس دس سال کی مدت میں جو آدمی مسلمانوں کے پاس چلا جائیگا وہ اسے واپس کر دیں گے۔

---

(۱) حدیبیہ کا صلح نامہ مسلمانان ہند کے لئے ایک بہترین رہنمائی ہے، ہمیں ہندوستان آزاد کرانا ہے، ہندوستان کی آزادی سے ہمارے بہترین قومی و اسلامی فوائد وابستہ ہیں، بلکہ اسلام اور دنیائے اسلام کی سیاسی نجات اسی پر موقوف ہے، ہم ہندوستان کو آزاد نہیں کرا سکتے جب تک اہنائے وطن سے کامل صلح نہ کرلیں، جس طرح بھی ممکن ہو ہمیں یہ صلح حاصل کرنی ہے، شرطوں کی سختی نرمی کا زیادہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ بیشمار، اجتماعی، جغرافی اور مذہبی اسباب ایسے موجود ہیں جو ہماری اس صلح کو صلح حدیبیہ کی طرح "فتح مبین" کا پیش خیمہ بنا دینگے۔ کاش مسلمانوں کو عقل آئے اور اسلام کے نادان دوست بننے کی جائے دانا دوست بن جائیں۔ ہم اپنی جہالت سے اس وقت صرف ہندوستان ہی کو برباد نہیں کر رہے ہیں بلکہ اسلام کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ (مترجم)

دار سمجھو، تو پھر انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔ نہ ایمان دار عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافران کے لئے حلال ہیں۔

اس موقعہ پر قبیلہ خزاعہ آنحضرت ﷺ کی حمایت میں داخل ہوا اور قبیلہ بکر قریش کی حمایت میں۔ صلح حدیبیہ کا ذکر سورہ فتح میں موجود ہے۔

فصل ۷

غزوہ خیبر

اللہ کے وعدے کی تصدیق

حدیبیہ سے واپسی کے دس دن بعد جنگ خیبر واقع ہوئی جس میں کامل فتح اور مال غنیمت کا وعدہ اللہ تعالی نے حدیبیہ ہی میں کر لیا تھا۔ سورہ فتح میں ہے:

وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم ھذہ و کف ایدی الناس عنکم. (الفتح: ۲۰)

اللہ تعالی نے تم کو بہت سے ایسی غنیمتوں کا وعدہ دیا ہے جو تم حاصل کرو گے، اس لئے اللہ تعالی جلدوہ غنیمتیں تم کو ملادے اور دوسرے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دے (بغیر لڑائی کے حاصل ہوں۔

یہودیوں کے ساتھ معاہدہ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے کہ لڑتے لڑتے بلآخر یہودی پست ہوگئے اور اس بات پر صلح کرنی پڑی کہ جلاوطن ہو جائیں اور ہتھیاروں کے علاوہ جتنا مال و متاع اپنی باربرداریوں پر لے جاسکتے ہیں لے جائیں۔ لیکن جب جلاوطنی کا وقت آیا تو عرض کرنے لگے: "آپ ﷺ ہمیں رہنے دیں، ہم اس زمین سے خوب واقف ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی اصلاح درستگی اور حفاظت کرتے رہیئے" خودآنحضرت ﷺ اور

صحابہ رضی اللہ عنہ، کے پاس اس وقت کھیتی باڑی کے لئے آدمی نہ تھے آپ نے یہودیوں کی درخواست منظور کرلی اور جلا وطنی عارضی طور پر ملتوی کر کے آدھی بٹائی پر انہیں زمینیں دی دیں۔ معاہدہ میں کوئی میعاد مقرر نہ تھی بلکہ آنحضرت ﷺ کی خوشی پر موقوف تھا جب تک چاہیں رکھیں۔

حضرت صفیہؓ کا اسلام

اسی غزوہ میں صفیہ بنت حیی بن اخطب قید ہو کر آئیں اور اسلام لے آئیں، آپ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب کر لیا اور آزاد کر کے زوجیت میں لئے آئے، نقد مہر ادا نہیں کیا بلکہ آزادی کو مہر قرار دے دیا۔

ایک یہودن کا آنحضرتؐ کو زہر کھلانا

اسی جنگ میں ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث (زوجہ سلام بن مشکم) نے زہر ملا کر بھنی ہوئی بکری تحفۃً پیش کی جسے آپ ﷺ نے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم، نے تناول کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ کھانے والوں میں جب بشر بنؓ البراء کا انتقال ہو گیا تو اپ ﷺ نے عورت کے قتل کا حکم دے دیا۔ خود آپ ﷺ اگرچہ تین سال اور زندہ رہے لیکن وفات زہر ہی کے اثر سے ہوئی جیسا کہ مرض الموت میں فرمایا: ”خیبر میں جو لقمہ کھایا تھا اس سے ہمیشہ تکلیف ہوتی رہی، لیکن آج دماغ کی رگ ٹوٹ رہی ہے“۔

تمام یہودی قبیلوں کا مطیع ہونا

خیبر سے فراغت حاصل کر کے وادی قری کی طرف متوجہ ہوئے جہاں یہودیوں کا ایک قبیلہ رہتا تھا، اس مقام کو بھی بزور شمشیر فتح کر لیا اور باشندوں کے ساتھ اہل خیبر کا سا سلوک کیا۔ یہی حشر اہل فدک کا بھی ہوا۔ تیما کے یہودیوں کو یہ حالات معلوم ہوئے تو خائف ہوگئے اور صلح کی درخواست بھیجی جو منظور ہوئی اور اہل خیبر کی شرطوں پر ان سے

بھی معاملہ کر لیا۔ یہ تمام یہودی قبیلے حضرت عمر ﷺ کے زمانہ تک رہے، جنہوں نے خیبر اور فدک کے یہودیوں کو تو جلاوطن کر دیا مگر تیما اور وادی قری والوں کو رہنے دیا کیونکہ یہ دونوں علاقے حدود شام میں داخل تھے اور خیبر و فدک سر زمین مقدس حجاز میں کہ جس کا غیر مسلموں پاک کرنا ضروری تھا۔

فصل ۸

غزوہ فتح مکہ کا بیان

اسباب جنگ

۱۰ رمضان سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ واقعہ یوں ہے کہ قریش کے حلیف بنی بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر بلا سبب حملہ کر دیا۔ قریش نے اپنے اتحادیوں کی ہتھیاروں سے مدد کی اور خود بھی چھپ کر رات کو ان کی طرف سے لڑے اور اس طرح حدیبیہ کا معاہدہ صلح توڑ دیا۔ بنی خزاعہ کا ایک شیخ بدیل بن ورقاء فریاد لے کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فوراً تیاری شروع کر دی اور جلد سے جلد اس طرح روانہ ہو گئے کہ قریش کو خبر تک نہ ہو اور اچانک گھیر لیے جائیں

حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی لغزش

اس موقع پر ایک بدری صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے سخت لغزش ہوئی۔ جب سب لوگ تیاریوں میں مصروف تھے انہوں نے یہ کیا کہ ایک عورت کے ہاتھ قریش کو خط بھیجا جس میں من و عن سب باتیں بیان کر دیں اور صاف لکھ دیا کہ آنحضرت ﷺ تم پر یلغار کیلئے آرہے ہیں۔ مگر مشیت ایزدی یہی ہے کہ قریش بے خبری ہی میں اپنے کئے کی سزا بھگتیں، چنانچہ یہ عورت مسلمان مخبروں کے ہاتھ گرفتار ہو گئی اور حاطب کا راز فاش ہو گیا۔

لغزش کی وجہ

آنحضرت ﷺ نے حاطبؓ کو بلا کر سبب دریافت کیا، مومن صادق تھے، سچائی سے کہنے لگے: "یارسول اللہؐ میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجئے، اللہ تعالی گواہ ہے کہ میں اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر صدق دل سے ایمان لایا ہوں، نہ مرتد ہوا ہوں نہ کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے۔ اصل یہ ہے کہ میں خود تو قرشی ہوں نہیں، یونہی قبیلہ قریش کے ساتھ رہنے لگا ہوں، میرے اہل و عیال سب کے سب ان کے رحم پر ہیں، قریش میں میری کوئی ایسی رشتہ داری بھی نہیں جو ان کی حفاظت کی ضامن ہو، بر خلاف آپ ﷺ کے اور اصحابؓ کے جن کے قرابت دار وہاں موجود ہیں اور ان کے اہل و عیال کی حفاظت و حمایت کرتے ہیں، یہی سوچ کر میں نے چاہا کہ اگر رشتہ داری نہیں تو کم سے کم قریش پر ایک ایسا احسان کر دوں جس کے صلہ میں وہ میرے خاندان کا کچھ خیال کریں" آنحضرت ﷺ نے یہ جواب قبول کر لیا اور حاطب کی خطا معاف کر دی۔

مجاہدین اسلام کا لشکر جرار

جب ہر تیاریاں ہر طرح مکمل ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ دس ہزار مجاہدین کا لشکر لیکر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ، جو مع اہل و عیال ہجرت کئے چلے آرہے تھے ملے اور لشکر میں شامل ہو گئے۔ جب فوج اسلام مرالظہران نامی مقام پر پہنچی تو آپ ﷺ نے رات کو آگ جلانے کا حکم دیا اور بیک وقت دس ہزار آدمیوں نے آگ جلادی جس سے قرب و جوار کے تمام علاقے روشن ہو گئے۔ قریش کو اب تک کچھ خبر نہ تھی، انہیں ڈر تو تھا مگر یہ وہم و گمان بھی نہ گزر تھا کہ اس تیزی سے سر پر آپہنچیں گے!

حضرت عباسؓ کی خواہش

حضرت عباسؓ کو تشویش تھی اور وہ چاہتے تھے کہ قریش کو اطلاع کرا دیں تاکہ امان

حاصل کرلیں اور مکہ خونریزی سے بچ جائے۔ چنانچہ اسی ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کے خاص خچر پر سوار ہو کر نکلے اور ادھر ادھر کسی مکہ جانے والے کی تلاش کرنے لگے۔

حضرت عباسؓ کا بیان

حضرت عباسؓ خود روایت کرتے ہیں کہ :" میں اس جستجو میں پھر رہا تھا کہ اندھیرے میں ابو سفیان کی آواز سنائی دی جو بدیل بن ورقاء سے باتیں کر رہا تھا۔ ابو سفیان نے تعجب سے کہا" بدیل، واللہ میں نے آج تک اتنی آگ اور ایسا بڑا پڑاؤ کبھی نہیں دیکھا" بدیل (جو درپردہ مسلمانوں سے ملے ہوئے تھے) نے کہا" یہ قبیلہ خزاعہ کی آگ اور انہیں کا پڑاؤ ہے" ابو سفیان نے تردید کی" نہیں اتنی بڑی آگ اور ایسا بڑا پڑاؤ کسی طرح بھی خزاعہ کا نہیں ہو سکتا، خزاعہ کی تعداد بھلا اتنی کہاں ؟" حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے آواز پہچان کے پکارا :" ابو حنظلہ !" (ابو سفیان کی دوسری کنیت ہے) اس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بڑے اضطراب سے پوچھنے لگا" یہ کیا معاملہ ہے "؟ میں نے کہا" یہ رسول اللہؐ ہیں اور ان کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے، واللہ اگر تمہیں پا جائینگے، بے گردن مارے نہ چھوڑیں گے !" وہ بولا" پھر اب کیا تدبیر ہے ؟" میں نے کہا" خاموشی سے میرے پیچھے خچر پر آجاؤ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کے تمہارے لئے امان حاصل کئے لیتا ہوں" ابو سفیان نے اسے منظور کیا اور خدمت نبوی ﷺ میں پہنچتے ہی اسلام قبول کرلیا۔

ابو سفیان رضی اللہ عنہ، کا امتیاز

حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نے آنحضرت ﷺ سے یہ بھی عرض کیا کہ ابو سفیان ایک فخار آدمی ہے، اسے کوئی امتیاز عطا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :" جو کوئی ابو سفیان کے گھر میں چلا جائے گا اس کے لیئے امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں چلا جائیگا اس کے لئے امان ہے"

ابو سفیان اور اہلیان مکہ

مشرف باسلام ہو کر ابو سفیان رضی اللہ عنہ، مکہ گئے اور قریش کو باواز بلند پکارا" یہ دیکھو! محمد ﷺ لشکر جرار لئے آپہنچے، تم ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے، جو کوئی ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائیگا اس کے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائیگا اس کے لئے امان ہے!" پہلے تو قریش سخت متحیر و مضطرب ہوئے پھر ابو سفیان! رضی اللہ عنہ، پر ناراض ہو کر کہنے لگے :"اللہ تعالی تجھے غارت کرے، تیرا گھر کتنے آدمیوں کو پناہ دیگا!" پھر سب کے سب مسجد اور اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے۔

مجاہدین اسلام کا مکہ میں داخلہ

ادھر رسول اللہ ﷺ مجاہدین کے ساتھ بالائی مکہ سے شہر میں داخل ہوئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ، کو اس فرمان کے ساتھ نشیبی مکہ سے بھیجا کہ اگر کوئی قریشی تعرض کرے تو بے تکلف قتل کر کے صفا پر میرے پاس پہنچ جانا۔

حماس بن قیس رسول اللہ ﷺ کے داخلہ سے پہلے ہتھیار مہیا کر رہا تھا، اس کی بیوی نے پوچھا یہ تیاریاں کس کے لئے ہیں؟ کہنے لگا" محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے لئے" وہ کہنے لگی۔" واللہ تمہارے یہ ہتھیار محمد ﷺ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے!" اس پر وہ فخر سے بولا" اللہ تعالی کی قسم میں ان میں سے ایک دو کو پکڑ کے تیری غلامی میں رکھوں گا" پھر یہ شعر پڑھا:

ان یقبلو الیوم فمالی علة هذا سلاح کامل و آلة

(ترجمہ اگر آج وہ آجائیں تو میرے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے، یہ پورے ہتھیار اور مکمل سازو سامان موجود ہے)

اس کے بعد ہی خالد رضی اللہ عنہ، کی آمد آمد سنی اور مزاحمت کرنے کے لئے یہ بھی نکلا، معمولی چھیڑ چھاڑ ہوئی جس میں دو مسلمان اور بارہ مشرک قتل ہوئے، پھر کفا

ے قدم اکھڑ گئے اور بھگوڑوں کے ساتھ حماس بھی بھاگا، ہانپتا کانپتا گھر پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا جلد دروازہ بند کر کے مجھے بچاؤ! وہ کہنے لگی "اور وہ تمہارا فخر کیا ہوا؟!"

طواف کعبہ اور بت شکنی

رسول اللہ ﷺ نے داخلہ کے بعد کعبہ کا رخ کیا، مہاجرین و انصار، آگے پیچھے، دائیں بائیں چل رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ حضور ﷺ ناقہ پر سوار حجر اسود کی طرف بڑھے منہ سے چھوا اور سواری پر سے ہی طواف شروع کیا۔ کعبہ کے اوپر اور اس کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے تھے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں کمان تھی جس سے اس ایک ایک کو مار کے زمین پر گراتے اور فرماتے جاتے تھے:

"جاء الحق وزهق الباطل،ان الباطل كان زهوقا" (بنی اسرائیل: ۸۱)

حق آگیا اور باطل جھوٹ نکل بھگا، باطل ہی ہمیشہ شکست اٹھانے والا ہے۔

اور

"جاء الحق وما يبدى الباطل و ما يعيد!"

حق آگیا اور باطل بے بس ہو گیا۔

عجب منظر تھا، عرب کے یہ بت یکے بعد دیگرے منہ کے بل زمین پر گر رہے تھے، ان کے پرستار دیکھتے تھے مگر دم مارنے کا یارانہ تھا! اس دن اسلام کے اللہ رب السموات و الارض کا بول بالا ہوا اور اس کا گھر ہمیشہ کے لئے معبودان باطل سے پاک ہو کر توحید کا مرکز بن گیا!

طواف کے بعد عثمان بن طلحہ کو بلایا جس کے پاس خانہ کعبہ کی کنجی رہتی تھی، کنجی طلب کی اور اس پرسے تصویریں مٹادیں ان میں علاوہ اوروں کے حضرات ابراہیم و اسماعیل کی تصویر بھی تھی۔

دخول کعبہ اور قریش سے خطاب

پھر نماز پڑھی، کعبہ کے اندر داخل ہوئے، تکبیر کہی اور لوٹ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تو دیکھا قریش کی بھیڑ صفیں باندھے کھڑی ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں مخاطب کر کے حسب ذیل کلمات کہے:

"ایک اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جتھوں کو تن تنہا توڑ ڈالا۔ ہاں ہر طرح کا فخر، ہر طرح کی حق تلفی اور ہر قسم کے خون سب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں[1] صرف کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانا اس سے مستثنی ہے۔ اے قریش، اللہ تعالی نے تم سے جاہلیت کا اور باپ دادا پر گھمنڈ دور کر دیا، تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے (پھر آیت پڑھی):

یآیها الناس، انا خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوبا و قبآئل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقاکم، ان الله علیمٌ خبیر (الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمھیں نر مادہ سے پیدا کیا اور قومیں اور قبیلے بنا دیا تاکہ باہم جانو پہچانو، اللہ تعالی کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بیشک اللہ علیم و خبیر ہے۔

پھر فرمایا" قریش! تمھارے خیال میں تم سے میں کیا سلوک کرونگا؟" سب پکار اٹھے "اچھا سلوک، آپ ﷺ شریف برادر اور شریف برادر زادے ہیں یعنی:

"لا تثریب علیکم الیوم" (یوسف:۹۲) (آج تم پر کچھ بھی الزام و ملامت نہیں) جاؤ تم سب آزاد ہو!"

تولیت کعبہ

اس کے بعد صحن مسجد میں جلوہ افروز ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ہاتھ میں

(۱) یعنی جاہلیت کے زمانہ کی یہ تمام باتیں جن سے جھگڑا پیدا ہوتا تھا سب موقوف اور جو ہو چکیں سب معاف ہیں۔

خانہ کعبہ کی کنجی لیکر کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: "یارسول اللہؐ، حاجیوں کے پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ کعبہ کی تولیت کا شرف ہمیں بخش دیجئے" آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا اور عثمان بن طلحہ کو پکارا، وہ آئے تو ان کی طرف کنجی بڑھاتے ہوئے فرمایا "لو یہ کنجی لو، آج نیکی اور ایفاء عہد کا دن ہے"

نماز شکر

پھر ام ہانی بنت ابی طالب (اپنی چچیری بہن) کے گھر تشریف لے گئے، غسل کیا اور وہیں آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ وقت ضحیٰ کا تھا، اسی لئے بعض لوگوں نے غلطی سے خیال کر لیا ہے کہ صلاۃ ضحیٰ تھی، حالانکہ نماز شکر تھی جو اس فتح مبین کے شکرانہ میں ادا کی گئی تھی۔ اس کی دلیل خود ام ہانی کی حدیث میں موجود ہے کہ "اس دن سے پہلے اور پیچھے کبھی میں نے آپ ﷺ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا" علاوہ ازیں امراء اسلام اور خلفاء ہمیشہ فتوحات کے موقعوں پر اسی طرح نماز شکر ادا کیا کرتے تھے۔

فصل ۹

غزوہ حنین

وجہ جنگ

اس عظیم الشان جنگ کا باعث یہ ہوا کہ جب قبیلہ ہوازن کو رسول اللہ ﷺ کی آمد اور فتح مکہ کی خبر پہنچی تو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آں حضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو عبد اللہ الاسلمی کو جاسوسی کے لئے بھیجا، انہوں نے آکر تمام حالات بیان کئے اور آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اگر پیشقدمی کر کے دشمن کو روکا نہ جائیگا تو وہ خود مکہ پر آ کے حملہ کر دیگا۔ چنانچہ اس فیصلہ کن جنگ کے لئے خود بھی تیاری کی۔

جنگ کی تیاری

صفوان بن امیہ مکہ کا ایک بڑا رئیس تھا اور اپنے پاس بہت ہتھیار رکھتا تھا آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا" اپنے ہتھیار ہمیں دیدو کہ دشمن سے مقابلہ کریں" اس نے کہا" محمد ﷺ ! کیا میرے ہتھیار غصب کرنا چاہتے ہو؟" "نہیں بلکہ عاریۃً چاہتا ہوں" چنانچہ اس نے سو زرہیں اور اتنے ہی ہتھیار دیدئے۔

جرار لشکر کی یلغار

آنحضرت ﷺ نے کوچ شروع کیا، دس ہزار مہاجرین وانصار جو فتح مکہ میں ساتھ تھے اور دو ہزار مکہ کے باشندے ہمراہ چلے عتاب بن اسید کو مکہ کی امارت سپرد کی اور بڑے جاہ جلال کے ساتھ یہ لشکر گراں یلغاریں مارتا روانہ ہوا۔

بےخبری میں دشمن کا حملہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے کہ : ہم وادی حنین کے سامنے پہنچے تو ایک ڈھلوان وادی کو تیزی سے طے کرنے لگے، رات ختم ہوچکی تھی مگر تاریکی ہنوز پھیلی ہوئی تھی، دشمن ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا اور جھاڑیوں، موڑوں اور پر پیچ راستوں میں جابجا ہماری تاک میں چھپا بیٹھا تھا۔ ہم بالکل بےخبر چلے جارہے تھے کہ اچانک خطرہ ظاہر ہوا اور ہم ہر طرف سے بری طرح گھر گئے، دشمن نے بڑی سختی سے حملہ کیا اور مطلقاً مہلت نہ لینے دی۔

مسلمانوں کی بدحواسی اور شکست

اس ناگہانی مصیبت نے مسلمانوں کو بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری سے بھاگنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ دائیں طرف ہٹ کے کھڑے ہوگئے اور پکارنے لگے :"لوگو! کہاں؟ کہاں؟ ادھر آؤ، میں رسول اللہ ہوں! محمد ﷺ بن عبد اللہ ہوں!" لیکن لوگ بڑی بدحواسی سے بھاگ رہے تھے، کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف

چند مہاجرینؓ اور آپ ﷺ کے اہل بیتؓ باقی رہ گئے تھے۔

گنواروں کی بے تکی کلام

مکہ کے اجڈ گنواروں نے جو لشکر میں ساتھ تھے مسلمانوں کی شکست دیکھی تو دل کا بغض نکالنے لگے۔ ابو سفیان نے کہا "اب یہ بھگوڑے سمندر سے ادھر نہیں رکنے کے!" کلدہ نے کہا "لو آج سارا جادو ٹوٹ گیا!"

مسلمانوں کی جمعیت اور فتح

حضرت عباس رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے: "میں یوم حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور آپ ﷺ کے خچر کی باگیں تھامے کھڑا تھا۔ آپ ﷺ نے جب مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو چلائے: "لوگو، کہاں کہاں؟" مگر کون سنتا تھا۔ میں ایک نہایت فربہ اور بلند آواز آدمی تھا، مجھ سے فرمانے لگے: "عباس، انصاریوں کو ذرا آواز تو دو" میں چلایا "اے قوم انصار!" لوگ سنتے ہی "لبیک لبیک!! کہتے دوڑے اور رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر جنگ شروع ہوئی اور خاتمہ مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست پر ہوا۔"

مال غنیمت اور تقسیم

فتح کے بعد آپ ﷺ نے مال غنیمت اور قیدی جمع کرنے اور مقام جعرانہ میں لے جانے کا حکم دیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ چھ ہزار قیدی ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بھیڑ بکری اور ۴ ہزار اوقیہ چاندی ملی ہے۔ آپ ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ بڑی رعایت کی، دو ڈھائی ہفتہ انہیں تقسیم نہ کیا کہ شاید ان کے اعزاء مسلمان ہو کر حاضر ہوں اور لے جائیں۔ انتظار کے بعد مال غنیمت کی تقسیم شروع کی، سب سے پہلے مؤلفۃ القلوب کا حصہ لگایا۔ ابو سفیان کو ۴۰ اوقیہ چاندی اور سو ۱۰۰ اونٹ دیے، وہ کہنے لگے "اور میرے بیٹے یزید کے لئے؟" آپ نے انہیں مزید ۴۰ اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دیدیے۔ انہوں نے پھر

کہا" معاویہ کے لئے؟" آپ نے معاویہ کے نام سے بھی اتنا ہی حصہ دیدیا۔ مؤلفتہ القلوب سے فراغت حاصل کر کے باقی مال غنیمت عام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا ہر شخص کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں پڑیں۔ سواروں کو سہ گنا زیادہ دیا۔

انصار کا انتشار قلب اور برہمی

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے کہ: جب رسول اللہ نے اتنی فیاضی سے قریش اور دیگر قبائل کو مال غنیمت دیا اور انصاریوں کو کچھ زیادہ نہ ملا تو انہیں اس سے سخت رنج ہوا اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ بعضوں نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ "رسول اللہؐ اپنی قوم سے مل گئے ہیں" سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ، نے سنا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر خبر دی۔ فرمایا "انصار کو جمع کرو"

آنحضرت ﷺ کا زبردست خطبہ

پھر آنحضرت ﷺ ان میں تشریف لے گئے اور خطبہ دیا:

"انصار! یہ کیا گفتگو ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟ وہ کیا شکایت ہے جو تمہیں مجھ سے پیدا ہوئی ہے؟ کیا سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اور اللہ نے مجھے بھیج کر تمہاری ہدایت کی؟ کیا تم مفلس نہیں تھے اور اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں مالا مال کر دیا؟ کیا تم میں پھوٹ نہیں پڑی ہوئی تھی اور اللہ نے میرے ہاتھوں تمہارے دل جوڑ دئے؟"

آپ ﷺ خاموش ہوئے تو سب بیک زبان بول اٹھے "اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احسانات ہم پر بہت ہیں!" آپ ﷺ نے پھر فرمایا "انصار! تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟" کہنے لگے! یا رسول اللہؐ! کیا جواب دیں، آپ ﷺ کے ہم پر بیشمار احسان ہیں" فرمایا: واللہ اگر تم چاہتے تو جواب دے سکتے تھے جو بالکل سچ ہوتا اور جس کی حرف بحرف میں خود تصدیق کرتا۔ تم کہہ سکتے تھے: تجھے سب نے جھٹلا دیا تھا، تو ہمارے پاس آیا اور ہم نے تیری تصدیق کی! تیرا کوئی ناصر و مددگار نہ تھا، ہم نے مدد کی! لوگوں نے تجھے

نکال دیا تھا، ہم نے پناہ دی تو محتاج تھا، ہم نے دستگیری کی! اے انصار! تم صرف اتنی سی بات پر رنجیدہ ہوگئے ہو کہ میں نے دنیائے دوں دیکر کچھ لوگوں کے قلوب کی تالیف کی تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں اور تمہیں تمہارے اسلام پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا؟ انصار! کیا تم اس سے خوش نہ ہوگے کہ اور لوگ بھیڑ بکری اور اونٹ لیکر جائیں اور تم اپنے گھر رسول اللہ ﷺ کو لیکر لوٹو؟ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے جو کچھ تم لیکر لوٹو گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جسے لیکر وہ لوٹینگے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک شخص ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک راستہ سے جائیں اور انصار دوسرے سے تو میرا راستہ وہی ہوگا جو انصار کا ہے۔ انصار مغز ہیں اور تمام لوگ چھلکا۔ الٰہی! انصار پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر۔ انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم کر!!"

انصار کی تسکین قلب

اس پر اثر خطبہ سے آنکھیں اشکبار اور داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور انصاری چلائے: "ہم رسول اللہ ﷺ کو حصہ میں پاکر بہت خوش ہیں!"

فصل ۱۰

غزوہ تبوک

بناء جنگ

رجب ۹ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ رومیوں نے ملک شام میں فوجیں جمع کی ہیں، ہرقل شاہ روم نے سال بھر کی رسد دے کر ایک لشکر تیار کیا ہے، حدود عرب کے عربی قبیلے لخم و جذام و عاملہ و غسان ان کے ساتھ ہوگئے ہیں اور مقدمۃ الجیش یلغار کر کے بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔ یہ زمانہ سخت تنگی اور قحط کا تھا آنحضرت ﷺ نے مالداروں کو راہ اللہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے

تعمیل کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔

رسول اللہ ﷺ کا دستور

آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جنگ کے موقعوں پر کبھی ظاہر نہ کرتے کہ کدھر کا قصد ہے، لیکن تبوک کے موقعہ پر صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ رومیوں سے جنگ درپیش ہے کیونکہ مسافت دراز تھی اور زمانہ قحط کا تھا۔

منافقین کی حیلہ سازی

جد بن قیس سے فرمایا اے جد کیا اس سال رومیوں سے نبرد آزمائی کیلئے چلو گے ؟" اس نے حیلہ سازی کی : یارسول اللہ، کیا آپ ﷺ مجھے آزمائش سے معاف نہ رکھیں گے ؟ سب لوگ جانتے ہیں کہ مجھے عورتوں سے نہایت رغبت ہے، میں ڈرتا ہوں کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر بے اختیار نہ ہو جاؤں!" آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا" خیر نہ جاؤ" اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

و منهم من يقول ائذن لی و لا تفتنی (التوبة: ۴۹)

ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں مجھے رہ جانے کی اجازت دے دیجئے ار آزمائش میں نہ ڈالئے۔

منافقوں نے ہمتیں پست کرنا شروع کیں اور کہنے لگے اس گرمی میں نہ جاؤ، اس پر یہ آیت اتری :

و قالوا لا تنفروا فی الحرا قل نارجهنم أشدُّحراً، لو کانوا یفقهون(التوبه: ۸۱)

یہ کہتے ہیں گرمی میں کوچ نہ کرو، اے پیغمبر کہدو کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہے، کاش ان میں عقل ہوتی۔

اس موقع پر اشعریوں نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ، کو بھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے

سواریاں مانگیں، آپ ﷺ اس وقت ناراض تھے، غصہ سے قسم کھا کر فرمانے لگے: "واللہ میں تمہیں سواری نہ دونگا اور پھر میرے پاس سواری ہے بھی نہیں" اس کے بعد ہی کچھ اونٹ آگئے، آپ ﷺ کا غصہ فرد ہو گیا اور انہیں واپس بلا کر اونٹ مرحمت کر دئے۔ ساتھ ہی فرمایا "میں نے تمہیں سواری نہیں دی، لیکن وہ اللہ ہے جس نے یہ اونٹ بھیج دئے ہیں۔ میں جب قسم کھاؤنگا اور پھر دیکھوں گا کہ اس کے خلاف عمل کرنا بہتر ہے تو قسم توڑ کے کفارہ ادا کر دونگا"

علیہ کی دعائے مقبول

اسی موقع پر ایک رات علیہ بن زید رضی اللہ عنہ، نے نماز پڑھی اور رورو کے دعا کی: "الٰہی! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے لیکن مجھے اتنا نہیں دیا کہ تیرے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دے سکوں اور نہ اپنے رسول اللہ ﷺ کو اتنا دیا ہے کہ مجھے ساتھ لئے جا سکے، یا الٰہی! اگر میں جہاد کے ناقابل ہوں تو میں ہر وہ تکلیف تیری راہ میں معاف کرتا ہوں جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے، جان کی ہو یا مال کی یا آبرو کی! اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا "علیہ، تیری یہ دعا بطور زکوۃ مقبول لکھ لی گئی!"

خاتمہ جنگ، صلح اور جزیہ پر

جب تبوک پہنچے تو ایلہ کا سردار حاضر ہوا، صلح کی درخواست پیش کی اور جزیہ ادا کیا، آپ ﷺ نے اسے ایک تحریر لکھ دی جس کا مضمون یہ تھا: "یہ تحریر یحنہ بن روبہ اور اس کی قوم اہل ایلہ کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے امان ہے، اہل ایلہ اور ان کے ساتھی شامیوں، یمنیوں اور اہل بحرین کے لئے خشکی اور تری میں پناہ ہے، ان کی کشتیاں اور ان کے قافلے اللہ اور محمد ﷺ نبی کی پناہ میں ہیں۔ اگر ان کا کوئی آدمی خلاف معاہدہ کوئی کام کریگا تو اس کا مال اس کی جان کو نہ بچا سکے گا بلکہ وہ ہر کس و ناکس کے لئے مباح ہو گی۔ ان کے لئے جائز نہیں کہ خشکی یا تری میں کوئی راستہ یا جگہ کام میں آنے

سے روکیں“

عظیم الشان خطبہ

آنحضرت ﷺ نے تبوک میں ایک عظیم الشان خطبہ بھی دیا تھا جو حسب ذیل ہے:

اما بعد، فان اصدق الحديث كتاب الله، و اوثق العرى كلمة التقوى، و خير الملل ملة ابراهيم، و خير السنن سنة محمد و اشرف الحديث ذكر الله، و احسن القصص هذا القرآن و خير الامور عوازمها، و شر الامور محدثاتها، و احسن الهدى هدى الانبياء، و اشرف الموت قتل الشهداء، و اعمى العمى الضلالة بعد الهدى، و خير الاعمال ما نفع، و خير الهدى ما اتبع، و شر العمى عمى القلب، و اليد العليا خير من اليد السفلى، و ما قل و كفى خير مما كثر و الهى، و شر المعذرة حين يحضر الموت، و شر الندامة يوم القيامة، و من الناس من لا ياتى الجمعة الا دبرا، و منهم من لا يذكر الله الا هجرا و من اعظم الخطايا اللسان الكذاب و خير الغنى غنى النفس، و خير الزاد التقوى، و رأس الحكمة مخافة الله عزوجل، و خير ما وقر فى القلوب اليقين، و الارتيابُ من الكفر، و النياحة من عمل الجاهليته و الغلول حرجهنم، و الخمر جماع الاثم و شر الماكل مال اليتيم، و السعيد من و عظ بغيره، و ملاك العمل خواتمه و الرؤيا رؤيا الكذب، و سباب المئومن فسوق و قتاله كفر، و اكل لحمه من معصية الله ، و حرمة ماله كحرمة دمه، و من يعف يعف الله عنه و من يكظم الغيظ ياجره الله، و من

یصبر علی الرزیۃ یعوضہ اللہ، و من یعص اللہ یعذبہ ثم استغفر ثلاثا

اما بعد سب سے زیادہ سچی بات، کتاب اللہ ہے۔ سب سے بڑا سہارا تقویٰ ہے۔ سب سے اچھی ملت، ملت ابراہیمی ہے۔ سب سے بہتر سنت، سنت محمدیؐ ہے۔ سب سے اچھی بات، ذکر الٰہی ہے۔ سب سے عمدہ داستان، قرآن ہے۔ سب سے بہتر راستہ انبیاء کا راستہ ہے۔ سب سے زیادہ معزز موت، شہادت کی موت ہے۔ بدترین کور بصری، ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ سب سے اچھا کام وہ ہے جو نفع پہنچائے۔ سب سے اچھی راہ وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ بدترین تاریکی دل کی تاریکی ہے۔ دینے والا ہاتھ، لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو چیز کم مگر ضرورت بھر کی ہو، اس سے کہیں بہتر ہے جو زیادہ ہو غفلت میں ڈالے۔ بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ بہت لوگ ہیں جو پیٹھ پھیر کر جمعہ کا استقبال کرتے ہیں۔ بہت لوگ ہیں جو خدا کو کبھی یاد نہیں کرتے۔ سب سے بڑی خطا، جھوٹی زبان ہے۔ سب سے بڑی دولت دل کی دولت ہے۔ سب سے بہتر توشہ تقویٰ ہے۔ سب سے بڑی دانائی، مخافت و خشیت الٰہی ہے۔ دل میں راسخ ہونے والی سب سے اچھی چیز، یقین ہے۔ شک، کفر کی ایک شاخ ہے۔ میت پر نوحہ، جاہلیت کی خصلت ہے۔ مسلمانوں کے مال میں خیانت، جہنم کی گرمی ہے۔ شراب گناہ کا سرچشمہ ہے۔ بدترین ذریعہ معاش، یتیم کے مال کا کھانا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ عمل کا دار و مدار اس کے خاتمہ پر ہے۔ بدترین خواب، جھوٹا خواب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا، فسق ہے۔ مسلمان کا قتل کفر ہے۔ غیبت کر کے مسلمان کا گوشت کھانا معصیت ہے۔ مسلمان کے مال کی حرمت، اسکی جان کی حرمت کے برابر ہے۔ جو معاف کرتا ہے اللہ اسے معاف کر دے گا۔ جو غصہ پیتا ہے، اللہ سے اجر پائیگا۔ جو نافرمانی کرتا ہے، اللہ اُسے عذاب میں ڈالے گا، اس کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ کہا

(اور خطبہ ختم کر دیا)

ابو عامر کی سازش

تبوک سے واپسی پر بعض منافقوں نے سازش کی کہ راستہ میں رسول اللہؐ کو گھاٹی میں کہیں گرا دیں۔ مگر اللہ تعالی نے اپنے رسولؐ کو ان کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپؐ دوسرے راستہ سے نکل گئے۔ اسی واقعہ کی طرف " وھمّوا بمالم ینالوا"(۹ : ۷۴) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس سازش کا سرغنہ ابو عامر تھا جسے راہب بھی کہتے تھے۔ مسجد ضرار بھی اسی کے اشارہ سے تعمیر ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ ابو عامر نے منافقوں سے کہا" اپنے لئے الگ ایک مسجد بناؤ اور جہاں تک آدمی اور ہتھیار ہو سکیں، جمع کرو، میں قیصر روم کے پاس جاکر ایک لشکر عظیم لاؤں گا اور محمدؐ کو مع ان کے اصحاب کے نکال باہر کروں گا!" چنانچہ جب مسجد تیار ہو گئی تو یہ منافق خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے کہ ہم مسجد بنا چکے ہیں چل کر اس میں نماز پڑھ دیجئے تاکہ موجب برکت ہو۔ اس پر آیت نازل ہوئی:

" لا تقم فیه ابدا لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیه" (التوبة:۱۰۸)

اس میں کبھی بھی نماز نہ پڑھو، جو مسجد اول دن سے تقوی پر مبنی ہے (یعنی مسجد قبا) وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس میں نماز پڑھو۔

مسجد ضرار کے انہدام کی وجہ

مسجد ضرار ولوں نے یہی درخواست اس وقت بھی کی تھی جب آپؐ تبوک کے لئے تیاریاں کر رہے تھے، چنانچہ کہا تھا "یا رسول اللہؐ، ہم نے بیماروں حاجتمندوں اور ضروریات کے وقتوں کے لئے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے، کیا اچھا ہو اگر آپؐ دو رکعت پڑھ کر اسے متبرک کر دیں" اس وقت آپ نے جواب دیا تھا کہ " سفر در پیش ہے، پابہ رکاب ہو رہا ہوں، عدیم الفرصت ہوں، واپس آؤں تو یاد دلانا ان شاء اللہ تمہاری مسجد میں نماز پڑھ

دونگا“لیکن واپسی پر مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی وحی نے اس مسجد کی حقیقت کھول دی اور آپؐ نے مالک بن الدخشم اور معن بن عدی العجلانی کو بھیجا کہ ”اس مسجد کو جا کر ڈھا ڈالو اور جلادو!“انہوں نے ایسا ہی کیا اور مسجد والے ادھر ادھر چل دیۓ۔ قرآن میں ہے :

و الذین اتخذوا مسجدا ضراراً و کفرا و تفریقا بین المؤمنین وإرصاداً لمن حارب الله و رسوله من قبل وَلَیَحْلِفُنَّ ان اردنآ الاالحسنی، و الله یشهد انهم لکاذبون(التوبه: ۱۰۷)

اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مسلمانوں میں اور تائید میں اس کی جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے پہلے ہی لڑ رہا ھے، اگرچہ اب وہ قسم کھائیں کے کہ ہماری غرض اس سے بھلائی کی ہی تھی لیکن اللہ شہادت دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

مدینہ میں استقبال

تبوک سے رسول اللہ ﷺ مظفر و منصور واپس لوٹے تھے، سفر لمبا تھا، خطرے بے شمار تھے، چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچے اور شہر میں خوشخبری پہنچی تو لوگوں کی مسرت بے اندازہ تھی، ہر قسم کے آدمی، مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، لڑکے، لڑکیاں سب استقبال کے لئے باہر نکل آۓ مدینہ کی لڑکیوں نے ان اشعار کے شور میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا۔ :

”طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مادعا لله داع“

”بدر نے ثنیات الوداع سے ہم پر طلوع کیا!

ہمیشہ کے لئے اللہ کا شکر ہم پر واجب ہو گیا“

غلط فہمی کا ازالہ

ان اشعار کے بارے میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے، ان کی روایتوں میں ہے

کہ یہ شعر اس وقت گائے گئے تھے جب آپ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچے ہیں، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ مقام ”ثنیات الوداع“ ملک شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر۔

مدینہ میں آپ کا داخلہ ماہ رمضان میں ہوا، سب سے پہلے مسجد میں تشرف لائے، اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر لوگوں سے ملنے جلنے کیلئے بیٹھ گئے وہ جو لوگ اس مہم میں ساتھ نہیں گئے تھے آآکر معذرت کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے آپ نے سب کے ذر قبول کر لیے، کسی کو بھی اسلام سے خارج نہ کیا لوگوں کے ظاہر کو لے لیا اور دلوں کا معاملہ علام الغیوب کے حوالہ کر دیا[1]۔ ان لوگوں کی تعداد کچھ اوپر اسی تھی۔

فصل ۱۱

وفود عرب

آمد کی وجہ

فتح مکہ اور جنگ حنین نے تمام عرب پر اسلام کی دھاک بٹھادی تھی، اب عرب کے باہر تبوک کے دھاوے نے اور بھی دبدبہ بڑھا دیا اور تمام اطراف عرب سے وفد آنا شروع ہوگئے تاکہ مشرف باسلام ہوں اور امان حاصل کریں۔

وفد بنی تمیم

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب بنی تمیم کا وفد آیا تو سیدھا مسجد میں گھس گیا اور

(۱) کتب سیرت وحدیث میں کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی مدعی اسلام کو اس کے اعمال وخیالات کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہو اور کفر کی مہر اس کی پیشانی پر لگادی ہو۔ جیساکہ آج کل ہمارے نام نہاد علماء کا شیوہ ہے۔ کاش ان کو عقل آتی اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرتے۔ شریعت کا مسلم اصول ہے کہ جو شخص اسلام کا مدعی ہے، کوئی اسے ملت سے خارج نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ وہ خود اس دروازہ سے نکل جائے جس سے اللہ کے دین میں داخل ہوا تھا۔ (مترجم)

چلانا شروع کیا: "محمد ﷺ! باہر آؤ" آنحضرت ﷺ کو اس شوروغل سے اذیت ہوئی جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

ان الذين ينادونك من ورآء الحجرات اكثرهم لايعقلون (الحجرات: ٤)

جو لوگ تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے وقوف ہیں۔

بنی تمیم کے وفد میں ان کا قومی شاعر "زبرقان" بھی تھا، وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے قبیلہ کے مفاخر سنانے لگا، اس کا ایک شعر ہے:

نحن الملوك فلا حى يعادلنا
منا الملوك و فينا تنصب البيع

ترجمہ: ہم بادشاہ ہیں، کوئی ذی روح (یا قبیلہ) ہماری برابری نہیں کر سکتا۔ ہم میں بادشاہ ہوتے ہیں اور ہمارے ہی اندر عبادت خانے قائم ہوتے ہیں۔

زبرقان کا قصیدہ ختم ہوا تو شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت کو جوش آگیا، انہوں نے ایک نہایت مؤثر اور بلیغ قصیدہ پڑھا جس کے چند شعر یہ ہیں:

ان الذوائب من فهر و اخوتهم
قد بينوا للناس سنة تتبع

ترجمہ: "فہر (قریش) کے سرداروں اور ان کے بھائیوں نے دنیا کے لئے ایک ایسی راہ کھول دی ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے"

يرضى بهم كل من كانت سريرته
تقوى الاله وكل الخير يضطنع

ترجمہ: "انہیں ہر وہ شخص پسند کرتا ہے جس کے باطن میں خدا کا خوف ہے اور جو

ہر طرح کی نیکی کے کام کرتا ہے۔

قوم اذا حاربوا ضر واعدوهموا
اوحاولو النفع فی اشیا عهم نعغوا

ترجمہ: "یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب لڑتے ہیں تو دشمن کو نیچا دکھاتے ہیں۔ اور دوستوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو بے کھٹکے نفع پہچاتے ہیں"

سجية تلك فيهم غير محدثة
ان الخلائق فاعلم شرها البدع

ترجمہ: "یہ ان کی ایک ایسی خصلت ہے جو جبلی ہے بناوٹ نہیں۔ بدترین خصلت وہ ہے جو بناوٹ سے ہو"۔

بنی تمیم کا قبول اسلام

حضرت حسان کا قصیدہ ختم ہوا تو رئیس وفد اقرع بن حابس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "یقیناً یہ شخص (یعنی آنحضرت ﷺ) با اقبال ہے، اس کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ گویا اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ بلیغ ہے" یہ لوگ اسلام لے آئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، اور ان کے تمام قیدی جو ایک لڑائی میں پکڑے آئے تھے چھوڑ دیئے!

وفد عبد القیس

صحیحین میں ہے کہ جب قبیلہ "عبد القیس" کا وفد حاضر ہوا تو رسالت پناہ ﷺ نے دریافت کیا "تم کون لوگ ہو؟" عرض کیا: "ہم قوم ربیعہ سے ہیں فرمایا: "خوش آمدید" تمہارے لئے نہ رسوائی ہے نہ ندامت!" عرض کرنے لگے: "یارسول اللہ ﷺ ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں، ہم صرف موسم حج ہی

میں حاضر ہو سکتے ہیں، آپ ﷺ ہمیں ایک مختتم بات بتا دیجئے کہ اس پر عمل کریں، لوگوں کو اس کی تعلیم دیں، اور جنت سے شاد کام ہو جائیں۔" فرمایا: چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں: میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ واحد پر ایمان لاؤ جانتے ہو ایمان کیا ہے؟ شہادت دو کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور مال غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) بیت المال میں داخل کیا کرو۔ چار چیزوں سے منع کرتا ہوں ...... : (آپ نے انہیں چار قسم کے برتنوں میں کھجور بھگونے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ برتن عموماً شراب کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں)۔

وفد بنی

ابو اسحاق کی روایت ہے کہ بنی حنیفہ کا وفد حاضر ہوا اور اسلام لایا، مسیلمہ کذاب بھی اس میں موجود تھا، لیکن واپسی پر وہ مرتد ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے ساتھ اپنی نبوت کا اعلان کرنے لگا۔ اس نے قرآن کے مقابلہ میں مسجّع عبارتیں بھی بنائیں چنانچہ ایک عبارت یہ بھی تھی:

لقد انعم الله علی الحبلی، اخرج منه نسمة تسعی من بین صفاق وحشی

اللہ نے حاملہ پر احسان کیا، اس سے ذی روح کو نکالا جو چلتا ہے، مابین صفاق (جسم کی اندرونی جلد) اور معدہ کے۔

نماز معاف کر دی، شراب اور زنا کی اجازت دے دی، بنی حنیفہ کے بہت سے سادہ لوح اس کے دھوکے میں آگئے اور گمراہ ہوئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا تھا کہ:

من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله، اما بعد فانی اشرکت فی الامر معك، و ان لنا نصف الامر ولقریش نصف

الامر ولیس قریش قوما یعدلون

مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف۔ امابعد، میں تمہارا ساجھی بنا دیا گیا ہوں، آدھی بادشاہت ہمارے لئے ہے اور آدھی قریش کے لئے لیکن قریش انصاف کرنے والے لوگ نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جواب تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"من محمد رسول الله الی مسیلمة الکذاب، سلام علی من اتبع الهدی، اما بعد فان الارض لله یورثها من یشاء من عباده و العاقبة للمتقین"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف، سلام اس پر جو ہدایت پر چلے، امابعد، زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اس کا وارث بنادے، نتیجہ پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

وفد نجران

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک وفد حاضر ہوا، عصر کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوا اور اپنی نماز پڑھنا چاہی، لوگ منع کرنے اٹھے، مگر آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو روکا اور لوگوں کو مسجد میں عبادت کی اجازت دے دی (۱)

مسجد میں مناظرہ

یہیں مسجد نبوی میں مدینہ کے یہودی احبار اور نجرانی رہبان میں مناظرہ بھی ہو گیا

---

(۱) اس سے ثابت ہوا کہ غیر مسلم مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں اپنی عبادت بھی کر سکتے ہیں۔ صدر اول میں مساجد ہی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی انجمنوں کا مرکز تھیں اور تمام قومی اور ملکی معاملات انہیں میں انجام پاتے تھے۔

یہودی حبر نے کہا "ابراہیم (علیہ السلام) یہودی تھے" عیسائی راہب نے کہا: "بلکہ عیسائی تھے" اس پر آیت نازل ہوئی:

يآ اهل الكتاب لم تحآجون في ابراهيم و ما انزلت التوراة والانجيل الا من بعده، افلا تعقلون(٦٥) هآ انتم هؤلاء حاججتم فيما لكم به علم فلم تحآجون فيما ليس لكم به علم و الله يعلم و انتم لا تعلمون (٦٦) ما كان ابراهيم يهوديا و لانصرانيا ولكن كان حنيفا مسلما و ما كان من المشركين (٦٧) ان اولى الناس بابراهيم للذين اتبعوه و هذا النبي والذي امنوا والله ولي المؤمنين (ال عمران: ٦٥ تا ٦٨)

اے اہل کتاب ابراہیم کے بارے میں کیوں لڑتے ہو؟ توراۃ اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی ہیں، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ تم وہ ہو کہ ایسی باتوں میں جھگڑا کر چکے ہو جس کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ ابراہیم یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ سب سے پھرے ہوئے اللہ کے فرمانبردار تھے اور مشرک بھی نہ تھے۔ ابراہیم سے خصوصیت کے بڑے حق دار تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اور یہ پیغمبر اور مومنین، اللہ مومنوں کا مدد گار ہے۔

یہودی و عیسائی راہبوں کا سوال

یہ سن کر ایک یہودی بول اٹھا: "اے محمد ﷺ! کیا تم ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہو کہ تمہاری اسی طرح پرستش کریں جس طرح عیسائی، عیسیٰ بن مریم کی کرتے ہیں؟ عیسائی راہب نے بھی یہی سوال کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا

"معاذ اللہ ! بھلا یہ کیونکہ ممکن ہے کہ میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کروں یا کسی کو ایسا کرنے کا حکم دوں، اللہ نے اس لئے بھیجا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے" اس پر قرآن نازل ہوا:

ما كان لبشر ان يؤتيه الله الكتب و الحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عباد الى من دون الله ، و لكن كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتب و بما كنتم تدرسون، و لايامركم ان تتخذوا الملائكة والنبيين اربابا، ايامركم بالكفر بعد اذ انتم مسلمون (۳:۷۸، ۷۹)

کسی انسان کو بھی شایان نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور پیغمبری عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بنو، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ اللہ پرستش ہو اس لئے کہ تم دوسروں کو کتاب الہی پڑھاتے رہے ہو، اور وہ تم سے کبھی نہیں کہے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب مانو، بھلا اسلام لاچکنے کے بعد وہ تمہیں کفر کرنے کا حکم دیگا؟

مسیح کے بارے میں آپ ﷺ سے مناظرہ

اس کے بعد عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کو مناظرہ کی دعوت دی اور کہا "ہم عیسائی ہیں اور ہماری قوم بھی عیسائی ہے۔ ہم مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں آپ ﷺ کی رائے سننے کے مشتاق ہیں تاکہ لوگوں کو اس سے مطلع کریں" آپ ﷺ نے جواب دیا "آج میں کچھ نہیں کہہ سکتا، کل جو کچھ مجھے بتا دیا جائیگا اس سے مطلع کر دونگا" چنانچہ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی :

ان مثل عيسى عند الله كمثل ادم ، خلقه من تراب ثم قاله كن فيكون، الحق من ربك فلا تكن من الممترين فمن حآجك فيه من

بعد ما جآئك من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائكم و نسائنا و نسائكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين(ال عمران: ۵۹ تا ۶۱)

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ جسے اللہ نے مٹی سے پیدا کیا اور کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا، اے پیغمبر ﷺ! یہ حق تیرے اللہ کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ پس اس علم کے بعد اگر کوئی تجھ سے حجت کرے تو کہہ دے کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے تیئں پھر سب مل کے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت طلب کریں۔

آنحضرت ﷺ کا مباہلہ

صبح آپ ﷺ نے انہیں ارشاد الٰہی سنایا اور اقرار چاہا۔ انہوں نے انکار کیا تو دوسرے دن صبح آپ ﷺ حضرت حسن و حسین کو گود میں لئے ان کی طرف روانہ ہوئے حضرت فاطمہؓ پیچھے پیچھے چل رہی تھیں اور ان سے مباہلہ کے لئے کہا۔ مگر انہیں جرات (۱) نہ ہوئی۔ بالآخر وہ صلح اور امان کے طالب ہوئے۔ اور آپ ﷺ نے اہل نجران کو تحریری امان دیدی۔

(۱) مناظرہ کے باب میں اسوۂ نبوی ﷺ یہ تھا، دور از کار یونانی منطق کی کج بحثیاں نہ ہوتی تھیں، سیدھی سادھی بول چال تھی، دعوی تھا، دعوے پر مابین دلیل تھی، اگر مخاطب نے اعراض کیا تو معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا حق یہ ہے، نہیں مانتے تو اللہ تمہاری ہدایت کریگا یا عذاب نازل کریگا۔ کاش ہمارے علماء بھی اسی راہ پر چلتے اور روز روز کے مناظروں سے اور مباحثوں سے پرہیز کرتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مناظرہ نے کبھی کسی کی ہدایت نہیں کی، بلکہ ہمیشہ طرفین کی گمراہی کا باعث ہوا، مناظرہ درحقیقت عداوت کا سرچشمہ ہے، اسلام مناظروں سے نہیں پھیلا، اگر علماء کو اشاعت اسلام منظور ہے تو لفاظیوں سے نکل کر اپنے اخلاق درست کریں اور دنیا کے سامنے خلق اسلامی کا نمونہ بن کر آئیں، لیکن موجودہ حالات میں اس کی امید کم نظر آتی ہے، حب جاہ، طمع اور ریاکاری کا ہم پر اس قدر غلبہ ہے کہ خاموش کام پسند نہیں کرتے اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون!(مترجم)۔

باب ۴

مقدمات و تعزیرات

احادث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو ایک الزام پر قید کیا تھا۔

فصل اول

قصاص

عورت کے بدلہ مرد کا قتل

صحیحین میں ہے ایک یہودی نے ایک عورت کا سر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کر توڑ ڈالا، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح توڑا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کے بدلہ مرد قتل کیا جائیگا۔

سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی سزا

احمدؒ ونسائی وغیرہ میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میری ملاقات اپنے ماموں ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی، وہ جھنڈا اٹھائے جا رہے تھے، دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس شخص کو قتل کر ڈالوں اور اس کے مال و متاع پر قبضہ کر لوں جس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے محرمات سے جو زنا کرے اسے قتل کر ڈالو"

دانت توڑنے کی سزا

صحیحین میں ہے کہ نضر کی بیٹی اور ربیع کی بہن نے ایک لڑکی کے طمانچہ مارا اور اس کا دانت ٹوٹ گیا، رسول اللہ ﷺ تک معاملہ پہنچا، آپ ﷺ نے قصاص کا حکم دیا۔ ام ربیع رضی اللہ عنھا (مجرمہ کی ماں) نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ، کیا آپ ﷺ اس پر بھی قصاص جاری کریں گے؟ واللہ یہ نہیں ہو سکتا!" آپ ﷺ نے فرمایا" سبحان اللہ ام ربیع رضی اللہ عنھا اللہ کا حکم، قصاص، ہے!" کہنے لگیں، نہیں واللہ، آپ ﷺ اس پر ہرگز قصاص جاری نہیں کریں گے" اسی اثناء میں باہم صلح ہو گئی اور لڑکی والوں نے دیت قبول کرلی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جن کی قسم وہ اپنے مقابلہ میں بھی پوری کرتا ہے"۔

مدافعت میں نقصان

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ دانت سے کاٹ کھایا، اس نے ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ تک شکایت پہنچی، فرمایا: مست اونٹ کی طرح اپنے بھائی کو کاٹ کھاتے ہو، جا تیرے لئے کچھ بھی دیت نہیں" اس سے ثابت ہوا کہ مدافعت کرتے ہوئے ظالم کا جو کچھ بھی نقصان ہو جائے مظلوم اس کا ذمہ دار نہیں۔

بغیر اجازت کسی کے گھر جھانکنا

صحیحین میں ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "اگر بغیر اجازت کوئی تمہیں جھانکے اور تم اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو، تو تم پر کوئی الزام نہیں" دوسری روایت میں ہے: اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانکے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس پر نہ دیت ہے نہ قصاص"

صحیحین میں ہے کہ "ایک شخص آنحضرت ﷺ کے حجرہ میں جھانکنے لگا، آپ چھری کا پھل لے کر نکلے اور اسے مارنے کے لئے موقع ڈھونڈنے لگے"

حاملہ کا ارتکاب قتل

ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ قتل عمد کی مرتکب ہو، تو اس وقت تک قتل نہ کی جائے جب تک بچہ جن نہ لے اور بچہ کی کفالت نہ ہو جائے۔

باپ بیٹے کے عوض

احمدؒ و نسائیؒ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کے عوض باپ قتل نہ کیا جائے۔

فصل ۲

زنا کی سزا کا بیان

اقبال و انکار جرم

سنن میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا اور عورت کا نام بتایا۔ آپ ﷺ نے عورت کو طلب کیا، اس نے انکار کیا، آپ ﷺ نے عورت کو چھوڑ دیا اور مرد کے درے لگائے۔ اس سے دو مسئلے صاف ہو گئے: ایک یہ کہ اگر عورت جھٹلا دے تو مرد پر حد جاری کر دی جائیگی، دوسرے یہ کہ صرف زنا کی حد جاری ہو گی، قذف کی نہ ہو گی۔

(یعنی سنگسار نہ کیا) جائیگا۔

لونڈی غلاموں پر حد کا اجراء

اگر لونڈی زنا کرے تو درے لگانے کا حکم دیا ہے مسلم میں ہے: "اگر کسی کی لونڈی زنا کرے تو چاہئے کہ درے لگائے" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لوگو، اپنی لونڈی غلاموں پر حد جاری کرو، عام اس سے کہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی لونڈ ینے زنا کیا تھا اور آپ ﷺ نے مجھے اس درے لگانے کا حکم دیا تھا۔

فصل ۳

شرابی کی سزا

سزا مقرر نہیں

آنحضرت ﷺ نے شراب پینے والے کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارنے کا حکم دیا ہے۔ نیز گن کر چالیس درے بھی لگائے ہیں جس کی پیروی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے بھی کی ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شارب خمر کو اسی درے لگائے تھے۔ لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ، کا قول ہے کہ شراپینے والے کی کوئی مقرر سزا شریعت نے نہیں بتائی۔

شرابی کا قتل

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ چوتھی یا پانچویں مرتبہ میں شرابی کو آپؐ نے قتل کر

ڈالنے کا حکم دیا۔ احادیث قتل کے راویوں میں ایک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، بھی ہیں جو فرماتے ہیں: "چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو میرے پاس لاؤ، میں خود تمہاری طرف سے اسے قتل کردونگا"

فصل ۴

متفرق اعمال

قیدی

آنحضرت ﷺ نے بعض قیدوں کو قتل کیا، بعض کو احسان کر کے چھوڑ دیا، بعض سے فدیہ قبول کر لیا، بعض کو مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں دے دیا، بعض کو غلام بنایا، لیکن کسی بالغ قیدی کا غلام بنانا ثابت نہیں۔

مال غنیمت

بیت المال میں داخل ہونے والے مال کی تین قسمیں ہیں: زکاۃ، غنیمت، فیئی۔ زکاۃ کا مصرف "انما الصدقات (۹ : ۶۰) والی آیت میں بتایا گیا ہے۔ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ قرآن میں ہے :۔ (ا۔ فئی، اس مال غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔)

"و اعلموا انّما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ" (الانفال: ٤١)

سمجھ لو کہ مال غنیمت جو تمھیں ملے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے۔

رہے باقی چار حصے تو غنیمت حاصل کرنیوالوں کا حق ہے: سوار کے تین حصے اور پیدل کا ایک حصہ سلب(ا) قاتل کا حق ہے۔ (ا۔ سلب وہ مال و ہتھیار ہیں جو مقتول کے پاس حالت قتل میں ملیں)۔

ا۔ فئے اس مال غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔

دشمن سے وفاء عہد

مسیلمہ کذاب کے قاصد آئے اور کہنے لگے "ہم مسیلمہ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہیں" فرمایا "اگر قاصد قتل نہ کئے جاتے ہوتے تو میں تمہیں قتل کر ڈالتا" احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی پابندی کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ابو جندل کو قریش کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن جب عورتیں ائیں تو ان کے دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک عورت سبیعہ الاسلمیہ مسلمان ہو کر آگئی، اس کا شوہر واپس لینے آیا، اس پر قرآن میں آیت نازل ہوئی:

"یآ ایها الذین آمنوآ اذا جاء کم المومنات مهاجرات فامتحنوهن ، الله اعلم بایمانهن، فان علمتموهنّ مومنات فلاترجعوهن الی الکفار، لاهن حل لهم و لا هم یحلون لهنّ واتوهم ماانفقوا الخ (الممتحنة: ۱۰)

"مسلمانو، جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آجائیں تو تم انکے ایمان کی جانچ کرو (یوں تو اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے، پس اگر تم ان کو مومن سمجھ لو تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، کیونکہ یہ عورتیں نہ ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں، اور جو کچھ کافروں نے ان پر خرچ کیا ہے، وہ ان کو ادا کرو"

رسول اللہ ﷺ نے اس سے قسم لی کہ صرف اسلام کی وجہ سے اس نے گھر چھوڑا ہے، خاندان میں کوئی برا کام نہیں کیا ہے اور نہ اپنے شوہر سے عداوت رکھتی ہے۔ اس نے قسم کھائی، آپؐ نے شوہر کو اس کا مہر واپس کر دیا اور عورت واپس نہ جانے دی۔

امان

"صحیح حدیث میں ہے: مسلمانوں کے خون برابر درجہ کے ہیں، اور ان کا ادنیٰ ترین

فرد بھی امان دے سکتا ہے"

آپ ﷺ کی چچیری بہن ام ہانی نے دو آدمیوں کو پناہ دی اور آپ ﷺ نے قبول کر لی، اسی طرح اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا، کی پناہ ان کے شوہر ابو العاص بن الربیع کے حق میں منظور کر لی اور فرمایا: 'ایک ادنی مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے"

جزیہ

نجران اور ایلہ کے باشندوں سے جزیہ لی جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھے۔ اہل دومتہ الجندل سے جزیہ لیا جن میں اکثر عرب تھے۔ نیز مجوسیوں اور یمن کے یہودیوں سے جزیہ قبول کیا۔

سفارش

بریرہ سے اس کے شوہر کے حق میں سفارش کی کہ اس کے عقد میں پھر آجائے اس نے عرض کی: "یہ آپ ﷺ کا حکم ہے؟" فرمایا "نہیں، صرف سفارش کرتا ہوں" کہنے لگی تو "مجھے منظور نہیں!" اس جواب سے آپ ﷺ ذرا بھی ناراض یا رنجیدہ نہیں ہوئے۔

صدقہ خریدنا اور کھانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کو منع فرمایا کہ صدقہ خریدیں اگرچہ ایک ہی درہم میں ملتا ہو۔ لیکن آپ ﷺ نے اس گوشت میں سے تناول کیا جو بریرہ کو بطور صدقہ ملا تھا اور جسے اس نے ہدیۃً آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا فرمایا "یہ بریرہ کیلئے صدقہ ہے، اور ہمارے لیے اس کی طرف سے ہدیہ ہے"۔

بیوع

صحیحین میں ہے: اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے شراب، مردہ جانور، سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کردی ہے" اس سے معلوم ہوا کہ تین قسم کی چیزوں میں تجارت حرام ہے: ایسے تمام عرق جو عقل برباد کرتے ہیں۔ ایسے تمام کھانے جو مزاج بگاڑتے ہیں۔ ایسی تمام اشیاء جو دین میں فساد ڈالتی ہیں۔

باب ۵

رسول اللہ ﷺ کے احکام

فصل ۱

نکاح کے احکام

خطبہ

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نکاح اور دوسرے اہم موقعوں کے لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم، کو ذیل کا خطبہ سکھایا تھا:

" الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و سيئات اعمالنا، من يهد الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادى له و اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله، يا ايها الذين آمنوا اتقو الله حق تقاته و لاتموتن الا و انتم مسلمون. يا ايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة و خلق منها زوجها و بث منهما رجالا كثيرا و نساء و اتقوا الله الذى تساء لون به و الارحام ان الله كان عليكم رقيبا يا ايها الذين امنوااتقوا الله و قولوا قولا سديدا يصلح لكم اعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما."

ہر قسم کی ستائش اللہ تعالی کے لئے ہے، ہم اسی کی ستائش کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے پناہ چاہتے ہیں اپنے نفوس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے جسے اللہ تعالی ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ ہدایت سے محروم کر دے اسے راہ راست دکھانے والا کوئی نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ بجز اللہ تعالی کے کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ مومنو! اللہ تعالی سے ایسا ڈرو جیسا حق ہے اور اسی حال میں مرو کہ تم مسلمان ہو، لوگو، ہم نے تمہیں ایک ذات پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد عورتیں پھیلائے، اس اللہ تعالی سے ڈرو جس کے نام سے مانگتے ہوں آپس میں اور ڈرو قرابت کے معاملہ میں، اللہ بلاشک تم پر نگہبان ہے، مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کہو، تاکہ تمارے لئے تمہارے عمل درست کردے، تمہارے گناہ تمہیں معاف کردے، جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے بلا شک عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔ شعبہ رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں میں نے ابو اسحاق رضی اللہ عنہ، سے پوچھا کیا یہ خطبہ صرف نکاح کے لئے ہے؟ کہا بلکہ سب کاموں کے لئے ہے۔

تلقین دعاء

حدیث میں ہے: جب تمہیں کوئی عورت، خادم، یا سواری ملے تو اس کو پیشانی سے پکڑلو، پس بسم اللہ کہو، اللہ تعالی سے برکت چاہو اور دعاء کرو:

"اللهم انی أسئلكَ خیر ها و خیر ما جبلت علیه و اعوذبك من شرها و شرما جبلت علیه"

الٰہی، میں اس کا طالب ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے اور اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے۔

شادی کی مبارک باد

جب کسی کی شادی ہوتی تو آپ ﷺ اسے اس طرح مبارک باد دیتے :

" بارك الله لك و بارك عليك و جمع بينكما في خير"

اللہ تعالی تجھے خوشحال کرے، برکت دے اور تم دونوں کو خیر وخوبی اکٹھا رکھے۔

بیوی سے صحبت کرنے کے وقت کی دعا

حدیث میں ہے: جب اپنی بیوی کے پاس جانے لگو، بسم اللہ کہواور یہ دعاء پڑھاکرو :

"بسم الله اللهم جنبنا الشيطان و جنب الشيطان مارزقتنا"

الٰہی ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو کچھ تو نے ہمارے نصیب میں لکھا ہے (یعنی اولاد) اسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔

تو اگر اس جماع سے بچہ پیدا ہونا مقدر ہوا ہے، شیطان اسے ہرگز نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

نکاح کی ترغیب

آنحضرت ﷺ نے امت کو تاھل و تزوج کی (شادی کر کے) زندگی اختیار کرنے کی رغبت دلائی ہے۔ حدیث میں ہے: نکاح کرو کیونکہ تمہاری کثرت سے میں قوموں پر فخر کروں گا" اور فرمایا: "میں خود نکاح کرتا ہوں، جو کوئی میری سنت سے منہ موڑے، میری جماعت سے نہیں" اور فرمایا "نوجوانو! جو تم میں سے نکاح کر سکتا ہے، نکاح کرے، کیونکہ نکاح، نظر اور نفس دونوں کو محفوظ رکھتا ہے، اور جسے اس کی مقدرت نہ ہو، چاہئے کہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ اس کے لئے روک ہے" اور فرمایا: "دنیا سراسر عیش ہے اور دنیا کا سب سے بڑا عیش صالح بیوی ہے"

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا: سب سے بہتر عورت کون ہے؟: فرمایا "وہ جو اپنے شوہر کی نظر میں بھلی معلوم ہو، اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہو اور اپنے مال و نفس میں اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرتی ہو"

صحیحین میں ہے: عورت سے شادی یا تو اس کے مال کی وجہ سے کی جاتی ہے، یا عزت کی وجہ سے یا حسن کی وجہ سے، یا دین کی وجہ سے، تم دیندار بیوی پاکر بازی لے جاؤ"

آپ ﷺ کا دستور تھا کہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دیتے اور بانجھ عورتوں کو ناپسند کرتے تھے۔

عورت کی اجازت

صحیحین میں ہے کہ خنساء بنت جذام کا نکاح اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف کر دیا تھا وہ بالغ اور کتخدا تھی، اس نے آکر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے نکاح باطل کر دیا۔

سنن میں ہے کہ ایک دوشیزہ کی شادی باپ نے خلاف مرضی کر دی، وہ حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے اختیار دے دیا کہ نکاح چاہے رکھے، یا رد کر دے۔

صحیح حدیث میں ہے: "ناکتخدا کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے نہ کیا جائے، اس کی اجازت خاموشی ہے" عملاً فیصلہ بھی اسی طرح کیا کہ ناکتخدا کی اجازت اس کی خاموشی قرار دی اور کتخدا کی اجازت، زبان سے قرار۔

حدیث میں ہے: "اگر انکار کرے تو مجبور نہ کی جائے"

اذن ولی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی عورت بغیر اپنے ولی کی اجازت کے خود نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے، اگر شوہر سے مقاربت ہوگئی تو مہر کی مستحق ہوگی، اگر آپس میں جھگڑا ہو تو جس کا کوئی ولی نہیں،

حاکم اس کا ولی ہے" (ترمذی)

صحیح حدیثوں میں ہے: "ولی کے بغیر نکاح نہیں" اور فرمایا: عورت، عورت کا نکاح نہ کرے، اور نہ عورت اپنا نکاح کرے، کیونکہ زانیہ اپنا نکاح آپ کیا کرتی ہے!"

مہر کی تعین

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو ۱۲۔ اوقیہ مہر دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے کہ میرے علم میں آنحضرت ﷺ نے ۱۲۔ اوقیہ (۱) سے زائد مہر نہ اپنی ازواج کو دیا اور نہ اپنی لڑکیوں کو دلایا۔ (ا۔ آدھ سیر سے کچھ کم)۔

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص شادی کی فکر میں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: "کچھ لاؤ اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو" لیکن جب اس سے اتنا بھی میسر نہ ہوا تو فرمایا: "اچھا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا ہاں، فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں، چنانچہ انہیں سورتوں کے یاد کرا دینے کو مہر قرار دیکر اس کا نکاح کر دیا۔

مسند امام احمدؒ میں ہے کہ فرمایا "سب سے زیادہ برکت اس نکاح میں ہوتی ہے جس میں سب سے کم زیر باری ہو" (۲)

ایک شخص نے بغیر مہر مقرر کئے نکاح کر لیا اور خلوت سے پہلے مر گیا، آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ کیا عورت کو اس کی ہمعصر عورتوں کے برابر مہر دیا جائے، میراث دی جائے اور وہ خود چار مہینے دس دن عدت بیٹھے۔

---

(۱) ۔آدھ سیر سے کم کچھ

(۲) پاک وہند میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا رواج بہت عام ہے، لوگ لاکھوں روپیہ کا مہر باندھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لینا دینا تو ہے نہیں پھر زیادہ مہر سے گھبرائیں کیوں؟ یہ طریقہ نکاح کو فاسد کر ڈالنے والا ہے۔ اگر یہ نہ کہا جائے تو اسے سخت مکروہ تو ضرور بنا دیتا ہے، اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی شادیوں میں برکت نہیں ہوتی۔ (مترجم)۔

ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص سے دریافت کیا: ''کیا تم پسند کرو گے اگر تمہاری شادی فلاں عورت سے کردوں؟'' اس نے کہا ہاں پھر عوت سے پوچھا ''کیا تو پسند کرے گی کہ تجھے فلاں شخص سے بیاہ دوں؟'' اس نے بھی رضامندی ظاہر کی چنانچہ دونوں کا عقد کر دیا، دونوں میں خلوت بھی ہوئی مگر کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ کا وصال ہونے لگا تو آپ ﷺ نے خیبر کے حصوں میں سے ایک حصہ عورت کو مہر کے عوض دے دیا۔

حاملہ سے نکاح

کتب سنن میں بصرہ بن اکثم رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے کہ میں نے ایک ناکتخدا سے نکاح کیا، خلوت پر معلوم ہوا کہ حاملہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فیصلہ کیا چونکہ خلوت ہو چکی ہے، اس لئے اس کا مہر ادا کر دو، پھر دونوں کو جدا کر دیا اور ولادت کے بعد عورت کے درے لگائے۔

مشروط نکاح

صحیحین میں ہے کہ فرمایا: ''جو شرطیں سب سے زیادہ پورا کرنے کی ہیں، وہ وہ شرطیں ہیں جن پر تم اپنے لئے عورتوں کو جائز کرتے ہو۔

صحیح حدیث ہے: ''عورت کو نہیں چاہئے کہ اپنی بہن کی طلاق طلب کر کے خود اس کی جگہ چلی جائے، کیونکہ اس کے لئے وہ ہے جو اس کی قسمت میں تھا''

صحیحین میں ہے کہ: ''عورت نکاح میں اپنی بہن (۱) کی طلاق بطور شرط نہ رکھے''

مسند امام احمدؒ میں ہے: یہ حلال نہیں کہ ایک عورت کی طلاق دوسری کے نکاح کی شرط ہو''

---

۱) یہاں بہن سے مراد حقیقی ہیں، کیونکہ ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن کا عقد ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ بہن کے لفظ سے مراد یہ عورت ہے جیسا کہ آگے کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے (مترجم)

شغار

صحیح مسلم میں ہے: "اسلام میں شغار نہیں" شغار یہ ہے کہ بلا مہر کے دو شخص ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں بیاہ دیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے کہ شغار یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے سے کہیں کہ اپنی لڑکی مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں، اپنی بہن مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہو"

تحلیل (۱)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے محلل اور محلل لہ دونوں پر لعنت کی ہے" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فرمایا: "مانگا ہوا بکرا محلل ہے، اللہ کی لعنت محلل لہ دونوں پر"

نکاح محرم

صحیح مسلم میں ہے: "حالت احرام میں محرم نہ اپنا نکاح کرے نہ دوسروں کا کرائے"

(۱) "تحلیل" یہ ہے کہ مطلقہ عورت سے اس لئے نکاح کیا جائے کہ وہ پھر اپنے قدیم شوہر کے لئے جائز ہو جائے۔ حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے، قرآن میں ہے "...... حتی تنکح زوجا غیرہ ...... یعنی طلاق دینے والے کے لئے اس کی مطلقہ پھر جائز نہیں یہاں تک کہ دوسرے مرد کے نکاح میں جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جب کبھی یہ دوسرا مرد طلاق دیدے تو پھر شوہر کے لئے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہو گا۔ مگر علماء سوء نے یہ حیلہ نکالا کہ رات بھر کے لئے مطلقہ کا نکاح دوسرے مرد سے کر دیتے ہیں اور وہ صبح طلاق دے دیتا ہے جس کے بعد وہ پہلے خاوند کی پھر بیوی بن جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ دوسرا عقد محض لفظی ہوتا ہے اور خلوت کی نوبت بھی نہیں آتی ظاہر ہے یہ تلاعب بالدین کی بدترین صورت ہے مصر میں اس کا بہت رواج ہے خود بہت سے علماء ایسا کرتے ہیں، تحلیل کی باقاعدہ "ایجنسیاں" بنی ہوئی ہیں جن میں جامع ازہر کے بہت سے طلباء یہ پیشہ کرتے ہیں! ہندوستان میں بھی کم و بیش اس کا رواج موجود ہے، معلوم ہوا ہے بنگال کے ایک مشہور سن رسیدہ پیر نے اسی نیت سے اپنے ایک مرید کی مطلقہ سے نکاح کر لیا تھا، پھر جب دیکھا کہ وہ عورت خوبصورت ہے تو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ غریب مرید سر پیٹ کر رہ گیا۔ "محلل" اسے کہتے ہیں جو تحلیل کرتا ہے اور "محلل لہ" جس کے واسطے تحلیل کی جائے، یعنی مطلق اور مطلقہ۔ (مترجم)

چار عورتوں سے زائد

ترمذی میں ہے کہ غیلان اسلام لایا تو اس کے پاس دس بیویاں تھیں، آنحضرت نے فرمایا "چار رکھ کے باقی سب کو علیحدہ کر دو"

فیروز دیلمی اسلام لایا تو اس کے تصرف میں دو بہنیں تھیں، فرمایا "دونوں میں جسے چاہو رکھ لو"

آپ ﷺ نے نکاح میں عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی، خالہ اور لڑکی کے جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

زوجین میں سے اگر کوئی اسلام لے آئے

سنت نبوی ﷺ سے ثابت نہیں کہ اگر زوجین میں سے ایک پہلے اسلام قبول کرے اور دوسرا بعد میں تو نکاح کی تجدید کی جائے یہ نہ آپ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بلکہ آپ ﷺ کا عمل اس کے خلاف تحقیق ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کی صاحبزادی زینب کے واقعہ میں ہوا جو شروع بعثت میں اسلام لے آئی تھیں اور جن کے شوہر پورے ۱۸ سال بعد مشرف باسلام ہوئے۔ مگر آپ ﷺ نے بلا تجدید نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کر دیا۔ بعض راویوں نے اس باب میں بھی ٹھوکر کھائی ہے اور کہہ دیا کہ دونوں کے اسلام کے مابین چھ سال کی مدت تھی حالانکہ یہ صریح غلطی ہے البتہ چھ سال کی مدت دونوں کی ہجرت کے مابین تھی۔

بیویوں کے درمیان دنوں کی تقسیم

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سنت نبوی ﷺ یہ ہے کہ نکاح کے بعد شوہر کو ناکتخدا کے پاس مسلسل سات دن رہنا چاہئے اور کتخدا کے پاس تین دن، اس کے بعد اپنی بیویوں کے مابین دنوں کی تقسیم شروع کر دے۔

نکاح میں کفؤ کی شرط

ترمذی کی روایت ہے: "جب تمہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس کا دین اور اخلاق پسند کرتے ہو تو چاہئے اس سے نکاح کر دو، ایسا نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ و فساد پھیلے گا"

بنی بیاضہ سے فرمایا تھا: ابو ہند سے شادی بیاہ کا رشتہ جوڑو" حالانکہ وہ فصد کھولنے کا پیشہ کرتے تھے۔

آپ ﷺ نے اپنی پھوپھیری بہن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا تھا جو آپ ﷺ کے غلام تھے۔ اسی طرح فاطمہ بنت قیس الفہر یہ کا نکاح اسامہ بن زید سے کر دیا تھا جو آپ ﷺ کے غلام زادہ تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ عبد الرحمٰن بن عوف قرشی کی بہن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بیاہ دی تھی جو ایک زر خرید حبشی غلام تھے۔

اگر عورت یا مرد میں عیب ہو؟

مسند احمدؒ میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک غفاری عورت سے عقد کیا، جب خلوت میں گئے تو اس کے پہلو میں سفیدی نظر آئی، فوراً علیحدہ ہو گئے اور مہر میں سے کچھ واپس نہ لیا۔ مؤطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "جو کوئی ترغیب دلا کر کسی کا نکاح ایسی عورت سے کرا دے جو مجنون ہو یا جذام یا برص کی بیماری میں مبتلا ہو تو خلوت ہو جانے کی صورت میں عورت کو مہر مل جائیگا اور مہر کی یہ رقم ترغیب دینے والے سے وصول کی جائیگی"۔

سنن ابو داؤد میں ہے: "عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دے دی اور قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے شادی کی" عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں شکایت کی: "یارسول اللہ ﷺ، اس کا میرے ساتھ تعلق ایسا ہے جیسے یہ بال! (اور اپنے سر کی ایک لٹ لے کر دکھائی) لہذا آپ ﷺ میرے اور اس کے درمیان جدائی

کرا دیجئے" آپ ﷺ نے ابو رکانہ سے فرمایا: "طلاق دے دو"۔

ابن سیرین کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو تحصیلداری پر بھیجا، اس نے ایک عورت سے عقد کیا، اس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، کیا تم نے عورت سے اپنا حال بتادیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ اسے بتاؤ اور اختیار دے دو رہے یا الگ ہو جائے"۔

زن و شوہر کے مابین کام کی تقسیم

ابن حبیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین کام کاج کی تقسیم اس طرح کی تھی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے اندر کا سب کام کریں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے باہر کا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (اپنے شوہر) کے گھر کا سب کام کیا کرتی تھی ان کے پاس ایک گھوڑا بھی تھا، میں اسے ملتی دلتی اور چارہ پانی دیا کرتی تھی، گھر میں ڈول سیتی تھی، پانی پلاتی تھی، اور تین فرسخ پر ان کے نخلستان سے کھجور کا بوجھ سر پر رکھ کے لایا کرتی تھی"۔

فصل ۲

طلاق کا بیان

طلاق الغضبان

حدیث میں ہے: "غصہ میں طلاق نہیں ہوتی" اور فرمایا: "اللہ تعالی نے میری

امت کو اس کے دل کے خیالات میں معاف کیا ہے یہاں تک کہ منہ پر لائے یا عمل کرے"

اور فرمایا: "عمل کا اعتبار نیت سے ہوتا ہے" اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے اس کی بھول چوک اور غلطی معاف کر دی ہے نیز جو کام اس سے جبراً کرایا جائے"۔

حالت حیض میں طلاق

صحیحین میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا" فرمایا: "کہو رجوع کر لیں، یہاں تک کہ پاک ہو، پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو، اس کے بعد چاہئے رکھیں یا خلوت سے پہلے طلاق دیدیں، یہی وہ میعاد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کی ہے"

مسند احمدؒ اور ابو داؤد و نسائی میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: "جب پاک ہو جائے خواہ طلاق دے دینا یا رکھ لینا"

طلاق کے طریقے

طلاق کے چار طریقے ہیں دو حلال ہیں اور دو حرام۔

حلال طریقے یہ ہیں: "حالت طہر میں بغیر خلوت کے طلاق دے یا حمل کے اچھی طرح ظاہر ہونے کے بعد دے"

'حرام طریقے یہ ہیں کہ: حالت حیض میں طلاق دے یا حالت طہر میں خلوت کے بعد" یہ حکم ان عورتوں کے متعلق ہے جو تصرف میں آچکی ہوں، لیکن جن کے ساتھ سرے سے خلوت ہی نہیں ہوئی، انہیں حالت حیض و طہر ہر حال میں طلاق

دی جا سکتی ہے۔ قرآن میں ہے:

لاجناح علیکم ان طلقتم النسآء ما لم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ (البقرۃ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے عورتوں کو طلاق دے دو۔ اور فرمایا:

یا ایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ (الاحزاب: ۴۹)

"مومنو! جب عورتوں سے نکاح کرو اور اگر انہیں ہاتھ لگائے بغیر چھوڑ دو تو تمہیں حق نہیں کہ ان کو عدت بٹھاؤ اور گنتی پوری کراؤ۔ (یعنی ان پر کوئی عدت نہیں)۔

بیک دفعہ تین طلاق

آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ ﷺ نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا: "میں ابھی تمہارے مابین زندہ موجود ہوں اور لوگ کتاب اللہ سے کھیل کرنے لگے"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری حکم

مسلم کی روایت ہے: "عہد نبوی ﷺ، خلافت صدیقی اور دو سال آغاز خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں طلاق ایک ایک کر کے ہوتی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی حالت دیکھ کر کہا، انہوں نے اس معاملہ میں بڑی بے باکی اختیار کر رکھی ہے حالانکہ اس میں غور و فکر کا حکم دیا گیا تھا، ہم ایسی طلاق کو نافذ کئے دیتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دیکھا کہ بیک دفع تین طلاقیں

دینے میں بہت پیشقدی کرنے لگے ہیں تو اس قسم کی طلاق کو نافذ (۱) کر دیا۔

ایک وقت میں صرف ایک طلاق

مسند احمدؒ میں ہے : "رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں، پھر بہت پشیمان ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی" فرمایا" تو نے کس طرح طلاق دی ہے"؟ کہا تین طلاقیں۔ فرمایا" ایک ہی مجلس میں"؟ کہا ہاں فرمایا" تجھے ایک وقت میں صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا، جی چاہے رجوع کرلے" انہوں نے رجوع کر لیا۔

ایک اور تین طلاق کا واضح فرق

غور کرو حضور نے فرمایا" صرف ایک مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا" یہ اس لئے کہ جو چیز یکے بعد دیگرے کرنے کی ہے اسے بیک دفعہ کر دینے کا اختیار نہیں۔

مثلاً لعان میں اگر کوئی ایک دفعہ اس طرح کہہ دے کہ میں چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کو حاضر کر کے کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں، تو اس کا کہنا صرف ایک مرتبہ شمار ہوگا، چار مرتبہ نہ ہوگا۔

---

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ محض تعزیرا کیا تھا جس کا امام کو حق ہے، تعزیری احکام ہمیشہ موقت ہوتے ہیں اور ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد قانون اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ تعجب ہے اصحاب فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم لے کر بیٹھ گئے ہیں اور اب تک اسے نافذ کرتے ہیں حالانکہ اب اس کی ضرورت نہیں خصوصاً ہندوستان میں۔ علماء کا فرض ہے کہ طلاق جیسے اہم معاملہ میں کتاب اللہ کو قائم کریں اکثر ہوتا ہے کہ غصہ میں لوگوں کے منہ سے تین طلاقیں نکل جاتی ہیں، جس کے بعد سخت شرمندہ ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ سنت نبوی ﷺ دونوں ناطق ہیں کہ اس قسم کی طلاق طلاق بائن نہیں، لیکن ہمارے علماء فوراً زن و شوہر کو جدا کر دیتے ہیں اور اپنی تقلید کے چلتے سینکڑوں گھروں کی خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ اگر علماء نہیں تو عام مسلمانوں کو چاہئے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں اور حکم شرعی معلوم ہو جانے کے بعد مولویوں کے مقلدانہ فتوے کی پرواہ نہ کریں۔ (مترجم)

یا مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ مرتبہ سبحان اللہ وغیرہ کہنے کو فرمایا ہے، اگر کوئی اس طرح کہے کہ میں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہتا ہوں تو کیا اس کا شمار ۳۳ مرتبہ ہو جائیگا۔ ظاہر ہے کہ نہیں۔

اسی طرح جب طلاق کے لئے یہ حکم ہے کہ تین زبانوں میں ایک ایک کر کے دی جائے تو بیک دفعہ تین طلاقیں دے دینا تین پر محمول نہ کیا جائے گا، بلکہ اس کا حکم ایک طلاق کا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ

عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مومن عورت دعوی کرے کہ شوہر نے طلاق دے دی، پھر ایک شاہد عادل پیش کرے تو شوہر سے قسم لینا چاہیئے، اگر قسم کھالے کہ طلاق نہیں دی تو عورت کا دعوی باطل ہو جائے گا، لیکن اگر قسم نہ کھائے تو اس کا یہ انکار بمنزلہ دوسرے گواہ کے ہو جائیگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

ظہار (۱)

کتب حدیث میں ہے کہ اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی خولہ بنت مالک سے ظہار کیا۔ خولہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بڑی دلیری سے گفتگو کی۔ کہنے لگیں کہ "یارسول اللہ! اوس نے مجھ سے اس وقت رشتہ جوڑا جب میں جوان اور خوبصورت تھی، اور ہر شخص میری طرف میلان رکھتا تھا۔ لیکن اب جبکہ بوڑھی ہو گئی اور پیٹ اولاد سے خالی ہو گیا تو مجھے اپنی ماں کی جگہ بتاتا ہے" آنحضرت ﷺ نے سب قصہ سن کر فرمایا: تمہارے معاملہ میں میرے پاس کوئی حکم نہیں ہے" اس پر وہ مایوس ہو کر کہنے لگیں "الہی! اب تجھ سے میرا شکوہ! روایت ہے کہ خولہ نے یہ بھی کہا تھا کہ "میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر باپ کے پاس رہیں گے، خراب ہونگے،

(۱) ظہار یہ ہے کہ شوہر عورت سے کہے تو میری ماں کی جگہ ہے۔

میرے پاس رہیں گے، بھوکے مریں گے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ واقعہ بیان کرتی ہیں "ستائش ہے اس اللہ تعالیٰ کے لئے جو سب کی صدائیں سنتا ہے، خولہ بنت ثعلبہ، رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے خاوند کی شکایت لے کر آئی، میں گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھی تھی اور کچھ کچھ باتیں سن رہی تھی، اسی کے بارے میں آیت نازل ہوئی:

قد سمع اللہ قول التی تجادلك فی زوجها و تشتکی الی اللہ(المجادلة: ۱)

اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی گفتگو سن لی جو اے پیغمبر ﷺ تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کرتی اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اب تیرے شوہر کو ایک غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کرنا چاہئے" وہ کہنے لگی "اتنی مقدرت نہیں" فرمایا "دو مہینے مسلسل روزے رکھے" کہنے لگی "بہت بوڑھا ہے" فرمایا "اچھا، ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے" کہنے لگی "اس کی بھی استطاعت نہیں" فرمایا "میں ایک ٹوکرا دے کر اس کی مدد کروں گا" اس نے کہا "میں بھی ایک ٹوکرے سے مدد کرونگی" فرمایا "شاباش! جاؤ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے ابن عم کے ساتھ رہنے سہنے لگو"۔

ایلا (۱)

بخاری میں ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی ٹانگ میں چوٹ آگئی تھی، آپ ﷺ نے ازواج سے ایلاء کیا تھا۔ چنانچہ ۲۹ دن علیحدہ بالا خانہ میں رہنے کے بعد اترے اور گھر جانے لگے۔ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے تو مہینہ بھر کا ایلاء کیا ہے۔ فرمایا: مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے" قرآن میں ہے:

للذین یؤلون من نسآئهم تربص اربعة اشهر ، فان فآءُوا فان اللہ

(۱) ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ انسان بیوی کے پاس ایک معین زمانہ تک نہ جانے کا ارادہ کرلے (مترجم)

غفور رحیم، و ان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم"
(البقرۃ: ۲۲۶، ۲۲۷)

جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کریں، عورتیں چار مہینے انتظار کرینگی، جس کے بعد اگر شوہر رجوع کر لیں تو اللہ تعالی مغفرت اور رحم کرنے والا ہے، لیکن اگر طلاق کا عزم کر لیں تو اللہ تعالی سمیع و علیم ہے۔

اولاد کا والدین کے مشابہ نہ ہونا

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی: "یارسول اللہ میری بیوی کے کالا لڑکا پیدا ہوا ہے" اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میرا نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں" کہنے لگا "ہیں" کس رنگ کے ہیں؟" کہا سرخ ہیں فرمایا ان میں کوئی بھورا بچہ بھی ہے؟ کہا ایک ہے" فرمایا "تو یہ بھورا اونٹ کہاں سے آگیا؟" کہنے لگا "شاید نسل میں کوئی سیاہ اونٹ ہوگا جس پر پڑا ہے" فرمایا: "تو اسی طرح شاید تمہارے خاندان میں کوئی کالا آدمی ہوگا جس پر لڑکا پڑا ہے"

طلاق کے بعد بچہ کس کے پاس رہے؟

ابو داؤد میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ یہ میرا بچہ ہے، میرا پیٹ اس کے لئے برتن تھا، میری چھاتی اسے سیراب کرتی تھی اور میری گود اس کے لئے گہوارہ تھی، اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے" فرمایا: جب تک تو دوسرا عقد نہ کرے اس کی زیادہ مستحق ہے"۔

حدیث میں ہے کہ ایک لڑکے کو آپ ﷺ نے اختیار دیا تھا کہ چاہے باپ کے پاس رہے، چاہے ماں کے پاس۔

فصل ۳

عورت کا نان نفقہ

عرف عام

عورت کو کتنا نان نفقہ دیا جائے؟ اس کے متعلق کوئی حکم وارد نہیں، بلکہ اسے عرف عام کے حوالہ کر دیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ وفات سے چند ماہ پہلے حجۃ الوداع کے عظیم الشان مجمع میں فرمایا تھا: "عورتوں کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالی کی ضمانت پر لیا، اور اس کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، تمہارے ذمہ ان کا اچھا نان نفقہ ہے" صحیحین میں ہے کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ "ابو سفیان بخیل آدمی ہے اتنا خرچ نہیں دیتا کہ مجھے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو، میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال سے کچھ لے لیا کرتی ہوں" فرمایا "خیر خواہی کے ساتھ ضرورت بھر کا لے لیا کرو"۔

نان نفقہ نہ ہو تو طلاق دیدو

دار قطني کی روایت ہے کہ جس شخص کے پاس اپنی بیوی کے لئے نان نفقہ نہ ہو، رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ یہ ہے کہ طلاق دیدے ابو الزناد کی روایت ہے کہ میں نے سعید بن المسیب سے پوچھا: "جس کے پاس نان نفقہ نہ ہو، کیا وہ اپنی بیوی سے جدا کر دیا جائیگا"؟ کہا "ہاں" کیا یہ سنت ﷺ ہے؟ "کہا ہاں یہ سنت ہے"

طلاق بائن میں نفقہ

مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو جب ان کے شوہر نے طلاق بائن دیدی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں اس سے نان نفقہ اور گھر کا مطالبہ کیا، تو خود ان کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے نان اور گھر نہیں دلایا بلکہ ابن مکتوم کے مکان میں جا کر عدت بیٹھنے کا حکم دیا (جو اندھے تھے اور انہیں دیکھ نہ سکتے تھے)۔

نسائی نے بھی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قصہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "نفقہ اور گھر اس عورت کے لئے ہے جس کے شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہے۔ اس کی مصلحت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے: لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ (الطلاق: ۱) (شاید اللہ تعالی اس کے بعد) یعنی طلاق کی ابتدائی آیات میں ہے کہ طلاق رجعی کی حالت میں نہ شوہر بیوی کو گھر سے نکالے اور نہ بیوی خود گھر سے نکلے کیونکہ شاید باہم صلح ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر طلاق بائن ہو جائے یا صلح کی کوئی امید باقی نہ رہے تو عورت گھر میں نہ رہے۔ یہی مذہب علماء سلف کا ہے۔

نفقۃ الاقارب

ابو داؤد کی روایت ہے: ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا: کس سے سلوک کروں"؟ فرمایا "اپنی ماں سے، باپ سے، بہن سے بھائی سے، اپنے قریبی چچیرے بھائی (یا غلام) سے، یہ ایک حق ہے جس کا ادا کرنا واجب اور قرابداری کا فرض ہے" نسائی میں ہے: "دینے والا ہاتھ اونچا ہے سب سے پہلے انہیں دو جن کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے مثلاً تمہاری ماں، باپ، بھائی پھر وہ جو تمہیں زیادہ قریب ہیں" ابو داؤد میں ہے: "سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو تمہاری اپنی کمائی کا ہو، تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے، لہذا دل کے چین کے ساتھ اپنی اولاد کا مال کھاؤ پیو"۔

فصل ۴

رضاعت

صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ولادت کی بنا پر جتنے رشتوں میں نکاح حرام ہے اتنے ہی رشتوں میں رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے خواہش کی گئی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی کو زوجیت میں قبول کر لیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا: "وہ میرے لئے جائز نہیں کیونکہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے، جو کچھ نسب سے حرام ہے وہی رضاعت سے بھی" ابو داؤد میں ہے یہ رضاعت وہی معتبر ہے جو گوشت پیدا کرے اور ہڈی بڑھائے"(۱)۔

فصل ۵

عدت

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں عدت کو تفصیل سے بتایا ہے اور اس کی چار صورتیں قرار دی ہیں:

(۱) حاملہ کی عدت، وضع حمل ہے عام اس سے کہ اسے طلاق بائن دی گئی ہو، یا رجعی یا اس کا شوہر فوت ہو گیا ہو۔ فرمایا:

و اولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن (الطلاق : ٤)

(۱) اس سے ثابت ہوا کہ رضاعت میں ایک دو قطرے ایک دو گھونٹ دودھ پینا معتبر نہیں جیسا کہ جُہلا خیال کرتے ہیں

حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے، حتی کہ اگر شوہر کے دفن سے پہ
ہی وضع حمل ہو جائے تو بھی عدت پوری ہو گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فتوی موج
ہے۔

(۲) حیض والی مطلقہ کی عدت، تین طہر ہیں۔ فرمایا:

و المطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء (البقرۃ : ۲۲۸)

طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں۔

(۳) اس مطلقہ کی عدت جسے حیض نہیں آتا (عام اس سے کہ یہ کم سنی کی وجہ سے ہو یا کبر سنی کی وجہ سے) تین مہینے ہے۔ فرمایا:

و اللائی یئسن من المحیض من نسآء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن (الطلاق : ٤)

جو عورتیں حیض سے مایوس ہیں اور جنہیں حیض نہیں آتا، ان کی عدت تین مہینے ہے۔

(۴) بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ فرمایا:

و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھرو عشرا (البقرۃ: ۲۳٤)

جن عورتوں کے شوہر مر جائیں وہ چار مہینے اور دس دن انتظار کریں۔

یہ حکم ان بیواؤں کا ہے جو حاملہ نہ ہوں، کیونکہ حاملہ کا حکم دوسرا ہے، جس کی عدت بہر حال وضع حمل ہے، عام اس سے کہ وضع حمل عدت کے اندر ہو جائے یا بعد تک قائم رہے۔

باب ۶

حفظ صحت اور حالت مرض

اقسام مرض

مرض دو قسم کا ہوتا ہے! مرض قلب اور مرض بدن۔ قرآن میں ان دونوں قسموں کے بڑے بڑے امراض اور طرق علاج کی طرف اشارے موجود ہیں۔

قلب کی بیماریوں کا علاج صرف انبیاء کے پاس ہے، وہی طبیب روحانی ہیں اور انہیں کے علاج سے شفا ہو سکتی ہے۔ عوارض جسم کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم ان عوارض کی ہے جو فطری ہیں اور ان کا علاج بھی فطرت کے ہر ذی روح کو سکھا دیا ہے، مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی وغیرہ۔ دوسری قسم ایسے عوارض کی ہے جو اسباب خارجیہ سے لاحق ہو جاتے ہیں اور ان کے علاج میں غور و فکر اور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

علاج کی تلقین

صحیح مسلم میں ہے: "ہر بیماری کے لئے دوا ہے اگر دوا لگ گئی تو مریض حکم الٰہی سے شفا پا جاتا ہے" صحیحین میں ہے: اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو"

مسند میں اسامہ بن شریک کی روایت ہے کہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ کچھ بدو آئے اور پوچھنے لگے: یارسول اللہ ﷺ کیا ہمیں علاج کرنا چاہیئے؟ فرمایا "ہاں، اللہ تعالیٰ کے بندو! دوا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو، بجز ایک بیماری کے جس کی کوئی دوا نہیں

"کہنے لگے وہ کون سی بیماری ہے فرمایا "بڑھاپا"۔
ایک حدیث میں ہے: اللہ تعالی نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو، جسے معلوم ہو گئی۔ معلوم ہو گئی، جسے نہ معلوم ہوئی، نہ معلوم ہوئی۔

علاج بھی تقدیر الٰہی ہے

سنن میں ابو خزامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: آپ ﷺ کی رائے، جھاڑ پھونک، دوا، اور بیماری سے بچنے کی دوسری تدبیروں کے بارے میں کیا ہے؟ کیا ان سے اللہ تعالی کی تقدیر ٹل سکتی ہے؟ فرمایا یہ بھی اللہ کی تقدیر ہے، روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا "کسی طبیب کو بلاؤ" ایک شخص کہنے لگا "اور آپ ﷺ بھی یا رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے ہیں!" فرمایا "ہاں اللہ تعالی نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو"
ان احادیث سے اسباب و مسببات کا ثبوت ہوتا ہے اور ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو علاج معالجہ کو برا کہتے ہیں۔

بہترین طبیب سے علاج کرانا چاہیئے

مؤطا میں فرید بن اسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص زخمی ہو گیا اور خون اندر بند ہو گیا۔ آپ ﷺ نے بنی انمار کے دو شخصوں کو طلب کیا اور بغور دیکھ کر فرمانے لگے "تم میں زیادہ طب کون جانتا ہے؟" ایک شخص عرض کرنے لگا "کیا طب سے بھی کچھ فائدہ ہوتا ہے؟" فرمایا "ہاں، جس نے بیماری اتاری ہے اسی نے دوا بھی اتار دی ہے۔"

امراض معدیہ سے تحفظ

صحیح مسلم میں ہے کہ وفد ثقیف میں ایک مجذوم بھی آیا تھا۔ آپ ﷺ اس سے نہیں ملے بلکہ کہلا بھیجا: "لوٹ جاؤ ہم نے تمہاری بیعت قبول کرلی"

بخاری میں ہے: "جذامیوں کی طرف ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھا کرو"(۱)

صحیحین میں ہے: "بیمار تندرستوں میں نہ داخل ہو" روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جذامی سے ایک یا دو نیزہ کی مسافت سے گفتگو کرو"(۲)

نیم حکیم

سنن ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ہے: "جس شخص کا طبیب ہونا مشہور نہ ہو، اور لوگوں کا علاج معالجہ شروع کردے تو وہ بیماری کی زندگی کا ذمہ دار ہے" اس سے معلوم ہوا کہ غیر طبیب کا علاج نہ کرنا چاہئے اور اگر کرے تو نقصان کی صورت میں ذمہ داری اسی کے سر ہوگی۔

بد ہضمی

مسند وغیرہ میں ہے: "جو ظرف انسان بھرتا ہے اس میں سب سے برا ظرف پیٹ ہے، ابن آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، اور اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو اس طرح کھائے کہ ایک ثلث پیٹ کھانے کے لئے ایک ثلث پانی کے لئے اور ایک ثلث سانس کے لئے رکھے"

اپریشن

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک

(۱) کیونکہ ایسا کرنے سے طبیعت میں مرض قبول کرلینے کی صلاحیت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے (مترجم)

(۲) یہ تو سنت نبوی ﷺ ہے لیکن ہم مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ متعدی امراض سے نہیں بچتے اور جو کوئی بچے اسے مطعون کرتے ہیں کہ ضعیف الایمان ہے۔ (مترجم)۔

شخص کی عیادت کو گیا جس کی پیٹھ پر ورم آگیا تھا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس کی پیٹھ میں بھوڑی ہے، فرمایا: "چاک کر ڈالو" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ اس وقت تک وہاں موجود رہے، جب تک عمل جراحی پورا نہ ہو گیا"۔

بیمار کو کھانے کے لئے نہ مجبور کرنا

ترمذی میں ہے: "بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالی انہیں کھلاتا پلاتا ہے" بعض اطباء کا قول ہے کہ یہ حدیث نبوی ﷺ فوائد طبیہ سے لبریز ہے، کیونکہ بیمار جب کھانے پینے سے منہ موڑ لیتا ہے تو اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں، یا تو طبیعت، مرض کے ازالہ میں مصروف ہوتی ہے، یا حرارت غریزی کے کم ہو جانے سے رغبت نہیں ہوتی، یا اسی طرح کا اور کوئی سبب ہوتا ہے، غرضیکہ ہر حال میں یہی اولی ہے کہ بیمار کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے، الا اتنا کھانا پینا جو طبیب کی رائے میں ضروری ہو۔

بیمار کا دل

ابن ماجہ میں ہے: جب بیمار کی عیادت کو جاؤ تو اسے زیادہ زندہ رہنے کی امید دلاؤ، اس سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن بیمار کا دل خوش ہو جاتا ہے" یہ علاج کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ بہت سے مریض بلا دوا کے محض دل بہلانے کی وجہ سے اچھے ہو گئے۔

حرام سے علاج نہ کیا جائے

رسول اللہ ﷺ نے حرام چیز دوا میں دینے سے منع کیا ہے۔ شراب کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا گیا، فرمایا: "وہ دوا نہیں، خود بیماری ہے" (کتب سنن اور بخاری میں ہے: "جو چیزیں اللہ تعالی نے تم پر حرام کر دی ہیں ان میں تمہارے لئے شفاء نہیں رکھی"۔

خاتمۃ الکتاب

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک "حیات طیبہ" کا کامل نمونہ تھا۔ آپ ﷺ مادی اور روحانی صلاح و سعادت کے اصول و قواعد اپنے ساتھ لائے جو بعینہ قرآنی اصول تھے، جن کی پیروی و پابندی سے سلف صالح، ترقی و تمدن عظمت و شوکت کی معراج تک پہنچے، اور جن کے ترک و ہجران نے مسلمانوں کو اس بلندی سے اس پستی میں لا گرایا اور جہانگری و جہانبانی کے بدلے اغیار کا محکوم و غلام بنا دیا!

مسلمانوں کی پستی کی وجہ

آج مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پست ہیں حتی کہ مذہب اور مذہبی تعلیم میں بھی ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ وہ ایسی کتابوں کی درس و تدریس میں مشغول ہیں جنہوں نے انہیں قرآن سے دور لے جاڈالا ہے۔ اب کتاب اللہ کی تلاوت، ہدایت وعمل کے لئے نہیں، صرف تبرک کے لئے رہ گئی ہے۔ حالانکہ اگر ہماری مشغولیت قرآن میں ویسی ہی ہوتی جیسی سلف صالح کی تھی تو آج یہ حالت نہ ہوتی کہ ہم پست ہیں اور غیر بلند۔ کاش ہم جانتے کہ اغیار کی یہ تمام ترقی و سربلندی انہی اصولوں کی پابندی کی بدولت ہے جو قرآن ہمارے لئے لایا تھا، مگر ہم نے ان سے روگردانی کی اور اغیار نے باوجود کافر ہونے کے ان کا خیر مقدم کیا اور تمام دنیا پر چھا گئے!

مسلمانوں اور اغیار کا موازنہ

ایک لحہ کے لئے ہم اپنے اور ان کے مابین موازنہ کر کے دیکھیں کہ ہم اپنی مذہبی درسگاہوں میں کیا کرتے ہیں اور وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کس نہج پر چل رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ موازنہ نہایت حسرتناک ہوگا مگر کیا عجب ہے کہ حسرت موجب

عبرت ہو۔ مسلمانو! ذرا دیکھو، غور کرو اور عبرت حاصل کرو!

ہمارا علم اور ہمارا فلسفہ

ہم اب تک "ضرب زید عمروا" عمرو کو زید سے پٹوانے میں مصروف ہیں اور اغیار صنعت و حرفت، تجارت اور ایجادات و اکتشافات کے سر کرنے میں منہمک ہیں......!

ہم "جمع الجوامع" اور "ابن حاجب" جیسی کتابوں کے رموز و غوامض کی تحلیل میں پڑے ہیں اور وہ اجسام کو بسیط عناصر میں تحلیل کرنے اور اعضا کے اعمال و وظائف معلوم کرنے میں لگے ہوئے ہیں......!

ہم منطق کے خیالی گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں اور صغری و کبری کی فکر میں حیران و سرگرداں ہیں، لیکن وہ اقتصادی انجمنیں بنانے اور خیرات خانے قائم کرنے میں کوشاں ہیں!

ہم اپنے خیالی مقدمات سے نتائج نکالنے کی ادھیڑ پن میں پڑے ہیں، اور وہ سمندروں سے موتی اور مرجان نکالنے اور زمین سے سونا اور جواہرات اگلوانے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔

ہمارا صرفی نحوی

ہم "تابّط شراً" اور "معدیکرب" کی ترکیب میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور وہ ادویہ و ماکولات و مشروبات کی ترکیب میں مصروف ہیں، برقی تار کے جال پھیلاتے ہیں، توپیں قلعوں پر چڑھاتے ہیں، ریل کی پٹریاں بچھاتے ہیں!۔

اغیار کی سائنس

ہم استعاروں اور کنایوں کے بنانے میں پریشان ہیں اور "رأیت فی الحمام اسدا" (میں نے حمام میں شیر دیکھا) کے سے ہزار سالہ پامال استعاروں پر سر دھنتے ہیں،

لیکن وہ جہاز بناتے ہیں، سمندروں کو طے کرتے ہیں، پانی نلوں میں زمین سے آسمان تک لے جاتے ہیں، بجلی کو تاروں پر دوڑاتے ہیں، اور خشکی اور تری کو ایک کر رہے ہیں......!

ہم ابھی تک اس بحث سے فارغ نہیں ہوئے کہ جانور کی کھال اور بال طاہر ہیں یا نجس، لیکن وہ انہیں درست کرتے اور ان سے دولت پیدا کر رہے ہیں :!

صفات الٰہی کی انتہائی تحقیق ہم نے یہ کی کہ قدیم ہیں، ازلی ہیں، قائم بالذات ہیں، اگر ہماری آنکھوں کا پردہ اٹھ جائے تو انہیں دیکھ لیں "لیکن وہ ان کی تحقیق الفاظ سے نہیں، عمل سے کرتے ہیں، وہ انسانی و حیوانی و نباتی اجسام کے عجائبات سے پردہ اٹھاتے اور قوانین الٰہی و سنن فطریہ کے راز فاش کرتے ہیں......!

غیر مسلموں کی رفعت پرواز

ہمارے علوم و فنون کی سرحدیں لفظی مجادلات سے آگے نہیں بڑھتیں، انہیں عمل سے کوئی تعلق نہیں، تزکیہ نفس اور اصلاح اجتماعی کا اس دفتر پارینہ میں ایک نسخہ بھی موجود نہیں، لیکن ایک وہ ہیں کہ آسمانوں پر اڑے، زمین کے اندر پہنچے، پانی اور ہوا پر سوار ہوئے، قدرت کے خزانوں پر قابض ہوئے، ہر چیز کے مالک بنے، حتی کہ ہمارے سر بھی نیچے کر دئے اور اپنی غلامی کا بھاری جو ہماری گردن پر رکھ دیا......!

یہ ہے ہماری حالت اور یہ ہے ان کی حالت، پھر صحیح موازنہ کیونکر ہو :

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون، انما يتذكر اولو الالباب (الزمر: ۹)

پوچھو، کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔

مسلم واعظ کور بصری

لیکن بایں ہمہ ہمارا واعظ انتہائی ادعا و نخوت کے ساتھ منبر پر کھڑا ہوتا ہے اور غایت درجہ بے حیائی سے پکارتا ہے :

(الدنیا سجن المومن و جنة الکافر)

دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

یہ کہہ کر وہ مسلمانوں کو اور بھی ترقی و تمدن سے دور کر دیتا ہے، کیونکہ اس کے زعم میں دنیا کو آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس کے پاس آخرت کا پروگرام کیا ہے؟ وہ اسے یوں بیان کرتا ہے:

"من صام ثلاثة ایام من رجب غفرت ذنوبه ولو کانت مثل زبد البحر و ادخل الجنة بغیر حساب واعطی ما لم یحصه الا الله من نعیمه"

جس نے رجب کے تین روزے رکھ لئے اس کے تمام گناہ معاف ہو گئے اگرچہ بحر ذخائر کی مانند ہوں، بغیر کسی حساب کے جنت میں پہنچا دیا گیا، اور اتنی نعمتوں سے شادکام ہوا جن کا اندازہ بجز اللہ تعالی کے کوئی نہیں کر سکتا!

اور کہتا ہے: "شہادت کا اقرار کرتا ہے اگرچہ عمل نہ کرے، امت محمد ﷺ یہ میں ہیں اور امت محمدیہ کے لئے ہمیشہ خوشخبری ہے!" اور کہتا ہے: "نبی ﷺ قیامت میں گنہگاروں کی شفاعت کریں گئے، سخت سے سخت مجرم و خاطی جنت میں جا سکتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ نیک کردار اور فرمانبردار دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جا سکتا ہے"

غرضیکہ یہ اور اسی قسم کی تعلیمات ہی "جو احساس کو مارتیں، بزدلی، سستی، بدنظمی پھیلاتیں، ہیبت الہی کو زائل کرتی" الہی وعدوں کو مشتبہ بناتیں اور مذہب مذہبیت کو بے قیمت کر کے ڈال دیتی ہیں۔

افسوسناک حال کی ذمہ داری

اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان صرف دعوائے اسلام کو کافی سمجھتا ہے، عمل کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتا، بلکہ اکثر مسلمان تو اسلامی تعلیمات پر مطلقاً چلتے نہیں، لیکن اس پر

بھی اسلام کے مدعی ہیں" اصل یہ ہے کہ اسلام برائے نام رہ گیا ہے اور مسلمان صرف مردم شماری کے رجسٹروں میں ملتے ہیں۔ اس افسوسناک حالت کی تمامتر ذمہ داری انہیں بدنما اور شرمناک تعلیمات پر ہے جو ہمارے واعظوں اور ملاؤں سے نکل کر مسلمانوں کے دلوں میں گمراہی کا گھر بناتی ہیں۔

کیا دنیا واقعی مومن کا قید خانہ ہے؟

ہمارے واعظ سن کر دانا و بینا، انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے اس وسیع دنیا کو صرف کافروں کے لئے مخصوص کر دیا ہے کہ عیش کریں اور سربلندی حاصل کریں اور مومن کے لئے اسے قید خانہ بنا دیا ہے کہ ذلت و خواری محرومی و نامرادی، عبودیت و غلامی کے ساتھ اس میں پڑا زندگی کے دن پورے کرتا رہے؟ کیا مومن کے خلق کرنے سے اس حکیم و برتر کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ گلے میں تسبیح ڈالے کسی مسجد یا خانقاہ میں بیٹھا چٹائی توڑا کرے؟ گویا جنت صرف کاہلوں، غافلوں، اور غلاموں کے لئے ہے، اور گویا اسلام ذلت و مسکنت، لاچاری و بے چارگی، غلامی و خواری کا مجموعہ ہے۔

اسلام حکومت و سلطنت کا مذہب ہے

حالانکہ اگر دیدہ بصیرت واہوتا تو ہمارے واعظوں کو معلوم ہوتا کہ اسلام، عمل و نشاط، دولت و ثروت، جاہ جلال، حکومت و سلطنت کا مذہب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مومن کو دنیا میں قید اور ذلیل و خوار ہونے کے لئے پیدا کیا ہے تو آخرت میں عزت و سعادت کس بناء پر بخشے گا؟ کیا آخرت کی سرخروئی، دنیا کی روسیاہی کا معاوضہ ہو سکتی ہے؟ کیا آخرت اسی دنیا کا نتیجہ نہ ہوگی؟ کیا نجات و سعادت کا مدار عمل پر نہیں ہے؟ کیا جنت ان روسیاہوں کو بھی مل جائیگی جن کے کیسہ میں بجز دعوائے اسلام اور فسق و فجور کے کچھ نہیں؟ کیا جنت ایسی پڑی لٹ رہی ہے کہ ہر کس و ناکس اس پر قابض ہو جائے گا؟

اگر یہ خیال ہے تو یہ کفر ہے، ضلالت ہے۔ جنت و آخرت، اجر وثواب کا دوسرا نام ہے۔ جنت و آخرت، عمل اور صفر عمل کا نتیجہ اور معاوضہ ہے: "جزاء وفاقا" (النزعت: ۲۶) (پورا پورا معاوضہ) اور فرمایا:

" و من کان فی هذه اعمی فهو فی الاخرة اعمی و اضل سبیلا".
(بنی اسرائیل: ۷۲).

جو اس دنیا میں اندھا ہے، وہ آخرت میں بھی اندھا ہے بلکہ اور بھی زیادہ گم کردہ راہ۔

اندھا کون ہے، وہ جسے گمراہی نے دین و دنیا سے غافل کر دیا ہے، جسے بزدلی اور جھوٹی آرزوؤں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمت امت و وطن سے ہٹا دیا ہے۔ جو قوم اس دنیا میں ذلت وخواری پر قانع ہے، اور عبودیت و مسکنت میں زندگی بسر کرتا ہے، ضرور ہے کہ آخرت میں بھی اسی حال پر رہے، بھڑکتی ہوئی جہنم میں گرے، جنت کی جھلک تک نہ دیکھے، کیونکہ وہ کافر ہے، مومن نہیں۔

مومنین کی صفات

مسلمان آنکھیں کھولیں، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی زندگی پر غور کریں اور سنیں کہ اللہ تعالی نے مومنین کی صفات کیا بتائی ہیں۔ فرمایا:

انما المومنون الذین امنوا بالله و رسوله ثم لم یرتابوا و جاهدوا باموالهم وانفسهم فی سبیل الله اولئك هم الصادقون. (الحجرات)

مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہیں پڑے، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، وہی لوگ سچے ہیں۔

اور فرمایا:

من عمل صالحا من ذكر او انثى و هو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة و لنجزينهم اجرهم باحسن ما كانوا يعملون: (النحل: ۹۷).

حالت ایمان میں جو کوئی مرد یا عورت اچھے عمل کریگا ہم اسے اچھی زندگی بخشیں گے اور ان کے بہترین اعمال کے حساب سے ان کو بدلہ دیں گئے۔

اور فرمایا:

قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده والطيبات من الرزق، قل هى للذين آمنوا فى الحياة الدنيا خالصة يوم القيامة كذلك نفصل الايات لقوم يعلمون (الاعراف: ۳۲).

اے پیغمبر پوچھو کہ اللہ کی زینت کو جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے بنایا اور اچھے رزق کو کس نے حرام کر دیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ سب مومنوں کے لئے دنیا کی زندگی میں اور باطل انہیں کے لئے قیامت کے دن ہے، ہوشمندوں کے لئے ہم اس طرح نشانیاں کھولتے ہیں۔

اور فرمایا:

ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا (النساء: ١٤)

اللہ تعالی مومنوں پر کافروں کو ہر گز کوئی راہ نہ دیگا۔

و سخر لكم ما فى السموات و ما فى الارض جميعا منه ان فى ذلك لايات لقوم يتفكرون. (الجاثية: ١٣).

آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے تمہارے لئے اللہ تعالی نے مسخر کر دیا ہے، اس میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اور فرمایا:

و لله العزة و لرسوله و للمؤمنين ولكن المنافقين لايعلمون. (المنافقون: ٨).

غلبہ و شوکت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے لئے اور مومنوں کے لئے لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

اور فرمایا:

وعد الله الذين آمنوا منكم و عملوا الصالحات ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم، وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضى لهم و ليبدلنهم من بعد خوفهم امنا، يعبدوننى لايشركون بى شيئا، ومن كفر بعد ذلك فاولئك هم الفاسقون (النور:۵۵)

تم میں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے کہ انہیں ضرور زمین کا وارث بنائیگا ٹھیک اس طرح جس طرح ان سے پہلوں کو بنایا تھا، اور ضرور ان کے لئے اس دین کو محکم و قائم کر دیگا جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ضرور خوف کو امن امان سے بدل دیگا، اس کے بعد بھی جو کفر کرے، بلاشبہ فاسق ہے۔

انتباہ

اے غافل قوم! دیکھ یہ ہیں مومنوں کی علامتیں، نہ وہ جو تجھ میں پائی جاتی ہیں کہ زندگی اور زندگی کے مصالح اور مفاسد سے بے خبر ہے، علوم و فنون سے جاہل ہے، غلامی کے لعنتی طوق گلے میں ڈالے ہے، "مغضوب علیھم اور الضالین کی سی بہیمانہ زندگی بسر کر رہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ تیرے مردہ جسم میں زندگی کا خون دوڑے، رگ حمیت کو جنبش ہو، عمل کی طرف رغبت ہو، آزادی کا جذبہ جاگے، اور شوق شھادت دلوں کو بے تاب کر دے......!

ربنا اننا سمعنا مناديا ينادى للايمان ان آمنوا بربكم ، فآمنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا و كفر عنا سيئآتنا و توفنا مع الابرار (ال عمران: ۱۹۲)

(ابو زید)

مختصر

الترغیب والترہیب

تصنیف: شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

ترجمہ: محمد خالد سیف، اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

محدثینِ کرامؒ نے سرمایہ حدیث کی حفاظت کیلیے جہاں دیگر بیشمار موضوعات پر کتب مرتّب فرمائیں. وہاں انہوں نے ترغیب وترھیب سے متعلق احادیث کی جمع وترتیب کا فرض سرانجام دیا. ان احادیث نبویہ میں انسان کے دل میں اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کا شوق پیدا کیا گیا ہے نیز بُرے اعمال و اخلاق سے بچنے کی تلقین کی گئی، ان کے انجام سے ڈرایا گیا اور آخرت میں ان کی سزا بیان کی گئی ہے۔

اس موضوع پر لکھی گئی کتب میں سب سے زیادہ مشہور کتاب امام حافظ عبد العظیم منذریؒ کی الترغیب والترھیب ہے. بلند پایہ محدث اور صحیح بخاری کے شارح حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس کتاب کا اختصار کیلیے ضعیف اور مکرر روایات کو حذف کر کے صرف انہی احادیث پر اکتفا کیا جو سند اور متن کے اعتبار سے قوی اور صحیح ترین ہیں جسکی وجہ سے یہ اپنے موضوع کی ایک لطیف اور حسین کتاب ہے۔ اس کتاب کا اردو زبان میں پہلی بار سلیس اور شگفتہ ترجمہ پیشِ خدمت ہے بمطالعہ فرمائیے اور دل کی دنیا آباد کیجئے "عنقریب زیورِ طباعت سے آراستہ کی جارہی ہے"

رابطہ کے لیے: تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ

I/۶۳۹ مسجد الرحمن گوالمنڈی راولپنڈی